

ہندوستانی مسلمان

ایک تاریخی جائزہ—اور—موجودہ صورت حال کی عکاسی

ہندوستان کی تہذیب و تمدن کی تشکیل اور ملک کی تعمیر و ترقی میں
مسلمانوں کا حصہ، ان کے علمی، دینی و سیاسی کارناامے،
ان کی شخصیت و خصوصیات اور ان کے موجودہ مسائل و
مشکلات

مولانا یسید ابو الحسن علی ندوی

مجلس تحقیقات و انتشاریات اسلام لکھنؤ

(جلد حقوق بحق مجلس تحقیقات و نشریات اسلام محفوظ ہیں)

HINDUSTANY MUSALMAN

بارسوم

۱۹۹۲ھ - ۱۳۱۲ء

کتابت	ظہیر احمد کاگوروی
طبع	لکھنؤ پیشگ ہاؤس (آفٹ)
صفحات	۲۲۰
قیمت	

باہتمام

محریفات الدین ندوی

مطبوع و ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ لکھنؤ
(ندوہ العلماء)

فہرست مَضَائِبِ

”ہندوستانی مُسلمان“

صفحتاں	عنوانات	صفحتاں	عنوانات
۲۳	نئے اسالیب	۱۲ - ۹	حروفِ آغاز
۲۴	تہذیب و تہدن میں انقلاب	ہندوستان کی تہذیب و تہدن پر	ہندوستانی مُسلمان
۲۵	قیمِ ہندوستان کی تصویر بارے کے قلم سے	۳۷ - ۱۵	مسلمانوں کے اثرات
۲۶	بیوہ جات کی ترقی	۱۵	مسلمان میلٹری اور درویش
۲۷	صنعت و حرفت اور زراعت و	۱۵	خانجہ اور بانیان حکومت
۲۸	تجارت کی ترقی	۱۶	مکہ سے دامنی تھنڈا اور جدید خدمت
۲۹	شیرشاہ و اکبر کی اصلاحات اور فتویں آزادی	۱۷	باہر کی تہدن دنیا سے ہندوستان کی تعلقیں
۳۰	رفاهِ عامہ کے کام	۱۷	تہدن اور ترقی یا نتہ دنیا سے ذریعہ انتصال
	رہنمہ بھٹکے طبلقوں میں وسعت	۱۸	توجیہ و خدا پرستی کا اسلامی عطیہ
	ونظافت	۴۹	اسلامی آنوت و مساوات کا لامعہ
	تہدن و ثقافت پر گھر سے اثرات	۲۰	عورت کے حقوق اور بعض رسم کی صلاح
	طبی خدمات	۲۱	فقہ ناریخ

				مسلمانوں کے دشائی
۵۱	فقہ علماء میں ہندوستان	۳۳		تعمیری کارنامے
۵۲	علماء و شرفاۃ کامن	۳۲		
۵۳	ہندوستانی نزد اہل کمال	۳۳		نورانی مشعل
۵۴	علماء ہند کے علمی کارنامے ۳۵ -			
۵۸	بیماری خرا و فاضل و زرا و امراض خرا	۳۵		مسلمانوں کی نازکی اور درہری ذمہ داری
	علم اسلام کے عمومی علمی و فکری اضتمال	۳۵		علمائے ہند کی تفہیقی سرگرمیاں
۶۳	بین الاقوامی شهرت کی مالک ہندوستانی			کے دوریں ہندوستان کا استثمار و انتیاز
۶۴	تحقیق و جدید نظر	۳۶		تصنیفات
	دور آخین اصلاح و تجدید کی	۷۱		کثیر التصانیف مصنف
۶۵	تحریکات کامکن			تصنیفیں اسلام کے حالات کا
۶۶	ہندوستان کے دینی مصلح وداعی	۷۲		عظمیت زین ذخیرہ
۶۷	ہندوستان کی مردم خیز اسلامی نسل	۷۳		دور حاضر کے عظیم مصنفین
۶۸	ہندوستان کے صوفیاء کرام اور	۷۳		فن حدیث کی خدمت
۶۹	ہندوستانی معاشرہ پران کے اثرات	۷۵		علمائے ہند کی بعض بیگانہ تصنیفات
۷۰	۸۶ - ۶۹			عربی زبان و ادب پر قدرت
۷۱	ہندوستانی تصوف کا ایک گز و شیع	۷۸		ہندوستان کی عربی صحافت
۷۲	تصوف اور صوفیاء سے لوگوں کا لحن	۷۸		عربی کے جدید انشاء پرواز
۷۳	اور رجوع عام	۵۰		ہندوستان کی ایک اسلامی شخصیتیں
۷۴	زندگی اور معاشرہ پراثر			۵۱
	صاحب مراجحت و اینیاز شخصیتوں کا وجود			۵۲

۱۰۰	دوسرا بین الاقوامی شمارہ عقیدہ توحید	۶۷	پر زمیں اور حق گوئی
۱۰۱	تیراشاہزادگان مساواتِ انسانی کا عقیدہ	۶۹	زہرو استندا
۱۰۲	جزعی و فروعی انتیازات	۸۱	اشاعت علم
۱۰۳	فنونِ سطیف کے باعث میں مسلمانوں کا روابط	۸۲	پرورشِ خلائق
۱۰۴	اسلامی اخلاقیات	۸۵	انسانیت کی پناہ گاہیں
۱۰۵	مسلمانوں کی تہذیب میں ہندوستانی اثرات	۹۲	عربی کے اثرات ہندوستانی
۱۰۶	زبانوں پر ۸۷ - ۹۲	۹۲	زبانوں پر
۱۰۷	افکار و حیالات و تعبیر کا باہمی تبادلہ	۸۶	
۱۰۸	ہندوستان کی قدم علمی تحریکیں اس کے پردیسی افکار دیسی ریاستیں میں	۸۸	
۱۰۹	مرکزاً اور اس کی خصوصیات ۱۰۷ - ۱۱۶	۸۸	سکے
۱۱۰	کھانوں کے اقسام	۸۹	قدیم نصابیم اور ان کے علمی مرکز
۱۱۱	سامانِ تراجم و آرائش	۹۰	سنده و ممان
۱۱۲	تعییر کے کارپوری دار	۹۱	دہلی
۱۱۳	تعییر کے آلات و اوزار	۹۱	لاہور
۱۱۴	نمونے کے چند اور لفظ	۹۲	چنپور
۱۱۵	ہندوستانی اسلامی تہذیب ۹۵ - ۱۱۶	۹۵	گجرات
۱۱۶	تہذیب کی تشکیل کے دو عوامل	۹۵	الآباد
۱۱۷	ابراهیمی تہذیب کی تین خصوصیتیں	۹۶	لکھنؤ
۱۱۸	مسلمانوں کی زندگی میں اثر کی یاد	۹۷	اوده کے تفصیلات

نواب تعلیم کے مختلف دور

دور اول

دور دوم

دور سوم

دور چہارم

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نصاب نظام تعلیم میں ندوۃ العلماء کا

تختیل اور انظاری کام

درست الاصلاح سرائے میر

جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ

دارالعلوم بھوپال

عصری تعلیم کے سلم مراکز

سلم یونیورسٹی علی گڑھ

جامعۃ قریبہ ہلی

جامعۃ عثمانیہ جید راند

دارالمصتین عظم گڑھ

ندوۃ المصتین ہلی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

مسلم ایجنسیٹ کانفرنس علی گڑھ

دینی تعلیمی پورڈ اور دینی تعلیمی کونسل

دانشہ المعارف جید راند

دارالترجمہ مر جوم

جماعت اسلامی کا نصاب اور سلمان

بچوں کی صورت

قدیم کتب خانے

ہندستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ

۱۵۵ - ۱۸۰

سلطان جنگ آزادی کے خانہ وہنا

۱۱۳

۱۱۴

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

۱۷۵

۱۷۶

۱۷۷

۱۷۸

۱۷۹

۱۸۰

۱۸۱

۱۸۲

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۱

۲۴۲

۲۴۳

۲۴۴

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۷

۲۴۸

۲۴۹

۲۵۰

۲۵۱

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۴

۲۶۵

۲۶۶

۲۶۷

۲۶۸

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۲

۲۷۳

۲۷۴

۲۷۵

۲۷۶

۲۷۷

۲۷۸

۲۷۹

۲۸۰

۲۸۱

۲۸۲

۲۸۳

۲۸۴

۲۸۵

۲۸۶

۲۸۷

۲۸۸

۲۸۹

۲۹۰

۲۹۱

۲۹۲

۲۹۳

۲۹۴

۲۹۵

۲۹۶

۲۹۷

۲۹۸

۲۹۹

۳۰۰

۳۰۱

۳۰۲

۳۰۳

۳۰۴

۳۰۵

۳۰۶

۳۰۷

۳۰۸

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۱

۳۱۲

۳۱۳

۳۱۴

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۷

۳۱۸

۳۱۹

۳۲۰

۳۲۱

۳۲۲

۳۲۳

۳۲۴

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۷

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۲

۳۳۳

۳۳۴

۳۳۵

۳۳۶

۳۳۷

۳۳۸

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲

۳۴۳

۳۴۴

۳۴۵

۳۴۶

۳۴۷

۳۴۸

۳۴۹

۳۵۰

۳۵۱

۳۵۲

۳۵۳

۳۵۴

۳۵۵

۳۵۶

۳۵۷

۳۵۸

۳۵۹

۳۶۰

۳۶۱

۳۶۲

۳۶۳

۳۶۴

۳۶۵

۳۶۶

۳۶۷

۳۶۸

۳۶۹

۳۷۰

۳۷۱

۳۷۲

۳۷۳

۳۷۴

۳۷۵

۳۷۶

۳۷۷

۱۶۲	شیخ الہند مولانا ناصح محمد حسن	۱۵۶	بیوی سلطان کی بجد و بھرداری اور ولادتی
۱۷۳	مولانا عبدالباری فرنگی محلی	۱۵۷	جنگ آزادی کا متعدد محاذ
۱۷۴	روولٹ رپورٹ	۱۵۸	اس جنگ میں مسلمانوں کا حصہ
۱۷۵	تحریک خلافت اور پہنچ مسلم اتحاد	۱۵۹	انگریزوں کا جوش انقام اور سفاکی
۱۷۶	مولپوس پر انگریزی نظام	۱۶۰	خاڑی گری اور نسل گشی
۱۷۷	ترکی مولالات کی تحریک	۱۶۱	”islami بغاوت“
۱۷۸	انگریزی سیاست کے ترکیش کا آخری تیر	۱۶۲	مسلمانوں کا قتل عام
۱۷۹	شروعی سنگھن اور تبلیغ تنظیم	۱۶۳	جہاد و توبیت کی تبیت
۱۸۰	فرفہ و ارانہ فسادات کی ملکی گیر آگ	۱۶۴	مسلمانوں کی بے دخلی اور بلازمتوں سے محرومی
۱۸۱	علیحدگی کا بڑھتا ہوا رجحان	۱۶۵	مسلمانوں سے پر خاش
۱۸۲	مسلمانوں کا قومی محاذ اور یہ کا	۱۶۶	ایران انڈمن
۱۸۳	مطالیہ	۱۶۷	تعلیم و بیاست میں پیمانہ دیگر کا سبب
۱۸۴	مولانا حسین الحمدی اور جمعیۃ العلماء	۱۶۸	انڈین نشیل کا انگریز کا قیام اور
۱۸۵	مولانا آزاد	۱۶۹	اس میں مسلمانوں کا حصہ
۱۸۶	ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ	۱۷۰	سرستہ احمد خاں کا جلدی انگریزی سماں کی محاذ
۱۸۷	مسئلہ مشکلات ۱۸۱-۱۱۶	۱۷۱	علماء کی کا انگریز کی حیات
۱۸۸	مشکلات اور آزادی کی قوموں کی	۱۷۲	جنگ بلقان اور برطانیہ کے خلاف
۱۸۹	زندگی کے لئے ضروری ہیں	۱۷۳	فکری بغاوت
۱۹۰	دعوت و تبلیغ کی راہ کے جوابات	۱۷۴	

۲۰۷	اہم اور تاریخی مساجد کو مندرجہ ذیل یں تبديل کرنے کا مطالبہ	۱۸۵	جارحانہ اور حرف ایک مذہبی تہذیب، کی ناشدگی کرنے والا نظام تعظیم
۲۰۹	سوئے ہوئے فتنوں کو بچنا درست یہیں	۱۹۰	اردو زبان کا مثلہ
۲۱۰	نحریک پیام انسانیت اور اس کی صورت	۱۹۶	مسلمانوں کا اقتصادی مثلہ
۲۱۲	انڈکس (ثاریہ) مرتبت محمد بن اسد الدین تمہروی	۱۹۹	مسلم پرنس لا



حروف آغاز

دنیا میں مختلف قوموں، فرقوں اور آبادی کے مختلف عناصر کے اتحاد و اغما' مجتہت و معزّت اور تعاون و اشتراک کے ساتھ رہنے اور بقائی باہم (CO-EXISTENCE) کے لئے ضروری ہے کہ ہر قوم دوسری قوم کے مزاج و مذاق، عقائد و رولیات، اجتماعی بیرونی و کردار اس کے ماضی اور اس کی نایابی، اس کے علمی و فنی کارناموں اور اس کی تحریری اور تخلیقی صلاحیتوں سے ذرcht و اقتہب ہو بلکہ ان کا احترام اور ان کی فضیلی کرنی ہو، ان کے ساتھ ہمدردی ایجمنی کرنی ہو اور ان کو ایک قابل قدر قابل حفاظت و دولت سمجھتی ہو۔ اسی بنیاد پر اس زمانہ میں ہر جگہ دوسرے مالک کی زبان و آداب، ثقافت اور کچھ، ان کے عہدہ ماضی اور نایابی قبیم بیان نک کر ان کے فنون طبیف سے واقف ہو، اپنے ضروری سمجھا جاتا ہے، ایک ملک سے دوسرے ملک کو ثقافتی و فوڈ (CULTURAL MISSIONS)

جالتے ہیں، جو وہاں کے علم و آداب اور ثقافت اور کچھ کام طالع کرتے ہیں اور اپنے ملک کے علم و آداب اور ثقافت اور کچھ کا اس ملک میں تعارف کرتے ہیں، ہر ملک میں دوسرے مالک سے ثقافتی روابط اور واقفیت پیدا کرنے کے لئے منتقل اوارے اور شعبے قائم کئے جاتے ہیں جن پر فراغدی اور اولاد المعنی سے روپیہ خرچ کیا جاتا ہے، انھیں

مہیدار اور اہم مقاصد کے پیش نظر حکومت ہند (INDIAN COUNCIL FOR CULTURAL RELATIONS)

(ہندوستانی مجلس برائے روابط ثقافتی) کے نام سے ایک بڑا ادارہ

قام گیا ہے اور کچھ یہ سرکاری دوسرے ادارے مثلاً (INDO-ARAB SOCIETY)

(INDO-IRANIAN SOCIETY) وغیرہ بھی قائم ہیں جو مختلف ملکوں سے ثقافتی روابط

اور ایک دوسرے کی تہذیب اور کچھ سے تعارف پیدا کرنے کے لئے مختلف وسائل اختیار

کرتے ہیں۔

ایسی صورت میں کہ جب دنیا کے مختلف ملکوں میں اور خود ہمارے ملک میں دورافتادہ ملکوں سے علمی و ثقافتی روابط پیدا کرنے اور عام خبر سگانی کا جذبہ پایا جاتا ہے اور ہر ملک کو دوسرے ملک کی زبان و ادب اس کے تہذیب میں تہذین، اس کی شاعری و موسیقی اور اس کے جذبات اور امنگوں سے واقع ہونے کا عام شوق نظر آتا ہے اور ملک کے بیاسی تقاضے اور عالمگیر امن کا مسئلہ بھی اس کا تقاضا ہے، کیا جزوی انہیں چہ کہ ایک ہی ملک کے باشندے دوسرے باشندوں کی (حوالا کھوں یا کروں) کی تعداد میں صدیوں سے اس ملک میں رہے ہیں اور انہوں نے اس ملک کی تابعیت میں اکیل ہم پارٹ ادا کیا ہے؟ تابعیت ان کے علمی و فائدہ نی کارناموں اور ان کی تعمیری اور تخلیقی صلاحیتوں سے واقع ہوں یہ ایک عجیب تضاد اور ہندوستان کی قومی زندگی کا خلا ہے کہ بیان کی آبادی کا ایک ہم عضروں سے اہم عضر کے تہذیبی درست اور تابعیت قدیم سے نا آشنا اور بیگانہ اور اس حقیقت سے بالکل نا واقع ہے کہ اس ملک کی تعمیر و ترقی اور آزادی کی جنگیں کیا حصہ یا ہے اور اس کا اس ملک کے نشوونامیں کیا کارنامہ اور حصہ (CONTRIBUTION) ہے اس قوم کی آرزوی اور امنگیں کیا ہیں، اس کی زندگی کے مسائل اور موجودہ دوریں اس کی مشکلات کیا ہیں؟

صدیوں سے ایک بُجگہ ساتھ رہنے اور دو شہزادگی گزارنے کے باوجود ایک دوسرے سے آئنی ناواقفیت اور ابتدیت ایک ایسا خلا ہے جس کو بہت شدید سے محسوس کیا جانا چاہئے اور اس کو پُر کرنے کی جلد کوشش ہونی چاہئے، ہندوستان کے مختلف عناصر میں ہم آہنگی اور بانہی انخاد و اعتماد جو ملک کی ترقی کے لئے ناگزیر ہے، اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک ہم ایک دوسرے کی ملک کی تعمیر و ترقی کے کام میں افادیت و ضرورت، اماضی اور حال اور قبل کے نقشہ میں اس کی قدر و قیمت اور اس کے تفاوں سے حاصل ہوتے والے ترقی کے امکانات کو نسبیتی ہوں۔

یہ بات صرف ناواقفیت تک محدود نہیں ہے زیادہ خطرناک اور شیش ایکیز بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں ایک پوری کی پوری قوم کی تہذیبیت تایخ اس کے گذشتہ کارناؤ اور ملک کے آزاد کرنے کی جدوجہد میں اس نے جو مرکزی اور اہم پارٹ ادا کیا ہے، اور اس را ہمیں جو بیش بہترینیاں دی ہیں ان کو ظفر انداز کرنے اور ان کے احکام کرنے کا رجحان پیدا ہو چلا ہے، ہندوستان کی تایخ کو اس طرح بیش کرنے کی ایک منظم کوشش کی جا رہی ہے، کہ گویا مسلمانوں کا دور ایک پر دیسی قوم کا سامراجی دور تھا جو ہر طرح کی خوبی اور جن سے خالی تھا، اس دور میں کوئی بلند شخصیت کوئی تمدنی اور علمی کارنامہ ملک کی تعمیر و ترقی کا کوئی بے لوت اور بے دفعہ کام نہیں ہوا، جس پہنچوستان کو فخر کرنے کا موقع ہوا آزادی کی طویل بُجگ میں اس کی حیثیت محض نمائشائی یا غیر متعلق فرقہ کی بقیٰ اور اگر اس نے اتفاقاً کوئی حصہ لیا تو اس کی کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں ہے، اس طرح سے ہم ہندوستان کے ہر سے بھرے اور سدا بھار درخت کی ایک نمر و ارشاخ پر خود تیشہ چلا رہے ہیں، اور بہ ثابت کر رہے ہیں کہ آٹھ سو، ہزار برس تک یہ درخت بے قیض اور بے نمرز ہا اور

اس ملک میں خداون کا دور دوڑہ رہا۔

یہ واقعہ تاریخی خفاۃت کے بھی خلاف ہے اور اس سے ہمارے ملک کی زر خیزی و مردم خیزی اور اس کی فطری صلاحیت پر کبھی حرف آتی ہے اور اس طرح ہم نہ صرت یہ کہ کروں کی تعداد میں بینے والی ایک قوم کے ساتھ نہ انضامی کرتے ہیں اس کے دل کو دکھاتے ہیں اور اس کی امنگوں پر اوس ڈالتے ہیں بلکہ اس ملک اس کی تباہی اور اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کے ساتھ بھی نہ انضامی کرنے ہیں جن کو اس کی بڑی ضرورت ہے کہ اس دور کی ممتاز اور قابلِ تقليش شخصیتوں کا نمونہ ان کے سامنے لا یا جائے بیرون اسلامی مالک کے ساتھ (جن کی دستی کے ہم خواہ شدہ ہیں) اس دور کے کارناموں کو اچانگا کر کے ہم ہندوستان کا زیادہ و پتھر و موثر طریقہ پر تعارف کر اسکتے ہیں اور ان کے علمی حلقوں کو ہندوستان کی عظمت کا قائل اور معترض بنائتے ہیں وہ پہلے سے بہت سے ناموں اور کاموں سے ماؤں اور واقعہ ہیں اس لئے ہم کو اسلامی زیادہ کوشش اور دردسری کی ضرورت نہ ہوگی۔

اسی ضرورت و حقیقت کا احساس ان اوراق کی اشاعت کا محترم ہے ہمارے ملک کے بہت سے مسلمان اور عیری مسلم دوستوں کے لئے ضمیم کتابوں کا پڑھنا اور فارسی اور قدیم ہریک اردو کتابوں کے ذریعہ ان کارناموں اور اس دور کے ثقافتی اور علمی اور سیاسی کام سے واقعہ ہونے کا موقع نہیں ہے اس کے لئے ایسی ہلکی ہلکلی کتابوں کی ضرورت ہے جس ہیں اس دور اور اس زندگی کی جھلکیاں پیش کی گئی ہوں اور اس کا اجتماعی تعارف ہو۔

راقم اسطورہ ۱۹۵۷ء میں جب مشرق و سلطی کی طویل سیاحتی کے واسطے اسی آنندھیا ریڈیو کی فرائش سے ہندوستانی مسلمانوں کے عنوانات پر عربی میں چند تقریریں یہ تقریبیں مشرق و سلطی کے بعض ہندوستانی سفارت خالوں نے بہت پسند کیں اور ان کی اشاعت کی

تجویز میش کی، خود اُل انڈیا ریڈیو نے بعض دوسری زبانوں میں ان کو نشر کیا، ایک بین الاقوامی عربی رسالہ "المسلمون" (دمشق) نے بالا قساطان کو شائع کیا جیسا ہو اکر اگر انھیں تقریروں پر نظر ثانی کر لی جائے اور کچھ صوری مصایبین کا اضافہ کر دیا جائے تو اس مقصد کی تکمیل کے لئے جس کا اوپر تنزک ہو ایہ ایک مناسب پیش کش ہو سکتا ہے، چنانچہ اس کو عربی میں ایک کتاب کی شکل میں تکمیل کر دیا گیا، اور یہاں سے عربی فرقہ مولوی سید محمد حسن ندوی سابق مدرس دارالعلوم ندوۃ العلماء نے مصنفوں کی فرمائش پر اس کتاب کو شفاقت اور شستہ اور وہ میں منتقل کیا، اور ان پر دوبارہ نظر ڈال کر مناسب اور مندرجہ اضافہ اور تحریم کی گئی۔ بعد میں اس مجموعہ میں مصنفوں کے متعدد اہم مصایبین کا اضافہ کیا، جو ریڈیو پر پر شہر نہیں ہوئے تھے۔

یہ کتاب عربی میں "المسلمون فی الهند" کے نام سے ہندوستان اور بلاد عربیہ سے شائع ہوئی اور اس کے متعدد ایڈیشن نکلے، انگریزی میں (MUSLIMS IN INDIA) کے نام سے اس کا ترجمہ شائع ہوا، اردو میں "ہندوستانی مسلمان" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کی طرف سے اس کے متعدد ایڈیشن نکلے، مرور زمان سے مصنفوں کو اس کی صورت محسوس ہوئی کروہ اس پر نظر ثانی کرے اور بعض صوری مصایبین کا اضافہ کو جو کتاب کی اولین اشاعت کے وقت پیش نظر تھے، اور نہ وہ واقعات اور خطرات پیدا ہوئے تھے جن کی بنابری ان پر روشنی ڈالنا اور ان کا نوش لینا ضروری تھا، اس طرح یہ کتاب لپیٹے ان اضافوں کے ساتھ مطابق حال اور (UP TO DATE) بن گئی ہے۔

امید ہے کہ مجموعہ ہر طبقہ میں پھیپھی اور توجہ کے ساتھ پڑھا جائے گا اور شاید وہ لہ اس سلسلہ کا ایک ہم مضمون ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ، عربی میں محمد احمدی مروم کا ترجمہ کیا ہو لے۔

نا واقفیت اور بیجا عصبیت کے کم کرنے میں اور ایک وسیع اور حقیقت پیدا نہ نقطہ تحریر یاد کرنے میں کوئی مقید خدمت انجام دے سکے جس کی ہماری قومی زندگی کو محنت حضورت ہے۔
 یہ تو قبھی بیجا نہیں ہے کہ نہ صرف یعنی مسلم دشمنوں بلکہ بہت سے پڑھنے کے مسلمانوں کو بھی اس سے بہت بیشی باتیں معلوم ہوں گی اور ان کے علم و واقفیت میں اضافہ ہو گا، اور اس احساس کہتری (INFERIORITY COMPLEX) کا بھی کچھ مدد ادا ہو گا جو بیداری سے مسلمانوں میں اس دور میں روپا ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں کے لئے کوئی جواز نہیں ہے، وہ نہ صرف ملک کے آزاد یا عزت شہری اور فقیم باشد رہے ہیں بلکہ اس عظیم ملک کے ایک معمار (ARCHITECT) ہیں اور ان قوموں میں جھوٹوں نے اس ملک کی خدمت کی، اس کا پایہ بننے کیا، اس کے نہلان اور ذہن کوئی زندگی اور وسعت بھاطا کی اس کوئی دینا اور اخلاقی قدروں سے روشناس کیا اور اس کے چین کوئی سلیقہ سے منوارا، ان کا پایہ سب سے بلند ہے ایسا کی خاک کے ذرہ ذرہ پر ان کی عظمت کا نقش اور اس ملک کے چھپتے پر ان کی ذہانت، ان کے ٹھوڑے اور ذوق تعمیر اور جذبہ خدمت کی یاد گاریں ہیں، بیہاں کی زندگی اور تہذیب کا ہر گوشہ ان کے ذوق لطیف اور مذاق سلیم کی شہادت دیتا ہے، ہندوستان کی سر زمین پر یہ شخص بھی قدم رکھ گا اور بیہاں کی تاریخ کی جو بھی ورق گردانی کرے گا وہ بے اختیار پکارا لے گا۔

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
 کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

ابوالحسن علی ندوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بدر جب ۱۳۷۲ھ
 ہزو روی ۱۹۹۳ء

ہندوستان کی تہذیب و تکران پر مسلمانوں کے اثرات

مسلمان مبلغ اور درشیں

اس عظیم ملک میں مسلمان کبھی تو ہر قسم کے دنیا وی امداد اور رادی منفعت سے بے نیاز ہو کر خالص دینی چیزیات کے تحت داخل ہوئے، وہ یہاں اسلامی عدل والنصاف کا پیغام لے کر آئے؛ تاکہ تنگ و تاریک دنیا میں روشی و کشاورگی کے لئے ترسنی ہوئی انسانیت کو خدا کی وسیع زمین میں فطرت کے انمول خزانوں سے بہرہ ور ہونے کا طرائفی سکھائیں اور فلامی و حکومی کی آہنی زنجیروں سے جکڑے ہوئے بے بس انسانوں کو خالق کائنات کی بخششی ہوئی آزادی سے مستفید ہونے کا موقع دلائیں اسلام کے بے لوث خاذنوں اور دشایاں بوشیں کی زندگیاں ان مخلص مبلغوں کی بہترین مثال ہے جن کے سائیع عالم میں ہندوستانی معاشرہ کے تاءٰ ہوئے ہزاروں مظلوموں کو نہ صرف پناہ ملی بلکہ وہ ان کے بیہقی بیپ بیٹیوں اور بھائی بہنوں کی طرح رہنے لگے، حضرت یتی علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ اور سید علی بن شہاب ہمدانیؒ کشیری کاشمار انھیں برگوں میں ہوتا ہے۔

فاخت و بانیان حکومت

کبھی مسلمان اس ملک میں فاخت پہ سالاروں اور بلند پرست سلاطین کی جیتیتے

آئے جیسے سلطان محمد غزنوی، شہاب الدین محمد غوری اور ظہیر الدین بارنیوی، ان سلاطین کے ہاتھوں اس ملک میں ایسی عظیم اشان حکومت کی بنیاد پڑی جس نے عرصہ دراز تک اس ملک کی خدمت کی اور اسے نزقی و خوشی کی بلند زین میں نک پہونچا دیا۔

ملک سے دائمی تعلق و جذبہ خدمت

غرضک مسلمان اجرا جیتیت سے بھی اس ملک میں آئے انھوں نے اسے اپنا وطن سمجھا، ان کا عقیدہ تھا کہ زمینِ خدا کی ہے وہی جس کو چاہتا ہے اپنی زمین کا وارث و نگہبان بتا دیتا ہے وہ اپنے کو خدا کی طرف سے اس کی زمین کا تنظیم اور اس کی مخلوق کا خادم سمجھتے تھے اور اس پر عقیدہ رکھتے تھے کہ

ہر ملک ملکِ راست کو ملکِ خدائی راست

اس لئے مسلمانوں نے ہدیتہ اس ملک کو اپنا وطن، اپنا گھر اور اپنی دائمی قیامگاہ سمجھا جس سے وہ بھی اپنی نظریں پھریتے رکھتے تھے، چنانچہ اس ملک کی خدمت کے لئے انھوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں اور خداداد فقابلیت و ذہانت صرف کر دی، ان کا خیال تھا کہ وہ اس ملک کی دولت میں بوجھی اضافہ کریں گے وہ گویا خود ان کی اپنی تروتی میں اضافہ ہو گا کیونکہ ان کا مستقبل اسی سر زمین سے والستہ ہے، اس تصویر کا قدرتی تشبیح یہ تھا کہ مسلمانان ہند اس ملک کو جس نظر سے دیکھتے تھے وہ انگریزوں اور دوسرا انتظام پسند طاقتوں سے بالکل مختلف تھی، یورپ کی استعماری طاقتوں کا مقصد صرف بیان کی دولت کھینچنا تھا، ان کے نزدیک دراصل اس ملک کی جیتیت ایک استمار دودھاری گامی کی سی تھی، جوان کے پاس چند دن رہ کرو اپس جانے والی تھی، اس لئے وہ اس کو

اچھی طرح دوہ لینا چاہتے تھے، اس ملک کی ترقی و خوشحالی میں مسلمانوں نے جس بھی سے کام لیا اس کا حقیقی راز یہی ہے۔

بابر کی تمدن دنیا سے ہندوستان کی بے تعلقی

مسلمان جب ہندوستان میں آئے تو یہاں قیدِ علوم و فلسفہ موجود تھا پھر، غلط بیوہ اور خام اشیاء پر کثرت پیدا ہوتی تھیں ایکنہنہ زندگی بحاط سے وہ تمدن دنیا سے عرصہ دراز سے بالکل الگ نخلگ تھا، ایک طرف اونچے اونچے پہاڑ اور دوسرا طرف دیس سمندر اسے بیرونی دنیا سے رابطہ قائم کرنے سے روکتے تھے، سبے آخری تاجدار جو بابر کی تمدن دنیا سے یہاں آیا تھا وہ سکندر عظیم تھا اس کے بعد میں مسلمانوں کے آنے تک بابر کی دنیا سے اس ملک کا کوئی رشتہ نہ تھا، نہ بابر کے افکار و بخالات اعلوم و تمدن اور علم و فن کے نئے طریقے یہاں تک پہنچ سکتے تھے اور نہ یہاں کے قیدِ علوم بابر جا سکتے تھے۔

تمدن اور ترقی یا فتنہ دنیا سے در لیعہ اتصال

ایسی حالت میں مسلمان (جو اس وقت مشرق کی سب سے ترقی یافتہ قوم تھے) اس ملک میں داخل ہوئے، ان کے ساتھ ایک نیا، مبنی بر عقل و حکمت اور علمی دین تھا اپنے علوم ترقی یافتہ تمدن شااستہ تہذیب مسند تہذیبوں کے فرمی تحریرات اور شاداب باغوں اور دنیا کی بہت سی قوموں کے ذہین و ذکر انسانوں کے تنازع فکر تھے، جس میں یورپ کا ذوقِ سلیم، ایرانیوں کی لطافت اور ترکوں کی سادگی تھی، اس کے علاوہ بہت سی نادر چیزوں اور کیمیائی روزگار تھے۔

توحید اور خدا پرستی کا اسلامی عطیہ

سب سے پہلی قسم اور ناد رجھنے والے مسلمان بیان لائے وہ اسلام کا خالص اور پیغمبل عقیدہ توحید رکھا جس کے تحت عبود و معبد کے درمیان دعا و عبادت کے لئے کسی درمیانی پرستی کی صورت نہیں ہے، اس عقیدہ میں "تَعْبُدُوا إِلَهًا" خدا کے مظہر یا سایہ کے نصوٰر اور "حَلُولٍ وَّاتِّيَادٍ" کے عقیدہ و نظریہ کی گنجائش نہیں، بلکہ خدائے واحد بے نیاز کی الوہیت اور وحدانیت کا اعتراف و اقرار ہے جس کے نہ کوئی بیٹا ہے زباد اور نہ خدائی میں کوئی اس کا شرک، کائنات کی خلفت و پیدائش و نیکا نظم و سق اور زین انسان کا افتخار اعلیٰ اسی کے باوجود ہے اس عقیدہ توحید کا اثر ہندوستان پر چو صدیوں سے اس توحید خالص کے عقیدہ سے آشنا تھا قادر تھا، ہندو تہذیب اور ہندو فنہب پر اسلام کے اثرات کا نذکر کرنے ہوئے مشہور فاضل و مورخ ڈاکٹر کے ایم۔ پانیکر

(K. M. PANIKAR)

"یہ بات تو واضح ہے کہ اس عبید میں ہندو مذہب پر اسلام کا گھر اثر پڑا، ہندوؤں میں خدا پرستی کا تصور اسلام ہی کی بدلت پیدا ہوا، اور اس زمانہ کے تمام ہندو پیشواؤں نے پہنچ دیوتاؤں کا نام چالے کچھ بھی ارکھا ہو خدا پرستی ہی کی تعلیم دی، یعنی خدا ایک ہے، وہی عبادت کے لائق ہے، اور اسی کے ذریعہ ہم کو خفات مل سکتی ہے"

لہ متفہدا و رکیش المتفہدا خداوں اور معبودوں کا وجود اور عقیدہ۔

لہ خدا کا کسی تخلوق... میں سراہیت کر جانا اور دلوں کا ماملہ کر ایک ہو جانا۔

تلہ (A SURVEY OF INDIAN HISTORY) ماذ از ہندوستان کے عبود و طیا کی ایک جملہ

طبعہ دار المصنفین علمگردد ص ۲۵

اسلامی اخوت و مساوات کا تحفہ

اجتماعی زندگی میں ہندوستان کے لئے سبے نئی اور قمیتی پر ہر اسلامی اخوت و مساوات، کا نصیر تھا، مسلمانوں کے بیان نہ تو طبقاتی اور نجی نفعی اور نہ ایجاد حکومت نام کی کوئی قوم تھی، ان کا عقیدہ تھا کہ کوئی شخص جنم کا ناپاک یا جاہل نہیں ہوتا کہ جس کو حصول علم کا حق نہ ہو، کسی پیشی یا صفت کے لئے کوئی ذات خاص نہیں تھی بلکہ ایک سماں نہ ہتے تھے، کھاتے پہنچتے تھے اور امیر و غریب سب پہلو پہلو حصول علم کی کوششیں کرتے تھے، ہر شخص کو حق تھا جو پیشہ چاہے اختیار کرے۔

انسانی مساوات کا یہ نظام ہندوستانی ذہن اور ہندوستانی سماج کے لئے ایک بیان تحریر اور غور و فکر کی دعوت تھی جس سے اس ملک کو بہت فائدہ پہنچا، اسی کے نتیجے میں رائج وقت طبقاتی نظام کی بندشیں بڑی حد تک ڈھیلی ڈگیں اور ملک میں طبقاتی نظام کے خلاف رہ عمل شروع ہو گیا، نیز معاشرتی اصلاح کے علمبرداروں کے لئے اس نے چمیز کا کام کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس تاریخی حقیقت کا اعتراض ان الفاظ میں کیا ہے:

”شمائل مغربیے آئے والے حلہ آوروں اور اسلام کی آمد ہندوستان کی تاریخ میں کافی اہمیت رکھتی ہے، اس نے ان خرابیوں کو جوہنڈہ سماج میں پیدا ہو گئی تھیں یعنی ذاتوں کی تنفری، چھوٹ پچھات اور اتنا درجہ کی خلوت پسندی کو باکل آشکارا کر دیا، اسلام کے اخوت کے نظریے اور مسلمانوں کی عملی مساوات نے ہندوؤں کے ذہن پر بہت گہرا اثر ڈالا،

خصوصاً وہ لوگ جو ہندو سماج میں برابری کے حقوق سے محروم تھے،
اس سے بہت متاثر ہوئے۔

عورت کے حقوق اور بعض رسم کی اصلاح

دوسرانچہ جو مسلمان اس ملک کے لئے لائے وہ عورت کی عرّت اور خاندانِ انسانی کے ایک باعثت فرو اور مرد کی رفتیہ حیات کی جیشیت سے اس کے حقوق کا اعتراض تھا، ایک ایسے ملک میں جہاں شریعت عورتیں شوہروں کی موت پر تباہ ہو جاتی تھیں، کیونکہ سماج اور خود ان کی نظر میں شوہر کے بعد انھیں زندہ رہنے کا حق نہیں تھا، اسلام کے بخشنے ہوئے صفت نازک کے حقوق کی جواہبیت ہو سکتی تھی، وہ مختاریج بیان نہیں ہے۔

ستی کی چبیب والزہ بیخی رسم کی اصلاح میں بھی مسلمان سلاطین اور ایل گوت نے (ہندوستان کے مذہبی عقائد و رسم کے احترام اور رعایت کے ساتھ) مکمل حصہ لیا، ہندوستان کا مشہور بیان ڈاکٹر بربریر لکھتا ہے:-

”آج کل پیلی کی نسبت ستی کی تعداد کم ہو گئی ہے، کیونکہ مسلمان جو اس ملک کے فرانزروائیں، اس وحیانہ رسم کو نمیت و نابود کرنے میں حقیقت رکوش کرتے ہیں، اگرچہ اس کے انتہاء کے واسطے کوئی قانون مقرر نہیں ہے، کیونکہ ان کی پالیسی (تدبیر ملکت) کا یہ جزو ہے کہ ہندوؤں کے معاملات میں دست اندازی کرنا مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ مذہبی رسم کے بجائے میں ان کے

آزادی دینتے ہیں تاہم سنت کی رسم و رواج کو یعنی ایک جمیع کے طرقوں سے روکتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ کوئی عورت بغیر اجازت اپنے صوبہ کے حاکم کے سنتی نہیں ہو سکتی اور صوبہ دار ہرگز اجازت نہیں دیتا، جب تک واقعی طور پر اس امر کا یقین نہیں ہو جاتا کہ وہ اپنے ارادے سے ہرگز باز ن آئے گی۔

صوبہ دار بیوہ کو بحث و مباحثہ سے سمجھا تاہے — اور بہت سے وعدے و عید کرتے ہیں اگر اس کی فہمائش اور تدبیریں کارگر نہیں ہوتیں تو کبھی ایسا بھی کرتا ہے کہ اپنے محل سرا میں بھیج دیتا ہے تاکہ بیگیات بھی اس کو اپنے طور پر بچائیں، مگر باوجود ان سب امور کے سنتی کی تعداد اب بھی بہت ہے خصوصاً ان راجاؤں کے علاقوں اور عمل داریوں میں جہاں کوئی مسلمان صوبہ دار نہیں ہے؟

فتنہ نایخ

مسلمانوں نے بہت سے جدید علوم بھی ہندوستان میں منتقل کیئے ان علوم میں تایخ کافن بہت اہم ہے، کیونکہ اس وقت تک اس فن میں یہ ملک بالکل نہیں دست تھا، یہاں کوئی کتاب صحیح معنوں میں تایخ کی کتاب کہلاتے کی مستحق ذہنی بلکہ صرف نہ ہی تو نہیں زمیہ قصائد اور مہماں بھارت و رامائش کے لئے نہیں تھے مسلمانوں نے فتنہ نایخ میں منتقل کتب خانہ تیار کر دیا جس کا شمار تایخ کے ویسخ ترین کتب خانوں میں لہ و قائل یرویاحت (TRAVEL IN MOGHAL EMPIRE) از ڈاکٹر بنیز ترجمہ جلد دوم مدد

کیا جا سکتا ہے جو کسی ملک میں وجود میں آئے۔

ڈاکٹر گٹھاوی بان اپنی کتاب "تہذین ہند" میں لکھتا ہے:-

"قديم ہند کی کوئی تاریخ نہیں ہے، ان کی کتابوں میں مطلقاً تاریخی و اتفاقی درج نہیں ہیں اور نہ ان کی عمارات اور یادگاروں سے اس کو کسی تلاقوں ہر قیمتی کیونکہ پرانی سے پرانی یادگار بیشکل تیری صدی سے قبل کی ہے، علاوہ چند نہیں کتابوں کے جن میں بعض تاریخی و اتفاقات کہا ہیں اور حکایات کے اندر دفن ہیں یا قدیم ہند کے حالات کا معلوم کرنا اسی تدریش کے بعد جیسا کہ اس خیالی جزیرہ اٹلانٹس کا جو لیقول افلاطون انقلاب ارضی کی وجہ سے تباہ ہو گیا"

پھر یہ لکھنے کے بعد کہ وید اور رامائن مہابھارت سے کسی قدر اس ملک کے حالات پر روشنی پڑتی ہے لکھتا ہے:-

"ہندوستان کا تاریخی زمانہ فی الواقع مسلمانوں کی فوج کشی کے بعد

سے شروع ہوا اور ہندوستان کے پہلے مورخ مسلمان تھے"

له مولانا یسید عبد الحجی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الثقافة الاسلامية في الهند"

(ہندوستان میں اسلامی پلچر) کے سرسری جائزے سے فن تاریخ میں مسلمانان ہند کی سرگردیوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ڈشنٹ کی مشہور رکیڈی میں "الجسم العلمی العولی" سے اس کتاب کے ڈاکٹریشن بچھے ہیں،

دارالتصفین اعظم گڑھ سے اس کا رد و ترجیح اسلامی علوم و فتوح ہندوستان ہیں کے نام سے شائع ہوا یہ ہندوستانی مسلمانوں کی تصنیفات اور علمی خدمات کی ایک منقول ڈاکٹری ہے۔

لہ تہذین ہند کتاب سوم ہندوستان کی تاریخ ص ۱۷۲

نئے اسالیب

ہندوستان کو مسلمانوں سے عمومی طور پر وسعتِ خیال، تدریتِ فکر اور شعروادب کے نئے اسالیب ملے نیاز اور یہ نگاہ اور نیاز از فکر بغیر عقلی اور ادی و فکری امترزاچ کے نامکن تھا، دوسرے تھا لفوت اور اضافوں کے ساتھ جو مسلمانوں نے ہندوستانی تہذیب میں کئے، مسلمانوں نے اس ملک کو ایک نہایت حسین اور وسیع زبان دیا جو ہندوستان کی مختلف قوموں کے درمیان نباولہ خیال کا ذریعہ اور علم و ادب کی زبان قرار پائی، اس سے مراد ارادہ ہے جس کی وسعت اور شیرینی مختلف توارف نہیں ہے۔

تہذیب و تمدن میں انقلاب

اس ملک کی تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت اور زندگی کے طور طریقوں پر مسلمانوں کی چھاپ دوسرے نام گو شوؤں سے زیادہ گھری نظر آتی ہے، انہوں نے اس ملک کی زندگی میں ایک نیا انقلاب پیدا کر دیا جو اس تصریح کے پرانے ڈھانچوں سے بالکل مختلف تھا، بالکل اسی طرح جیسے موجودہ یورپ کی زندگی وہاں کے قرون وسطیٰ کی زندگی سے بالکل مختلف ہے۔

قدیم ہندوستان کی تصویر بابر کے قلم سے

مسلمانوں نے اس ملک کے تہذیبی سرمائی میں جوگراں قدر اضافہ کیا ہے، اس کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم ہندوستان کے اس دور کا جائزہ لیں،

جب سلامان یہاں نہیں آئے تھے اور جدید اسلامی ہند کی تعمیر نہیں ہوئی تھی، سلطنتِ مغلیہ کے باقی ظہیر الدین بابر (۸۸۸-۹۳۹ھ مطابق ۱۴۷۶ء-۱۵۲۳ء) نے مسلمانوں کے لئے اس ملک کی زندگی کا نقشہ بہت ہی واضح طور پر کھیپا ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہو گا کہ مسلمانوں نے اس سرزین کو اپنے تعمیری ذوق اور ماہراز صلاحیتوں کی بدولت کہاں سے کہاں پہونچا دیا، واضح رہے کہ مغلوں کی آمد سے بہت پہلے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہو چکی تھیں، اور انہوں نے تعمیر و ترقی کی جدوجہد شروع کر دی تھی، بابر اپنی "تو زک" میں لکھتا ہے : -

"ہندوستان میں لچھے گھوڑے نہیں، اچھا گوشت نہیں انگور نہیں،
خربوزہ نہیں، بروٹ نہیں، آپ سرد نہیں، حمام نہیں، مرد نہیں، شمع
نہیں، مشعل نہیں، شمع دان نہیں، شمع کے سجائے ڈیوبٹ ہوتا ہے نہیں۔
پائے کا ہوتا ہے، ایک پایہ میں چوڑا غ دان کے منہ کے شکل کا ایک لوہا، کلدی
میں وصل کر کے لگا دیتے ہیں، ایک دھیمی بیٹی دوسرا پائے میں لگی ہوتی ہے،
داہنے ہاتھیں کدو کی ایک توپی ہوتی ہے جس کا سوراخ تنگ ہوتا ہے،
اسی کی راہ سے نیل کی پتلی سی دھار گرتی ہے، راجوں اور ہمراجوں کو رات کے
وقت رشتنی کا کچھ کام پڑنا ہے تو توکری بیکثیت ڈیوبٹ کے کران کے پاس
کھڑے ہوتے ہیں۔

باخنوں اور عمارتوں میں آپ روان نہیں، عمارتوں میں نہ صفائی ہے نہ مزوہ،
نہ ہوا، نہ ناشیب، عام آدمی سنگ پاؤں ایک نگوئی لگائے پھر تیری عوئیں و حوقی
باندھتی ہیں جس کا آدھا حصہ کمر سے پسیٹ لیتی ہیں اور آدھا سر پر ڈال لیتی ہیں" ॥

پنڈت جواہر لال نہرو ہندوستان کی اس تصویر پر جو بابر کی توزک میش کرتی ہے تبصرہ کرتے ہوئے لکھنے ہیں :-

"بابر کی لکھی ہوئی تایع نے ہمیں اس تہذیبی افلاس کا پتہ چلتا ہے جو شانی ہند پر چایا ہوا تھا، اس کی وجہ کچھ تو وہ بر بادی لفظی جوتیمور کے حمل کے باعث ہنور میں آئی اور کچھ بیسا بات تھی کہ بہت سے عالم، آرٹسٹ اور صناع شانی ہند چھوڑ کر جنوب کی طرف چلے گئے تھے، اس تسلی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستانیوں کی تخلیقی قوتیں کے سوتے خشک ہو گئے تھے۔"

بابر کہتا ہے کہ اس ملک میں ہوشیار کارگروں اور صناعوں کی کمی نہیں ہے، لیکن یہاں کے میکانکی اختراعات میں ذمانت اور ہوشیاری بالکل نہیں ہے۔

میوه جات کی ترقی

سربریزی اور شادابی کے باوجود اس ملک میں میوه جات اور پھل بہت کم تعداد میں اور کم جیشیت میں ہوتے تھے اور جو کچھ پیدا ہوتے تھے وہ عموماً خود رونگوچن کی طرف اہل ملک خاطر خواہ توجہ دینے تھے، لیکن جب مغل (جن کا ذوق بہت بلند تھا، اور جن کے وطن میں بکثرت پھل اور میوے پیدا ہوتے تھے) اس ملک میں داخل ہوئے تو انہوں نے پھلوں اور میوه جات کو بڑی ترقی دی جن کی تفصیل "توزک بابری" اور "توزک چہانگیری" سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ مخلوں نے ہندوستانی پھلوں کی طرف خاص توجہ کی اور مختلف اقسام کے پھلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ قلم کر کے متعدد الکھی اور

لذیز قسم دیافت کیں، آم ہند و تسان کا مشہور اور لذیز ترین چل ہے سفرخالوں کے داخل سے قبل اس کی صرف ایک قسم یعنی تجھی ہوتی تھی لیکن انھوں نے مختلف اقسام کے باہمی میں سے قلمی آم دیافت کئے جو نہایت لذیز اور خوش رنگ ہوتے ہیں اس کے نتیجے میں قلمی آم کی اتنی قسمیں پیدا ہوتے لگیں جن کا شمار مشکل ہے۔

صنعت و حرفت اور زراعت و تجارت کی ترقی

بہی حال کپڑے کی صنعت کا نامہ، ہند و نشانیوں کا باباس عام طور سے گزی گاڑھا اور معنوی قسم کے موٹے سوت یا خام اون کا ہوتا تھا۔

سلطان محمود بن محمد شاہ گجراتی نے جو محمود بیگڑہ (م ۹۱۶ھ) کے نام سے مشہور تھا، متعدد کارخانے قائم کئے تھے، جن میں کپڑا بُنائی، رنگائی، چھپائی اور ڈیزائن نیاز کرنے کا کام ہوتا تھا، سُنگ تراشی، ہاتھی دانت، لیشی کپڑے اور کاغذ سازی کے کارخانے بھی قائم کئے گئے، سلطان محمود گجراتی نے بڑا سخرا نعمیری ذوق پایا تھا، اس نے ملک کے گوشه گوشه میں بے شمار صنعتی، زرعی اور تجارتی سرگرمی پیدا کر دی تھی، ہند و تسان کے مابین نازموں رخ مولانا بیت بعد احمدی رحمۃ اللہ علیہ "نزہۃ الخواطر" میں سلطان مذکور کے تذکرے میں لکھتے ہیں :-

"سلطان کے عظیم کارناموں میں ملک کی ترقی، مساجد و مدرسے اور سافرخالوں کی تعمیر، زرعی پیداوار میں اضافے پریل دار و رختوں اور باغات کی تعمیر شامل ہے، اس نے لوگوں کو ان کاموں کے لئے ابھارا اور آپاشی کے لئے کنوں اور نہریں بنوائیں، اسی لئے کاریگری، مسماں اور

صنعت و حرفت کے ماہرین ایران و ترکستان سے اس کے پاس کیشہ تعداد میں آئے اور اپنی صفتیں بیہاں جاری کیں، جس کے نتیجے میں گجرات کنوں اور چینوں کی بدولت ایک سریز و شاداب چینستان بن گیا، بیہاں ہلہاتی کھیتیاں، گھنٹیاں، قات اور لذیذ یبوسے پیدا ہوتے لگا، اس کے علاوہ گھر ایک تجارتی منڈی بھی بن گیا جہاں سے اعلیٰ قسم کے قیمتی کپڑے پیروں بند بھیجے جاتے تھے، یہ سب کچھ سلطان محمود شاہ کی توجہ اور ملکت قوم کی ترقی و خوشحالی کے لئے اس کی گھری اچھی پیشی کا نتیجہ تھا۔

شیرشاہ اور اکبر کی اصلاحات اور قوانین آراضی

آراضی کے لگان اور جائیداد کی پیمائش وغیرہ کے نظام میں مسلم بادشاہوں نے خاص اصلاحات کیں، اور قوانین بنائے، مالیات خصوصاً ساروں کی تنظیم کے سلسلے میں جو میشیں قیمت اصلاحات اس دور میں ہوئیں اس سے قبل ہندوستان ان سے قطعاً ناواقف تھا، قانون سازی اور دفتری تنظیم میں شیرشاہ سوری کو کمال حاصل تھا، اس کی پیروی یہ دکو اکبر نے کی۔

رِفَاهِ عامَّۃ کے کام

جانوروں کی تربیت اور ان کی نسلوں کی ترقی میں بھی مسلم حکومتوں کو کمال حاصل تھا، جہاں اگر کسی "توزک" اور دوسرا کتبہ تایخ مثلاً "آئین اکبری" وغیرہ میں

الہ نزہۃ النظر جلد چہارم نزدکہ سلطان محمود بن محمد گراجی مص

یہ تفصیل سے ملے گی — اپنالوں اور مخلج خالوں کے قیام اور بادی عالمہ نفریگا ہوں، بڑی بڑی نہروں اور وسیع نالیوں کی تعمیر مسلم حکومتوں کا کارنا نہ ہے، مولا نایب عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بنی نظیر کتاب "جنتۃ المشرق" میں اسلامی عہد کے ہندوستان کے شفا خالوں رفاه عام کے اداروں اور تعمیری منصوبوں کی طویل فہرست درج کی ہے۔

ہندوستان کے مشرقی و مغربی حصوں کو ملانے والی طویل زین سرکنی یہی مسلمان بادشاہوں کی بنوائی ہوئی ہیں، ان میں سے مشہور سرکنی پیر شاہ سوری کی بنوائی ہوئی سرکنی ہے جو اس وقت کے مشرقی پاکستان کے آخری حدود دشمنگاؤں سے لے کر (مغربی پاکستان میں) سندھ کے مقام نیلاب تک جاتی ہے، اس سرکن کی بیانی تین ہزار میل یا چار ہزار آٹھ سو نو تین (۳۲۸۰) کیلومیٹر ہے، تین یک کیلومیٹر یا ڈویں پر ایک مسافر خانہ ہوتا تھا، جس میں ایک نگر ہندوؤں کے لئے اور دوسرا مسلمانوں کے لئے ہوتا تھا، ساتھ ہی ایک مسجد بھی ہر دوسرے میل پر بنائی گئی تھی، جس کے مੌذن حافظ اور امام مقرر تھے، ہر مسافرخانہ میں پیغام رسانی اور ڈاک کے لئے تیز رفتار ڈو گھوٹے رہتے تھے جن کی مرد سے روزانہ نیلاب کی خبریں بیکال کی دور د راز سرحد تک پہنچائی جاتی تھیں، سرکن پر دو روپی چل دار درخت تھے، جن کا پھل اور سایہ سافروں کے لئے بیش بہالت تھی۔

رہتے سہنے کے طرقوں میں مسعت و نظافت

مزید برآں مسلمانوں نے ہندوستان کو نظافت پاکیزگی اور خود دلوش کی ایشیاء میں

لہ یہ کتاب "الہند فی العهد الاسلامی" کے نام سے دائرة المعارف الفتحیہ حیدر آباد سے شائع ہو چکی

ہے اس کا رد او رانگریزی ایڈیشن محلہ ٹھٹھا دہڑا ملا کلکھنیہ ننگی بوجھا ہے

خوش ذوقی، اصول صحت کی پابندی، مکانوں کو ہبادار اور رون بنانے کا طریقہ اور قسم قسم کے کھانے پینے کے بڑنوں سے بھی آشنا کیا، اس سے قبل اہل ہند بڑی بڑی دعوتوں میں درخت کے پتوں پر رکھ کر کھانا کھاتے تھے (اور آج بھی کہیں کہیں اس کا دنور باتی ہے) لیکن مسلمانوں نے بیہاں کے سماج بیہاں کی گھر میوزندرگی اور گھروں کی آرائش و زیرائش میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، انہوں نے جدید فتن تعمیر بھی ایجاد کیا جو سینیڈگی کی لطافت ہٹھن اور تناسب میں ملک کے قبیم فتن تعمیر سے ممتاز تھا، سماج محل فتن تعمیر کے عجوبہ روزگار نوونہ کی حیثیت سے اس عہدہ زریں کی یاد نازہ کرتا ہے گا۔

ہندوستانی ثقافت پر گھرے اثرات

پنڈت جواہر لال نہرو نے (DISCOVERY OF INDIA) میں ہندوستانی سماج، ہندوستانی فکر اور ہندوستانی ہندوستانی ثقافت پر مسلمانوں کے تاقابلِ فراموش گھرے اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے :-

”ہندوستان میں اسلام کی اور ان مختلف قوموں کی آمد نے جو لپیڑ ساختہ نئی خجالات اور زندگی کے مختلف طرزے کرائیں بیہاں کے عقائد اور بیہاں کی ہیئت اجتماعی کو متاثر کیا، بیرونی فتح خواہ کچھ بھی براہیاں لے کر آئے اس کا ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے، یہ حوالام کے ذہنی افہم میں وسعت پیدا کر دیتی ہے اور انھیں محور کر دیتی ہے کہ وہ لپنتے ذہنی حصار سے باہر نکلیں وہ یہ سمجھتے لگتے ہیں کہ دنیا اس سے کہیں زیادہ بڑی اور بزرگمیوں چے جیسی کروہ بھکھ رہے تھے۔

بالکل اسی طرح افغان فتح نے ہندوستان پر اثر ڈالا اور بہت سی

تبدیلیاں و یو دیں آگئیں، اس سے بھی زیادہ تبدیلیاں اس وقت ہٹھور میں آگئیں جبکہ ہندوستان میں آئے، کیونکہ یہ اقوالوں سے زیادہ شاشت اور ترقی یافتہ تھے، انہوں نے ہندوستان میں خصوصیت کے ساتھ اس نفاست کو راجح کیا جو ایران کا حصہ تھی۔^۱

اس حقیقت کا اعتراض سابق صدر کانگرس اور جنگ آزادی کے ایک نہاد اکٹر پٹابی سینا ریتھے جو کانگرس کے اجلاس جے پوریں اپنے خطبے صدارت میں ان الفاظ سے کیا، «مسلمانوں نے ہمارے کلچر کو الامال کیا ہے اور ہمارے نظام و نشیونٹ کو مشتمل اور ضبوط بنایا، تیز وہ ملک کے دُور دراز حصوں کو ایک دوسرے سے قریب لائے ہیں کامیاب ہوئے، اس ملک کے ادب اور اجتماعی زندگی میں ان کی پچاپ بہت گہری دکھائی دیتی ہے!»

طبی خدمات

مسلمانوں کی آمد اور ان کی حکومتوں کی وجہ سے ہندوستان کو اس وقت کی متعدد و نزقی یافتہ دنیا میں جو مرکزیت حاصل ہو گئی تھی، اس کی بدولت اس ملک کو جو علمی اور سادی فوائد حاصل ہوئے ان میں ایک وہ نظام علاج و معالجہ بھی ہے جو طب بجدید کی ترقی اور وسعت کے دور سے پیشہ دنیا کا سب سے ترقی یافتہ منظر اور بقول طنز علاج تھا، اور جس کو عام طور پر طب یونانی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اسپیں، عراق و ایران و گرگستان اپنے دو بڑے وجہ میں اس طب کا سب سے بڑا مرکز تھا اور وہ قریون و سلطی

^۱ ام ۲۱۹ تھے خطبیہ صدارت اندیں بیشتر کانگرس اجلاس جے پور ۱۹۴۷ء

میں اس کے امام فن اور عقق پیدا ہوئے، ہندوستان میں طاقت و راسلامی سلطنت قائم ہو جانے کے بعد اور شاہان ہند کی علوم و فنون کی قدر دانی اور اول اعززی کی دانتائیں سننے کے بعد اس فن کے کامل اور ماہر کیے بعد دیگر سے اس ملک کا رخ کرنے پہنچے اپنے سالوں صدی ابھری سے شروع ہو گیا اور تقریباً بارھویں صدی انک قائم رہا، ہندوستان کے ان بکمال ہمانوں اور مجتہد للفن حکماء، پھر ان کے کامل الفن تلامذہ اور حاذق طبیبوں کی قابلیت و خدافت، انہاک اور جذب خدمت کی بدولت یہ فن ہندوستان میں پہنچ پڑے عروج پر پہنچ گیا، اور اس کے سامنے تمام قدیم طریق علاج اندر پڑ گئے، ہندوستان کا کوئی شہر، قصبه طبیبوں سے خالی نہیں رہا، یہ طریق علاج ارزان بھی تھا، بہل احصوں بھی تھا، ہندوستان کے مزارج و طبیعت و آب و ہوا کے مطابق بھی تھا اور مشرق کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور وسیع طریق علاج تھا، اس لئے بہت جلد مقبول ہوا اور سرعت کے ساتھ پھیلا اور اس نے کثیر آبادی کے اس ملک کے باشندوں کی جن میں بڑی تعداد غربی کی ہے، گران قدر خدمت انجام دی، ہندوستان کے اطباء نے اپنی ذہانت، محنت اور تحریر سے اس کو چارچاند لگادیئے، آخری دو میں دہلی اور کھنڈ اس کے دو اہم مرکز تھے، اور اب ساری دنیا میں ہندوستان ہی اس کا مرکز رہ گیا ہے اور اسی کے دم سے اس کی زندگی اور ابروف قائم ہے۔

مسلمانوں کے دس اعیطے

مشہور ہندوستانی مؤرخ سرجا دو ما تھ سرکار نے (JADU NATH SARKAR)

لہ ہندوستان میں اس فن کی آمد اشاعت اور ترقی کی تاریخ اور بہانے کے نام طبیبوں کے نام اور ان کے کارناموں کے لئے ملاحظہ "الثقافة الاسلامية في الهند" (مطبوعہ دشن)

جن کی تعداد تصانیف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں اپنے ایک مضمون میں جو کلکتہ کے مشہور انگریزی رسالہ "پر ابد حا بھارت" (بیدار ہند) میں شائع ہوا تھا، مسلمانوں کے ان دش عطیات کا تذکرہ کیا ہے جو انہوں نے ہندوستان کو بخشی ہیں، ان دش چیزوں میں تعداد چیزوں ہم اس مقام پر پہنچے ہیں ذکر کر چکے ہیں، باقی چیزوں پر ہیں۔

۱۔ ہندوستان کا رابطہ خارجی و دینا سے۔

۲۔ سیاسی اتحاد اور بیاس و تہذیب کی کیسا نی خصوصیات اور پچھے طبقوں میں۔

۳۔ ایک مشترک سرکاری زبان اور نشرنگاری کا سادہ اسلوب جس کی ترقی و تہذیب میں ہندو مسلم دونوں نے حصہ لیا۔

۴۔ مرکزی حکومت کے تحت علاقائی زبانوں کی ترقی تاکہ امن و خوشحالی عام ہو اور ادبی و ثقافتی ترقی کے موقع فراہم کئے جائیں۔

۵۔ سندھی راستوں سے میں ملکتی تجارت کی تجدید بوجو پہنچ جنوبی ہند کے پاشدوں کے ہاتھ میں تھی، اور عرصہ دراز سے مظلل پڑی ہوئی تھی۔

۶۔ ہندوستان کے بھرپوری پریروں کی تشکیل۔

تعیری کارناے

ڈاکٹر سرفیم ہنریو جواہری مسلم شمی کے لئے مشہور ہے ہندوستان ہی ملمازوں کے تعیری کارناموں اور ان کے دینی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"مسلمانوں نے جنوب کی طرف اس قسم کی بہت سی یا زیادتہ زمیزوں میں

تو آبادیاں قائم کر کی تھیں اور شرقی بنگال میں بھی اول اول سمندر کو خٹکی سے

علیحدہ کیا تو انہوں نے اگر کوئی بیتاح اس علاقہ کی سیر کر کے گاتا تو اسے آج بھی دور دور کے لیے آباد جگلوں میں ان کے تعمیر کردہ زرعی تالاب، مساجد، گرگاہیں، حوض اور خانقاہیں نظر آئیں گی۔

مسلمان جہاں بھی گئے اپنے مذہب کی اشاعت کرنے رہے، کچھ توبذریت تلواریکن زیادہ تر انسانی فطرت کے دو نہایت ہی اہم احساسات کی تحریک سے، ہندوؤں نے دہائی گنگا کی فیریم اقوام کو بھی اپنی برادری میں شامل نہیں کیا، مسلمانوں نے جملہ انسانی مراعات کو برہمنوں اور اچھتوں دونوں کے سامنے کیساں طور پر پیش کیا، ان پُر جوش مبلغوں نے ہر جگہ یہ بیان شاید کہ ہر شخص کو خدائی بزرگ و برتر کی بارگاہ میں بھک جانا چاہئے، خدائی واحد کے سامنے تمام انسان برابر ہیں اور مٹی کے ذرتوں کی طرح ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ هُوَ الْحَمْدُ وَسَوْلُ الْحَمْدُ“ فتنے کے بعد فتح کا نصرہ جنگ ایک الہامی اور بتکر ہیئت انتصار کر لیتا ہے:

نورانی مشعل

ایکہ بندوتانی فاضل جناب این، ایں، فہنا (N. S. MEHTA) صاحب آئی ہسی، ایں اپنے ایک انگریزی مصنفوں (ہندوتانی تہذیب اور اسلام) میں اسلام کے فیوصن و احسانات کا اس طرح تذکرہ کرتے ہیں:-
”اسلام بیان صرف ایک نورانی مشعل لایا تھا جس نے زمانہ قدیم میں

لے ماخذ از ترجیہ ڈاکٹر صادق حسین ص ۲۴۶، ۲۴۸

جگہ پر لئے تھے ان الخطاط پر یہ ہو ہے تھا، اور پاکیزہ مقاصد مخصوص ذہنی
معقدرات بن کر رہ گئے تھے، انسانی زندگی کو چھائی ہوئی ظلمتوں سے
پاک کر دیا، دیگر مالک کی طرح ہندوستان میں بھی سیاست سے زیادہ خیالت
کی دنیا میں اسلام کی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، آج کی اسلامی دنیا بھی
ایک روحانی برادری ہے جس کو توحید اور مساوات کے مشترک عقیدے کا
ایمانی رشتہ باہم ملک کئے ہوئے ہے، قسمتی سے اس ملک میں اسلام کی
تائیخ صدیوں تک حکومت سے والبستہ رہی جس کی وجہ سے اسلام کی جعلی
نوعیت پر پردہ پڑ گیا، اور اس کے نیومن بکا ہوں سے منفی ہو گئے ہی
ان تاریخی خطاوں کے پیش نظر صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں نے اس عظیم ملک کو
جس قدر فائدہ پہونچایا وہ اس فائدہ سے بہت زیادہ ہے جو ہندوستان نے
انھیں پہونچایا، مسلمانوں کی آمد اس ملک کی تاریخ میں ایک نئے دور ترقی و نو شہادی
کا آغاز تھا، جسے ہندوستان کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

اہ ہندوستان کے عہد و سلطی کی ایک جھلک "ہر تبیہ صلاح الدین عبد الرحمن ہمپھون ہندوستانی
تہذیب اور اسلام" از جناب ایں، ایں ہننا صاحب آئی، سی، ایں ۱۳۶۷

علماء ہند کے علمی کارنامے

مسلمانوں کی نازک اور دوہری ذمہ داری

مسلمانان ہند نے وطن عرب یز کے ساتھ ہمیشہ گھری بچپی اور مخلصانہ والبُلگی کا ثبوت دیا، اس کی خدمت علمی، صنعتی و ثقافتی ترقی میں انہوں نے کوئی دقیق فروغداشت نہیں کیا، اسی کے ساتھ اپنے مذہب اور اسلامی و عربی تہذیب پر بھی ان کی وفاداری برقرار رہی، اسلامی دنیا سے کبھی ان کا رشتہ منقطع نہیں ہوا، بلکہ تابعِ اسلام کے بعض ادوار میں ان کی حیثیت سالار کارروائی کی رہی ہے۔

دو مختلف النوع تہذیبیوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا اور مختلف رادی اور روحانی وطنوں سے یکساں وفاداری نباہنا ٹرا مشکل کام ہے، ملتِ اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی طرح کامیابی کے ساتھ اس نازک اور دوہری ذمہ داری سے عہدہ رہا ہوتے والی کوئی دوسرا قوم نظر نہیں آتی۔

علماء ہند کی تصنیفی سرگرمیاں

علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی تضادیت بی شمار ہی کشفقطون "Kashf al-Qutub"

مصنف حاجی خلیفہ صدیق عویی کتاب بھی (جس کا تعلق پورے عالم اسلام سے ہے) ہندوستانی علماء کی تصانیف کے تذکرہ سے خالی نہیں، مولانا عبد الحکیم حنفی (متوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۲ء) کی عربی کتاب "الشقاقة الاسلامية في الهند" (اسلامی ثقاافت ہندوستان میں) کے سرسری جائزہ سے ہندوستان کے علمی مقام اور ہندوستانی علماء و محققین کی تصیفی سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

بین الاقوامی شہرت کی مالک ہندوستانی تصیفیات

میں اس وقت ان عظیم تصانیف طنزکرہ کروں گا جن کی شہرت ہندوستان کے حدود سے متباہ زہر کر دیتا کے دوسرے ملکوں میں پھوپھچکی ہے اور علماء عرب نے بھی انہیں قدر و عظمت کی تھگا ہوں سے دیکھا ہے۔

اس مسلمانیں سب سے پہلے سائیں صدی ہجری (تیرھویں صدی ہیمسوی) کے مشہور صفت امام لغت و حدیث حسن بن محمد الصفاری لاہوری کی کتاب "العباب الزاخر" کا تذکرہ مناسب ہو گایکتاب عربی زبان کے مستند راویش قیمت ماخذوں میں شامہونی ہے علماء لغتی

لہ یہ کتاب ہندوستان کے اسلامی دروس کی علمی تعلیمی نایاب ہے اور تصیفیات کی دائرہ کڑی ہے جن میں یہاں کی تصانیف کے ارتقا اور اس کی عہدہ بعہدہ تبدیلیوں کی مفصل رواد اوپنی کی اگئی ہے پھر علم و فن اور مصنوع پر ہندوستانی علماء کی چھوٹی بڑی تصیفیات کی مفصل قبرست پیش کی گئی ہے یہ کتاب بھروسہ میں مذکون کی رائل اکادمی (المجمع العلمي العربي) کی طرف سے شائع ہوئی، حال میں اس کا دوسرا ڈبلشن اپنے کے ساتھ شائع ہوا، اردو ترجمہ (مولانا ابوالعرفان تدوی مرحوم سابق انتادار اعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے قلم سے "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" کے نام سے دارالمعینین علم کراہی سے شائع ہوئی ہے۔

ہر دو میں اس سے استفادہ کیا اور اس کے صفت کی قابلیت و قوت نظر اور بالائے نظری کی تعریف کی، علامہ سید علی طیب نے امام مصوف کے بالائے عین لکھا ہے کہ "وہ فن لغت کے علم امام تھے" امام ذہبی ایک بھی علم لغت کا مردیج و فتحی قرار دیتے ہیں، الدرمیاطی کے نزدیک وہ لغت حدیث اور فہرست کے امام تھے، امام مصوف کی دوسری کتاب "مغارق الانوار" بھی فن حدیث میں اس درج ہے کہ کتاب پانی جاتی ہے کہ عرصہ دراز تک داخل درس زندگی اور عالم اسلام میں اپنے موقوں ہے۔ اہمی کتابوں میں دسویں صدی ہجری (رسولویں صدی عیسوی) کے مشہور حدیث شیخ علی بن حام الدین الشافعی میربان پوری (شیخ علی تفقیہ ہجرتی) کی کتاب "کنز العمال" ہے جو علامہ سید علی طیب کی کتاب "صحیح البخاری" کی ترتیب تھے، کنز العمال ان کتب احادیث میں سے ہے جن سے علماء حدیث نے بڑا استفادہ کیا اور کتاب کے صفت کے علم و فضل اور احسان کا اعزاز اف کیا ہے جس نے انھیں بے شمار مصادر و مراجع کی ورق گردانی سے بچا یا، شیخ ابوکسن الیکری اشافعی جو دسویں صدی ہجری میں مجاز کے ائمہ علم میں سے تھے فرماتے ہیں پوری علی دنیا پر علامہ سید علی طیب کا احسان ہے لیکن خود سید علی شیخ علی المتفقی کے معنوں احسان ہیں؛

علام محمد طاہر شریعتی (۱۹۸۶ھ) کی مجمع بخار الانوار فی غرائب الشریعت و لطایف الاجزاء

لہیک کتاب عرصہ برادرائہ المغارف المعاشرۃ جید آباد کی طرف سے شائع ہو کر عالم اسلام میں پور و منداور ہے لہ علامہ سید علی طیب کی کتاب "صحیح البخاری" احادیث دروایات کا جامع ترین ذخیرہ اور خزانہ ہے، اس کتاب میں صفت نے کوئی تفصیل یا معنوی ترتیب لحوظ انہیں رکھی اگر حدیث تو قی ہے تو اس کی نلاش کے لئے ابتدائی الفاظ یاد ہونے ضروری ہیں اگر فعلی ہے تو راوی کا نام معلوم ہونا چاہیے، شیخ علی تفقیہ نے اس کو الباب و فصول پر مرتب کیا اور اس طرح اس کتاب کو زیادہ مفید اور عام بنا دیا۔

لہ پہنچ گجرات میں ہے وہ اب بھی ایک بار و نئی قصبہ ہے، احمد آباد سے تقریباً ۱۰ میل پر (لہ پہنچ گجرات)

اسی فہرست میں شامل ہے، مولانا عبد الحکیم "ذراہۃ الکھاطر" میں فرماتے ہیں:-
 "اُس کتاب میں مؤلف نے احادیث لفہدات والفاظ کی شرح کی ہے،
 اور ان سے مختلف محدثین کے احوال کو جمع کر دیا ہے اس لئے اس کی جیشیت
 صحابہ رضی کی شرح کی ہو گئی ہے، یہ کتاب شروع ہی سے اہل علم میں قبول و مقبول ہے
 ہے، یہ اس کتاب کو کہہ کر صفت نے اہل علم پر بڑا احسان کیا ہے"
 علامہ محمد طاہر کی کتاب "ذراۃ المضوعات" بھی "موضوع احادیث" کے
 موضوع پر منداول و مشہور کتاب ہے۔

اس فہرست میں "الفتاویٰ الہندیہ" بھی ہے جو عام طور پر "فتاویٰ عالمگیری"
 کے نام سے مشہور ہے، مسائل فقہیں یہ ایک ہم جواہر کی جیشیت رکھتی ہے، اور ان مراجع فقہیہ
 میں سے ہے جن پر اکثر اسلامی مالکیں جن کا عمل اور عدالت کا قانون فتح حنفی ہے، اس
 کتاب پر بڑا اعتماد کیا جاتا ہے صاحب "التفاقۃ الاسلامیہ" فرماتے ہیں:-
 "فتاویٰ عالمگیری ہے" "فتاویٰ ہندیہ" کیا جاتا ہے کہتے مسائل، ہمیں
 طرز بکارش اور سیدہ گھنیوں کو سمجھاتے کے لئے تہبیت ہیقید کتاب ہے،
 مصر و شام اور بلاد عرب میں یہ "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے مشہور ہے، اس کی
 چھ بڑی بڑی جلدیں ہیں جنہیں ہدایہ کی ترتیب کے حوالہ سے مرتب کی گیا ہے،
 اور تو اور سے قطع نظر کر کے صرف "طاہر الرؤایات" پر اکتفا کی گئی ہے، یہ کیا۔

(باقی ص ۲۳ کا) شمال سفر بیں واقع ہے قدمیں تائیں میں اس کا نام انہلو اڑھ تھا اعرابی ہے، ہندو وال
 لکھنے ہیں، یا تجویں صدی ہجری میں گجرات کی ایک صفوٹ حکومت کا دارالسلطنت تھا، ۱۷۵۰ء
 میں محمود غزنوی نے اس کو فتح کیا ۹۳۵ھ میں قطب الدین ایک نے اس کو دوبارہ فتح کیا۔

جن شلے میں ظاہری روایت نہیں کی اس میں نادر روایتوں کو علامت
نحوی کے تحت بے کم و کاست صاحب عمارت کے والے کے ساتھ اصل عمارت
نقل کر دی ہے، فقرہ اے اخوات کی مدد سے اس جیسے تدوین کا فلم سلطان
اورنگ زیر عالمگیر رحمۃ الش ر علیہ نے اپنے ایڈیشن میں شیع نظام الدین
بہمن پوری کے پسروں کی باتا اور دو لاکھ روپے اس پر صرف کئے تھے۔

مولفہ مذکور نے ۲۲ ممتاز ہندوستانی علماء کے نام گنائے ہیں جنہوں نے

”فتاویٰ عالمگیری“ کی تدوین میں حصہ لیا، ان میں سے ۳۴ علماء یہی قاضی محمد بن
جونپوری محتسب، شیخ علی الکربلائی، اسد الش ر خانی، شیخ حامد بن ابو حارث و بن پورکار
اوفری محمد اکرم حنفی لاہوری، ان چاروں علماء نے تدوین کے کام کی مل کر نگرانی کی۔

”مسلم الثبوت فی اصول الفقہ“ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اس کے
مصنف علماء حجۃ الش ر بہاری (م ۱۱۱۹ھ) میں اس کتاب کو ہندوستانی مدرس ہندوستان
اور عالم اسلام کے علمی حلقوں میں قبول عام حاصل ہوا، ممتاز علماء نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کے تشریح
و حواشی لکھے، ”مصنف“ اتفاقہ الاسلامیہ نے ان میں سے دشتر حسون کا ذکر کر کیا ہے۔
علمی و فتنی اصطلاحات کے شکل اوزاز ک موضع پر اس طور پر جزوی صدی تھجی (الٹھاری) میں

صدی عیسیٰ) کے ایک ہندوستانی فاضل مولانا محمد اعلیٰ نخانوی کی کتاب ”کشاف اصطلاحات
الفنون“ نہایت مفید اور بخوبی تصنیف ہے اعلیٰ دنیا میں تمام اہل علم نے اس کی تعریف
کی ہے کیونکہ علمی اصطلاحات کی کمی ڈکٹش ری کی جیشیت رکھتی ہے جو ہزاروں صفحات اور
یکڑوں کتابوں کی چھان بین سے بجا لیتی ہے اس سے قبل اس موضوع پر شدید ضرورت
کے باوجود کوئی اچھی کتاب موجود نہ تھی، آج تک یہ کتاب اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لئے

مرجح کی حیثیت رکھتی ہے۔

اسی موضوع پر ایک اور کتاب مولانا عبد اللہ بن احمد تکری کی "جامع العلوم" ہے، اسے دنخوا العلماء کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، پوری کتاب چار جلدیوں پر مشتمل ہے، مصنف موضوع بھی بارہویں صدی کے فضلا میں سے ہیں۔

اس فہرست میں ایک اہم اور عظیم کتاب حضرت شاہ ولی الشریف ہموی (متوفی ۱۱۴۶ھ) کی معروکہ آثار کتاب "محجۃ الالہ البالغہ" ہے جس میں فلکہ عشرتیت اسلامی اور احکام شرعاً کے مضمون سے بحث کی گئی ہے، ایک کتاب اپنے موضوع پر بالکل منفرد اور بیگانہ ہے، عربی زبان اپنی وسعت کے باوجود اس کی تقطیر پر مشتمل ہے، قاصر ہے اہل نظر اور ناقدرین فتنے اس کی بڑی دادی ہے اور مدرسی کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ کتاب عربیت، بیان کی قوت اور زبان کی سلاست بھی ایک ممتاز اور کامیاب نمونہ ہے، مصنف کتاب کے بعد میں پر نکلفت مُتفقی و مُوحی اسلوب کاررواج حریری کی تقلید میں عام تھا، یہ کتاب اس سے بالکل پاک ہے، جبکہ تمازن میں شاذ و نادر ہی کوئی مصنفت اس تقلید سے پہلے سکا، دراصل عجمیت نکلفت پندری اور عربی زبان کے دور احاطہ طبقیں بے نکلفت نشر نویسی میں اور سمجھیدہ ویاؤ فارغ علیٰ طرز گارش کا مقدمہ ابن خلدون کے بعد یہ کتاب اعلیٰ نمونہ ہے۔

علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی (م ۱۱۰۵ھ) کی جو زیریں کے نام سے مشهور ہیں "تاج

العروض فی شرح القاموس" اس مسلمانین تعارف و تعریف سے بالاتر ہے،

وشاً ضمیم جلدیں اور باریکی صریح اڑائیے نقیریاً پائیں، ہزار صفحیاً پر مشتمل یہ کتاب عربی لغت کے فن میں ایک متفہل کتب خانہ کی حیثیت رکھتی ہے، اول تو عربی زبان کے لغت پر سی ہندی

عالیٰ کاظم الٹھانہ بھی بڑی علمی حیثیتی، چو جائیکہ امام لفت علامہ مجدد الدین فیروز آبادی کے مسلم و مسند عربی قاموس "القاموس المحيط" کی تحریخ کی تکمیل، اس پر اضافہ اور اس کی تصحیح علامہ سید مرتضیٰ ملک راجی کی بلدوصلگی، علمی تحریر اور بے نظیر زبان ولیٰ کا ایک کارنامہ ہے، مصنفوں کی زندگی ہی میں اس کتاب پر انتی عالمگیر شہرت حاصل کرنی تھی کہ سلطان ترکی نے اس کا ایک نسخہ نقل کر کر منتگایا اس کے علاوہ سلطان دارفور اور سلطان مرکاش نے بھی ایک نسخہ حاصل کیا، مصر کے مشہور فوجی فائدہ اور علم دوست عزیز محدث بکہ بن الذہبی نے بھی ایک نسخہ اپنی سید کے کتب خازکے لئے (جو جامع ازہر کے قریب بنائی تھی) ایک ترازوں بیان صرف کر کے حاصل کیا۔

کثیر التصانیف مصنف

پودھویں صدی میں بھی ہندوستان نے بکثرت ایسے صنیفین پیدا کئے جو زدنویں اور کثرت تصانیفات میں پولے عالم اسلام سے بازی لے گئے، ان میں سے ہر ایک کی حیثیت ایک مستقل اکیڈمی اور سرگرم علمی انجمن کی تھی، چنانچہ نواب صدیق حسن خاں والی بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) کی تصانیف کی تعداد دو سو ماگیس ہے، جن میں ۶۰ کتابیں عربی زبان میں جو لپیٹ موضع پر مقدمہ اور پرداز معلوم ہیں، ان میں فتح البیان فی تفسیر القرآن (دو جلدیں) ابید العلوم "انساق المکمل" ایبلون فی اصول اللغو، اول عالم اخلاق اوق من علم الاستفاق، تقابل ذکر ہیں۔
فخر المآذین مولانا عبدالمحیٰ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۷ھ) کی تصانیف

لہ فاضی الفضاۃ مجدد الدین صدیق فیروز آبادی شیراز کے رہنے والے تھے کا زرین (ایران) میں ۲۹۴۷ھ کو پیدا ہوئے اور تیرہ بیجیں میں شہید یافتے ہیں وفات پائی۔

ایک سو دس ہیں جن میں سے چھی سو تین کتابیں عربی میں ہیں ان میں نا انتسابیہ فی شرح شرح الوقایہ "صباح الدُّرجی"، "التعليق المحمدی" اور "ظرف الامانی" اہم علمی کارنامہ ہیں، علمائے اختر کے ذکر میں ان کی کتاب "الفوائد البهیۃ" سب سے زیادہ مشہور و مقبول کتاب ہے اور حنفی علمی کے حالات کے لئے زیادہ تر اسی سے نقل و اقتباس کیا جاتا ہے۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی نھانوی (م ۱۳۶۶ھ) رحمۃ اللہ علیہ کی نصانیت کی تعداد (۹۰) نو سو دس ہے، ان میں سے ۳۰ کتابیں عربی میں ہیں۔

کثرت تصانیف اور قلم کی روائی میں مولانا باقر بن مرتضیٰ مدراسی (م ۱۴۲۰ھ) اور مفتی محمد عباس لکھنؤی (م ۱۳۶۶ھ) بھی قابل ذکر ہیں، جھنگوں نے عربی فارسی میں مختلف موضوعات پر تصانیف و رسائل کی ایک بڑی تعداد بیان کیا ہے۔

مصطفین اسلام کے حالات کا عظیم ترین ذخیرہ

مولانا محمود حسن خاں ٹولکی (م ۱۳۶۶ھ) نے مصطفین اسلام کے ذکر و تراجم پر ایک عظیم الشان کتاب "معجم المصطفین" کے نام سکھی ہے، اس کی جیشیت ایک لائبریری کی طور پر (دائرة المعارف) کی پیاساٹھ جلدیں اور میں ہر چار صفحات پر تل اس کتاب میں چالیس ہزار مصطفین کے حالات درج ہیں، کتاب کی وسعت وہ بہی گیری کا اندازہ اس سے ہو گا کہ مؤلف نے دو ہزار میں مصطفین کے حالات جمع کئے ہیں جن کا نام احمد ہے، اس کتاب میں ڈیڑھ ہزار کتابوں کا عطر ہے ایز اسلامی تابع کے ابتدائی عہد تا یافت سے ۱۳۵۰ھ تک ان نام اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جھنگوں نے عربی زبان میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

اس کتاب کے صرف چار حصے حکومت جندر آباد کے مصارف پر بروت میں

چھپ چکے ہیں، بقیہ جلد وہ کے متعلق تحقیق نہیں کر کھاں ہیں۔

دَوْرِ حَاضِرٍ كَعَظِيمٍ مُصْفِينَ

دَوْرِ حَاضِرٍ كَعَظِيمٍ مُصْفِينَ اور اش پر داروں میں مولانا سید بیمان ندوی (م ۱۸۷۴ء) کا نام سرفہرست رکھا جاسکتا ہے جنہوں نے بیرت نبوی شریعت، اسلامیہ زبانیح اسلام اور ادب میں گران قدر اور بلند پایہ تصنیف اپنی کی ہیں، سید صائم حوم کی مطبوعات کے صفحات کی تعداد سات ہزار صفحات سے زائد ہے، ماہانہ معارف "میں جو ہندستان کا بلند پایہ علمی رہائش ہے، بیش قیمت مقالا و شدراں اور علمی اسئل پر سیر حاصل نقد و تبصرے متعلق تصانیف کے علاوہ ہیں، جن کے صفحات کی محیونی نظر اور سیکڑوں سنتیاواز ہے، ان گران قدر علمی و ادبی کارناموں کے پیش نظر مولانا سید بیمان ندوی بلاشبہ مشرق کے ایک عظیم محقق، بلند پایہ صفت اور اش پر داروں میں وسعت مطالعہ، کثرت تصنیفات اور علم کی روائی میں مولانا سید ظرا حسن گیلانی (م ۱۸۵۵ء) کے نام کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، البتہ "احقاق نعم" "تدوین حدیث" "اسلامی معاشریات" اور مسلمانوں کا نظام تعلیم و نزربیت" مولانا مرحوم کی اہم تصانیف ہیں، دراصل مولانا مرحوم نہیں پہنچیاں وروان قلم سے ایک کمل کتب خانہ تیار کر گئے ہیں۔

فِنْ حَدِيثٍ كَيْ خَدْمَتْ

علمائے ہند علوم دین کی خدمت میں انہماں و شغفت کے لئے مشہور ہیں، خصوصاً فن حدیث کی خدمت و تدریس اور متون حدیث کی تشریح و تفسیر میں تو انھیں سب پر فوقیت حاصل ہے، بلکہ زمانہ با بعد میں تو اس فن کی قیادت و امامت انہیں کو حصہ میلائی ہے،

علامہ سید رشید رضا صریح بدریٰ المغار نے "مقتاج کنوں اش" کے مقدمہ میں علمائے ہند کی ان خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے :

«اگر ہنر ذاتی علماء اس زمانے میں علوم حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو یقین مشرقی دنیا سے خصت ہو جاتا، کیونکہ مصر و شام و عراق اور حجاز میں یوں صدی بھری ہی سے علم حدیث زوال پذیر ہو گیا تھا۔»

ہندوستان (خصوصاً مکران) اس طبقہ ہندوستانی علم حدیث کی ترویج و اشتات اور قبولیت کا سہرا حضرت شیخ عبدالحقی میراث دہلویؒ (۹۵۸-۱۵۲۱ھ) کے سر ہے، جنہوں نے اپنی فاضلائے تشریف و تراجم کتب حدیث کامل نصف صدی تک مسلسل درس و تدریس اور اپنی تخلصات جلد و جهد سے فتن حدیث کو (جو اس ملک میں شایانِ شان توجہ سے محروم تھا) نئی زندگی بخشی اور علمی و تصنیفی حلقوں میں اس کی طرف توجہ کا آغاز ہوا، ان کی اولاد و نلاندہ نے اس کی ترویج و اشتاعت میں بڑھ پڑھ کر حصہ لیا اور بالآخر حضرت شاہ ولی الشہر محدث دہلویؒ اور ان کے خاندان نے اس شاخ طبلی کو ہر گھر میں پھوپھا دیا۔

دور حاضر میں علمائے ہند نے فتن حدیث پر بہت اہم کتابیں اور تحریکیں لیں جنہیں قبول عام حاصل ہو چکا ہے، شلاً عنون المعیود فی تعریج سنن البی داؤد، مؤلف مولانا محمد اشرف دیازویؒ، بذل الجھود فی تعریج سنن البی داؤد، مؤلف مولانا خلیل الرحمن بہاریؒ،

لہ یہ کتاب بہار کے مشہور محدث اور عالم مولانا شمس الحق دیازوی تلمیذ خاص مولانا سید نور حسین صاحب محدث دہلوی کی رہنمائی اور شورہ سنت ایلیفت ہوئی پہلے مولانا نے "غاية المقصود" کے نام سے سنن البی داؤد کی ایک بہسوط و مطہر شرح لکھنی تشریع کی تھی جو ناتمام رہی اور اس کا صرف پہلا حصہ شائع ہو کر رہ گیا، بعد میں اپنے ایک عزیز شاگرد مولانا محمد اشرف سے یہ شرح لکھوائی۔

”تحقیق الاحوالی فی شرح سنن الترمذی“ مؤلفہ مولانا عبد الرحمن بخاری فتح الہم
فی شرح صحیح سلم ”مؤلفہ مولانا شیخ احمد عثمانی“ او جزا السالک الی شرح مؤٹا امام الکث“
مؤلفہ شیخ الحدیث مولانا محمد رکیا کاندھلوی اس کے علاوہ مولانا توڑشاہ کشیریؒ کے
صحیح البخاری سے متصل افادات جو ”فیض الباری“ کے نام سے شائع ہوئے ہیں آج ہم
علمائے حدیث اور طلباء علم کے لئے ایک قیمتی ذخیرہ ہیں۔

مولانا انھیر احسن شوق نبوی کی کتاب ”آثار السنن“ محدث نقد و نظر اور نزہہ
خفی کی تائید میں ایک بلند پایہ تصنیف اور ہندوستان کی فن حدیث کی تصنیفات میں
ایک قیح اور جدید اضافہ ہے، افسوس ہے کہ مصنف کی عمر نے وفات کی اور یہ کتاب کمل
نہ ہو سکی، اگر یہ کتاب کمل ہو جاتی تو خفی نقطہ نظر اور محدث ناذ طرز پر ایک بڑا علمی کارنامہ ہوتا۔

علمائے ہند کی بعض بیکانہ تصنیفات

دنیا میں اسلام کے اہل علم و نظر نے علمائے ہند کی متعدد تصنیفات کو اپنے موضوع کی ہبہزین
کتابوں میں شمار کیا ہے ان میں سے تفسیر میں قاصی شراء الشرصہ پیاری پتی (م ۱۲۲۵ھ) کی تفسیر
”ظہری“ روایتی اور ”لوراۃ و انجیل“ کی تحقیق میں مولانا حمزة الشترکی الرؤی (م ۱۲۹۰ھ)
کی تصنیفات ”اظہار الحق“ و ”ازالۃ الاوهہ“ اور ”ازالۃ الشکوک“ موصوع پر حروف آخر جمعی
گئی ہیں اور ترکی اور صہرونام کے علمانے اس موضوع کے طالب علموں اور مناظرین کو بخوبی
مطالعہ کا مشورہ دیا اور وہاں کے مطالبے نے ان کو بار بار چھاپ کر ان کی اہمیت کا اعتراف کیا۔

الله مولانا انھیر احسن شوق نبوی بخاری فخر المتأخرين مولانا عبد الرحمن فرنگي محلی کے مایع ناذ اگر دخدا
مولانا توڑشاہ کشیریؒ فرنگي تھے کہ تین سورس سے ہندوستان میں اس پاکی کا محنت پیدا نہیں ہوا۔

علام محمود جو نبوري (م ۱۹۰۸ھ) کی "الفرائد" میں بلافتح مولانا حمید الدین فراہی (م ۱۹۲۰ھ) کی "الامان فی اقسام القرآن" "جہزة البلاغ" اور قرآن حمید کی متعدد سورتوں کی تفسیریں اپنے مصنفین کی دقتِ نظر، عربیت اور فنِ بلافتح میں استاذ اذ مہارت اور ناقدانہ نظر کی نشان دہی کرنی ہیں۔

جس سکرامت حسین کی کتاب "فقہ اللسان" (عربی) اور FIQHUL-LISAN

مولانا یاسیل بیان اثرت صاحبِ ہر حوم سابق صدر شعبہ دینیات سلم و نبیوی طی علی گڑھ کی کتاب "المبین" (اردو) بھی اپنے موضوع پر اچھی کوشش اور اپنے مصنفین کی ذہانت عین نظر اور ادبی اور سانی ذوق کی دلیل ہے، یہ دونوں کتابیں عربی زبان کے فلسفہ اور اس کے وضع و ترکیب کے اسرار و لطائف پر مبنیں۔

عربی زبان کے علاوہ اسلامیات و ادبیات پر فارسی اور اردو میں علمائے ہند کے قلم سے بعض ایسی نادر تصنیفات مکمل ہیں جو اپنے موضوع پر اپنی بعض خصوصیات کے حفاظت سے بالکل منفرد ہیں اور کسی دوسرے اسلامی مکتب میں ان کی نظر نہیں پائی جاتی، مثلاً علوم و معاز و مینیہ میں مجدد الافت ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے مکتبیات، مخدوم شیخ یحییٰ امیری کی "مکتبیات سرہندی" مثلاً خلافت پر حضرت ثناہ ولی الشرد بلوہیؒ کی "ازالت الخفا" اصول تفسیر میں ان کی "القوز الکبیر" و شیعیت میں شاہ عبدالعزیز حلبیؒ کا "تحفہ انشاعشری" نصویں نزدیک میں حضرت بیدار حمد شہیدیؒ کی "صرایح تفہیم" اسلام میں نصب امامت اور ائمۃ نابیین رسول کے صفات و فرائض کے موضوع پر مولانا شاہ امیں فہرید ہلوہیؒ کی منصب امامت "مولانا محمد فاقیم حسننا لوتویؒ کی تحقیقۃ الاسلام" اور "تفہیر دلیز بر" وغیرہ مولانا عبد الشکور رضا قادریؒ کی "لکھنؤی کی بعض کتابیں" و شیعیت اور تفسیر آیات میں بیت نبوی پر مولانا یاسیل بیان ندویؒ

کی "سیرۃ النبی" اور "خطبات مدرس" اور فاصلی محدثین مخصوص پوری کی تصریحات المعتبرات" مولانا یادمند ناظر احسن گیلانی کی "النبی اخاتم" فارسی شاعری پر مولانا اقبال کی "شعر نجم" پر نظر تصنیف ہے اور ان میں سے متعدد کتابوں کا ترجمہ عربی فارسی اور انگریزی میں ہو چکا ہے۔

ہندوستان کے جدید علمی کاموں میں مولانا عبدالمالک صاحب دریابادی کی تفسیر (اردو و انگریزی) بھی قابل ذکر ہے، تفسیر ان مقامات و اشخاص کے متعلق جدید معلومات ہیں جن کا قرآن مجید میں تذکرہ آیا ہے، نیز یہودیوں اور یہودیوں کے نزدیک و عقائد کی تحقیق اور ان جدید معلومات کے لحاظ سے جو موجودہ علم آثار و حفريات (ARCHEOLOGY AND EXCAVATION) اور باستانی لٹرچر پر فراہم کردی گئی ہیں خاص اقبال رکھتی ہے اور اسلامی لٹرچر کے ایک بڑے خلا کو پر کرتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصنیفات اپنی تعداد، ضخامت اور تنوع کے لحاظ سے اگرچہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں ہیں وہ لپٹے سحرانگیز ادبی اسلوب کی بنابری کے وہ بانی بھی تھے، اور خاتم بھی زبان بیان کی نکوہ و بلندی اپنی بعض زندہ جاوید ادبی تحریریوں کی بنابری "تذکرہ" اور "ترجمان القرآن" کا جزو ہیں اور ارادو کے ادبی میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں، عصر حاضر کے ایک عظیم انشاء پرواز، اور صاحب قلم ہیں، ان کی تفسیر "ترجمان القرآن" بہت سے ایسی تحقیق اور تفسیری و قرآنی خالقی پر مشتمل ہے جس تے اس کو ایک انتیاز وال فرادی بخشی ہے۔

مولانا یاد ابوالا علی مودودی (جواہرلائہنہ و تسان کے یاد رکھتے ہیں اور یہیں ان کی علمی تصنیفی زندگی کا آغاز اور عروج ہوا) بہت سی ایسی کتابوں اور رسائل و مضامین کے صفت ہیں، جو علمی تحقیق، قوتی استدلال، زبان و بیان کی فصاحت و فکشنگی، معرفتی تہذیب و فلسفہ و حجات کی تشریع و تفہیمیں خاص اقبال رکھتے ہیں، اخلاف بیجان کی گنجائش

کے ساتھ ان کے مفہایں کے مجموعے "تفصیلات" و "تفہیمات" پرداہ "سود" وغیرہ پُرزوں تکمیل اس تحریر کا اچھا نمونہ ہے۔

عربی زبان و ادب پر قدرت

عربی زبان و ادب پر شدید تعلق تشریف ہی سے مسلمان این ہند کا خاص صورت ہے، چنانچہ انہوں نے تصنیف و تالیف اور علم و ادب کی زبان کی جیشیت سے اس زبان کی بہیشہ حفاظت کی ہے، بہاں عربی کے خوش گو، پرگو اور غربیان شرعاً پیدا ہوئے فلافات اصلی عبد المقتدر گردی دہلوی (م ۱۹۰۷ھ) شیخ احمد بن محمد تھانی بیرونی (م ۸۲۰ھ) مولانا مغلام علی آزاد بلگرامی حصہ "سیح ببارہ" (م ۱۲۰۰ھ) مفتی صدر الدین دہلوی (م ۱۲۸۵ھ) مولانا فیض احسان سہار پوری (م ۱۳۰۲ھ) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ) اور فتحی محمد عباس لکھنؤی (م ۱۳۰۶ھ) اور باعث محققین عرب پر فیض عبدالعزیز بیمن اور مولانا محمد بورقا کی عربی دانی، عربی لغت اور نجور ان کی گہری نظر اور علمیت کا لوبہ امانا، اور عربی زبان کی سب سے مفصل و مندرجہ لغت "سان العرب" کی تصحیح کی کمیتی میں مولانا عبد العزیز بیمن کو شرکیب کر کے ان کے علمی استناد و انتیاز کا اعتراف کیا، ان کی ایڈٹ کی ہوئی کتاب "سمط اللائی" اور ان کی تالیف "ابو العلاء و ما الیہ" سے ان کی وسیع اور گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان کی عربی صفائقت

اب پھی مسلمان اس ملک میں عربی زبان کو سینتے سے لگائی ہوئے ہیں اور عربی ادب

علوم کی بنیادی کتابیں مدارس عربیہ میں داخل درس ہیں، تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی

سرگرمی سے جاری ہے مختلف اوقات میں عربی رسائل و اخبارات یعنی نکلنے رہے، جن سے مسلمانان ہند کی عربی زبان سے دچپی و شفقت کا پتہ چلتا ہے، مثلًاً "البيان" (عربی ماہنامہ) لکھنؤسے نکلنا تھا، اور مولانا عبد الشر عادی اور مولوی عبد الرزاق میع آبادی وغیرہ اس کی ادارت میں تھے، سفت روزہ "الجامع" لکھتے ہے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی ادارت میں نکلنا تھا، ماہنامہ "الضياء" ندوۃ العلماء لکھنؤس کا عربی ترجمان تھا، اس رسالہ کو دنیا شے عرب کے علمی و ادبی حلقوں میں قبولیت و شہرت حاصل ہوئی اور زبان کے بلند پائیں بصرین و ناقدین نے اس کی صحت زبان اور سن بیان کا اعتراف کیا، اس کے مدیر مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم تھے لکھنؤس (۱۹۳۵ھ مطابق ۱۹۱۴ء) میں ایک عربی رسالہ "الصوان" حکیم محمد عسکری نقوی کی ادارت اور مولانا یاد علی نقی مجتهد کی نگرانی اور سرپرستی میں نکلا تھا، جو تین چار سال تک نکلارہا، اور لپیٹے علمی و ادبی معیار کے لحاظ سے اچھی کو شش شقی، ماہنامہ "البعث الاسلامی" دعوت و اصلاح کے ترجمان اور اسلامی افکار و تصورات کے داعی کی حیثیت سے آج بھی ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے اور اسی طرح ندوۃ العلماء کا پندرہ روزہ "الراشد" یہ دنور عالم عربی میں بڑی وقعت اور اہمیت دیکھ جاتے ہیں اور عربی اخبارات و رسائل ان کے مضامین نقل کرتے ہیں اور فکر اسلامی کے حاملین اور قدرداروں کے بڑی تھیں اور قدر افراد کے خطوط آتے ہیں — اور "الداعی" بجود ارالعلوم دیوبند سے نکلنا ہے اور عربی صحافت اور انشاء کا اچھا معاشر پیش کرتا ہے، اسی طرح حیدر آباد سے سماہی رسالہ "الصحوة الاسلامیة" — الجامع السلفیہ بنارس سے "صوت الامر" کے نام سے نکلنے والے رسائل میں بعد میں اسجاد و بیانات (شیعہ) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہوئے۔

خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ بھی ملک کے مختلف مدارس عربی اور دعوتی مرکزوں سے بعض عربی رسائل نکلتے ہیں۔

عربی کے جدید انشا پرواز

علاوہ ازیں دارالعلوم ندوۃ العلماء نے عربی ادبیوں اور انشا پروازوں کی ایک بیسی جماعت بنیا کر دی ہے جس کی ادبی سرگرمیاں اور علمی خدمات ہندستان کے حدود سے متیناً و زیادہ کردار مالک عربی اور بلاد اسلامیت کے پہنچ چکی ہیں، عالم اسلام کی ادبی تحریکات اور مختلف مکاتب فکر کا جائزہ لینتے وقت عربی ادب کا ایک بے لائگ اور وسیع النظر مؤثر رخ ہمارے ان ندوی ادبیوں کی شکستہ و پختہ تحریروں اور ایسے اسلوب کو نظر انداز نہیں کر سکتا، جس میں ادبی حلاؤت اور دعوتی و ایمانی روح اور قوت کا نہایت خوشگوار اور دل آؤتی امتراج ہے اور جھوٹوں نے اپنا ایک عالیہ اسلوب پیدا کر لیا ہے، جس میں کلاسیکی ادب کی پختگی اور ثقاہت اور جدید ادب کی جتنگی اور سلاست جمع ہے۔

یہیں ندوۃ العلماء میں صاحع و یا مقصد اسلامی و دعوتی ادب پر ایک کانفرنس ہوتی ہے جس میں ممتاز عرب ادباء و فضلاء شرکیں ہوتے، اور اسی کے تجیہ میں کام عظیم میں رابطہ الادب الاسلامی کی عالمی سماں میں بنیاد پڑتی ہے جس کا ایک مرکزی دفتر یا صحن میں اور ایک لکھنؤ میں ہے، ترقی یافتہ مالک عربی کے ادباء و اہل فلم اس کی رکنیت کو فخر سمجھتے ہیں، اور اس کے خواہشمند اور کوشش رہتے ہیں۔

— سنتہ —

ہندوستان کی یا کمالِ اسلامی شخصیتیں

صاحبِ صلاحیت و انتیاز شخصیتوں کا وجود

کسی قوم کی تاریخ میں وقتاً فوتاً ایسی شخصیتوں کا وجود میں آتے رہنا جزو زندگی کے مختلف شعبوں اور علم و ادب کی مختلف شاخوں میں غیر معمولی صلاحیتوں کی حامل ہوں، قوم کی زندگی، نجابت اور اس بات کا زندہ ثبوت ہوتا ہے کہ اس قوم کو زندہ رہنے کا سخت حال ہے اور اس کی زندگی اور زبانت کا سوتا خشک نہیں ہوا ہے، ہندوستان کی مسلم قوم اپنی غیر معمولی شخصیات کا ملین فن اور عبقری (GENIUS) انسانوں سے مالا مال رہی ہے۔

قدۃٰ نامہ میں ہندوستان علماء و شرفا کا مامن

ہندوستان میں بھٹی صدی بھری ہی سے تحکم علم و دوست اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑی جس کے زیر سایہ فاضل علماء اور امروفن خاصی نفادا میں بیان جمع ہوئے، تماں ایوں نے اسلامی مشرق پر چڑھائی کی اور لوئے عالم اسلام کو پامان کر کے رکھ دیا، اسلام دار اسلطنت اور تہذیبِ تمدن کے مرکز تباہ برپا کر دیے گئے جس کے تیجے میں ان تمام شہروں سے بوجملوں اوزن ایوں کے وحشیانہ حملوں کا شکار ہوئے تھے، بھرت اور ترک وطن کا

نتھیں والا سیال بشریعہ ہو گیا، اہل علم اور شریعت گھرانوں کے افراد تا امیاریوں کے مظاہر
و بربریت سے بچنے کے لئے پناہ گاہ کی تلاش میں ایک ملک سے دوسرے ملک پہونچ گئے۔
اس وقت ہندوستان جس پر ترکی نسل کے علاموں کی حکومت تھی تھا ملک تھا،

جس نے مغلوں اور تا امیاریوں کے حلوں کا ہر مرتبہ ترکی پر ترکی جواب بیا اور ان کے سارے
حلوں کو پسپا کر کے رکھ دیا، اسی لئے مختلف اوقات میں ایران و ترکستان کے موز رزم دوست
اور باصلاحیت خاندان ان بڑی تعداد میں اپنے وطن سے ہجرت کر کے ہندوستان میں پناہ گیر
ہوئے ابے شمار خانوادے جو علم و فن عترت و شرف اور اعلیٰ عہدوں پر مشتمل پشت سے فائز
چلے آئے تھے یہاں اکر مستقل سکونت پیدا ہو گئے ہمہ شمس الدین لہمیں، غیاث الدین طلبیں اور
علاء الدین خلیجی وغیرہ کے زمان میں یہ خاندان بہت زیادہ تعداد میں یہاں آباد ہوئے، اس
ہجرت اور اسکے اسباب پر شفیق دالتہ ہوئے قیدم ہندوستانی مورخ ضیاء الدین برلنی لکھتا ہے:-
”یہ سب خاندان ہزار افراد، ممتاز علماء و مشائخ مغلوں اور چکنی خان

کے حلوں کے نتیجے میں ترک وطن کر کے چلا آئے تھے۔

ان ہبھاجریوں میں عالی خاندان شہزادے آزمودہ کارپس سالار ایکمال

اساندہ، فاضل، قاضی و فقیہ، جلیل القدر مشائخ اور مرضیہ کیل شامل

تفہیم

ہندوستانی نژاد اہل کمال

ان خاندانوں اور جو ہندوستانی خاندان اُن کے ہاتھوں پر اسلام لائے

اے ملاحظہ ہوتا یہ قیروٹا ہمیں جلد غیاث الدین طلبیں۔

ان میں بڑی عظیم علمی و دینی شخصیتیں نظم و نوتنگ کے ماہرا اور تحریر کاریا سات داں پیدا ہوئے۔ بعض شخصیتیں ایسی بھی پیدا ہوئیں جن کی نظر پر عالم اسلام میں ملتی مشکل ہے۔ اس ہندوستانی اسلامی نسل میں بادشاہ، امراء، وزراء پر سالار، علماء اور ایسے صفتیں پیدا ہوئے جن پر زاید اسلام فخر کر سکتے ہیں اور دوسری قومیں جن کی نظر پر مشی کرنے سے فاصلہ ہے۔

جلیل القدر مسلمان سلاطین

شیر شاہ سوری کے حالاتِ زندگی پڑھتے اور ملک کی ترقی و خوشحالی اور نظم و نوتنگ کے لئے اس کے کارناموں، عظیم تعمیری متصوبوں، عدل و انصاف کے قوانین، پیشال و ستوری وقیف سنجیوں اور مختصر ترین مدت میں انقلاب آنگریز اصلاحات کو جانشی کے بعد اور میعلم کرنے کے بعد کہ سب کچھ صرف پانچ برس کی قابل مدت میں پائی تکمیل کو پہنچا، آدمی اس عبقری GENTUS انسان کی خداداد صلاحیت و عظمت کا قائل بوجانا ہے، شیر شاہ سوری کی تہمت حکومت صرف پانچ سال تھی، اس قابل مدت میں اس نے بہت عظیم اشان کا انجام دیئے، شیر شاہ پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے سلطان علاء الدین خلجی کے بعد حکومت کا آئین اور سلطنت کے ضوابط مرتب کئے، بعد میں آنے والے فرمارواؤں نے اسی کو بنیاد بنا کر ان کی تو سیع تائیکمیل کی اسی نئے فوج کی نئے طرز پر تنظیم کی، ایسے کافاون و ضست کیا، اور مکوں کے نظام میں اصلاحات کیں، زین کی پیش کی، اور غلہ کے مختلف اجسام پر مختلف محاذ مقرر کئے، ملک کو صوبوں، اور جوبوں کو اصلاح، اور اصلاح کو علاقوں وغیرہ تقسیم کیا، عدالتی نظام کو بھی منصوب کیا اور مزید کیا۔

اپنی حکومت کی اسی قلیل بدت میں اس نے اس شاہراہ کی تعمیر کی جو بگار کی آخری
مشرقی سرحد تارگاؤں سے تندھ کے صالح نیلا باتک جانی ہے، اور جس کی مجموعی مساحت
... سنتین ہزار میل (۹۰۵ کلومیٹر) ہے، اس شاہراہ پر ہر دو میل (۳ کلومیٹر)
پر ایک سرا یعنی جس بیان مسلمانوں کے کھانے کے لئے الگ ہندوؤں کے کھانے کے لئے آگ۔

انظام تھا، ہر سرای میں ڈاک چوکی کا انتظام رہتا تھا، اس طرح ہندوستان کی ایک
سرحد سے دوسری سرحد تک بھریں ایکٹن میں پہنچ جاتی تھیں، سڑک کے دونوں
کنائے پھیل دار درخت لگائے گئے، جن کے سائے میں تھکا اندرہ مسافر آرام کر سکتا تھا،
اسی طرح سے آگہ اور ساندھ کی دریانی سڑک پر جن کے دریان پھنسو میں کافاصل
ہے سرائیں، مساجد اور پھیل دار درختوں کا سلسہ چلا گیا تھا، اس زمان میں چون عشقی
اور تہذیبی حفاظت سے بہت پس اندرہ دور تھا، ان کا زنا میں کو دیکھنے کے بعد انسان اس
بادشاہ کو کیتائے روز کا شخصیت فرازیت اور دنیا کے چند عظیم ترین فرماں رواؤں
میں شامل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جلال الدین اکبر کی زندگی اس کے عقائد اور اس کے "دین الہی" سے اسلامی
نقطہ نظر سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو اور ایک مسلمان موڑخ کو اس کے آخری دور کے
عین موقنیل اور غیر متوازن رُجھانات سے کتنی ہی تکلیف محسوس ہوتی ہو، اس میں کوئی
شک نہیں کروہ اپنی اولو العزمی، آئین سازی، ہنزیری وری، ہرقابیت کے آدمی سے کام
لیئے کی قابلیت، سلطنت کی وسعت و انتظام اور ہندوستان کا مزاد سمجھنے کی صلاحیت
کے حفاظ سے ایک عظیم فرماڑوا، اور باتی سلطنت تھا جس کو کوئی موڑخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔

سلطان اور نگ زیب حاملگیر (م ۱۸۱۱ھ) کے حالات زندگی، اس کے علی گ
و علی کمالات، عظیم کارناموں سے بھر پڑتائی، صفت صدی انک جہا ہیم اور سی سلسلہ اس
کی عظیم فتوحات اور اصلاحات، اس کی سادہ اور زاہدانہ زندگی، اپنے نظری قوت برداشت،
استقامت و صلابت، عمر کے آخری دور اور پیرانہ سالی کے عالم بھی بھی عظیم وسیع سلطنت
کی نگرانی اور افواج کی براہ راست قیادت پایہ بندی وقت، اس نازک عظیم مصروفیت
کے باوجود دینی فرائض و سنن کا استرام، عبادت علم اور مطالعہ سے اس کے اشناو کو
دیکھ کر شخص لقین کرنے پر محبور ہو گا کہ تمام دنیا کے باوشا ہوں ہیں اور نگ زیب جیسے
علی ہمت اور قوی الارادہ باوشاہ کی نظر آسانی سے ملتی مکن نہیں، وہ ایک مرد آہنی
نخاب خود وہر اس نما امیدی اور زندگی اور زندگی کے مفہوم سے ناافتاختا، پوری اختیا ط
اور ذمہ داری کے احساس کے ساتھ دنیا کے مردان کا اور نادرہ روزگار شخصیتوں کی
پہرست ترتیب دی جائے تو وہ بغیر کسی رہایت کے اس میں وہ جگ پائے کامستقیم ہے۔

سلطان نظری علیم گجراتی (م ۹۳۶ھ) بھی ایک ایسا درویش صفت عالم باوشاہ
گز را ہے جس کے اخلاص و ایمان و روع و تقویٰ، عدل و ایثار، دینی بند ہمتی اور عالی
و صلگی، حیثیت دینی اور تبحیر علمی کی مثالیں ان لوگوں کی زندگی میں بھی ملتی مشکل ہیں، جو
یاست و حکومت کی ذمہ داریوں اور اس وادی خارزار سے الگ علم و ادب میں
منہکہ ہوتے ہیں، سلطان موصوف کے اخلاص و بے غرضی کا یہ واقعہ سلاطین کی شانہ
فتحات اور فوج کشی کی تاریخ میں ہمیشہ یاد کار ہے گا، گجرات کا مورخ لکھتا ہے:-

”شایان ما وہ نے تقریباً تسویریں تک سلاطین گجرات پر فوج کشی کرنے کی
سمی پے حاصل کی تاہم جس وقت محمود شاہ دویم ما وہ کی غفلت ہو و نذیری گے

اس کے وزیر مندیار لائے نے زمام حکومت کو لپٹنے والے ہیں لے کر محمود شاہ کو بے دخل کر دیا اور شعائر اسلام کو مٹا کر رسولؐ گفر کی تزویج شروع کر دی مظفر شاہ علیہ الرحمۃ کی رگِ حمیت کو جبکش ہوئی جو اس وقت گجرات کا فراز و اتحا اس نے اولج قاہرو کے سانحہ مالوہ کی جاتی نہ صحت فرمائی اور کوچ در کوچ کرتا ہوا مانڈپ پیونچا اور اس کا محاصرہ کر لیا، مندیار لائے نے یہ سمجھ کر کہ وہ خود تاب مقاومت نہیں لاسکتا، راناسانگا کو جبیش بہا نحائف کالایچ دے کر اپنی بد کے واسطے بلا بیا، وہ ہنوز سارنگ پور نہیں پیونچا تھا کہ مظفر شاہ حیم نے اس کی مبارات کے لئے اپنی فوج طفرو مع کا ایک محقوق حضرتؐ کے گور و آنے کر دیا جس سے رانا کو آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہو سکی اور قبل اس کے کرنندیار کو اطاعت و جوانب سے مگک پیونچے قلعہ کو سخن کریا۔

جان سخن یہ ہے کہ تسبیح قلم کے بعد جس وقت مظفر شاہ حیم اندر دخل ہوا اور امراء ہم رکاب نے شاہان مالوہ کے سامان تھجیں اور خزانہ دفاتر کو ملاحظ کیا اور اس ملک کی سرسری و شادابی پر اطلاع پائی تو انہوں نے جارت کر کے مظفر شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس جنگ میں تقریباً دو ہزار سوار جتار درجہ شہادت کو پیونچ چکے ہیں یہ ناس نہیں ہے کہ اس قدر نق查 اٹھانے کے بعد پھر ملک کو اسی بادشاہ کے حوالہ کر دیا جائے جس کا سوہنہ تبریزی سے مندیار لائے نے اس پر قابو پایا تھا، بادشاہ نے یہ سنتہ ہی سیہ مرتوں کی اور قلعہ سے باہر نکل کر محمود شاہ کو ہدایت فرمائی کہ اس کے ہمراہ کاب لوگوں میں سے کسی کو قلعہ کے اندر نہ جانے وے محمود نے باصرہ تمام اس بات کی

النجا کی کہ بادشاہ چند روز قبل کے اندر آام فرائیں، مگر مظفر شاہ نے
اس النجا کو قبول نہ فرمایا اور بعد کو خود ظاہر کیا کہ میں نے یہ ہباد و عنصر
خداوند بحق کی رضامندی حاصل کرنے کیا تھا، مجھ کو امراء کی نظریہ سے
اس بات کا اندازہ پیدا ہوا کہ مباہ کوئی خطۂ فاسد میرے دل میں پیدا ہو
اور میرا خلوص نیت برپا ہو جائے میں نے محمد پر کچھ احسان تھیں کیا، بلکہ محمد
کا مجھ پر احسان ہے کہ اس کی وجہ سے مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی ہے۔
اس کے علمی منزہ اور حدیث نبوی اور علوم دینیہ سے اس کے اشتغال کا اندازہ اس کے
اس بیان سے ہو سکتا ہے جو سلطان نے اپنے مرض الموت میں تحدیث نعمت کے طور پر لوگوں کے
سامنے ان الفاظ میں کیا تھا:-

”میں نے اپنے اتنا ذیخ مجدد الدین رحمۃ اللہ علیہ سے حقیقی حدیثیں روایت
کی ہیں، ان کی اتنا درا دیوں کے متعلق ضروری معلومات اور ان کی
نشاہست پچھن سے لے کر وفات تک ان کے تمام حالات میرے علم میں ہیں،
اسی طرح تمام آیات قرآنی مجھے خدا کے فضل سے حفظ ہیں، نیز ان کی تفسیر
شانِ تزویں اور مطالب سے بھی پوری واقفیت ہے جہاں تک علم فضل کا مغلن
ہے تو اس میں مجھے اتنا درک ہے کہ میں اپنے کو اس بشارت کا مصدق سمجھتا
ہوں ”مَنْ يَرِدُ أَهْلَهُ بِهِ مَحِيرًا يَقْرِئُهُ فِي الدِّينِ“ (اللہ تعالیٰ جس پر
ہر بیان ہوتا ہے اُسے دین کی سمجھ عطا کرنا ہے)۔

میں چند ہمیں ترکیبیں کی عرض کی صوفیائے کرام کی طرح ذکر شغل

لہ یاد ایام“ تابع گجرات از مولانا حکیم سید عبدالمحییؒ (سابق ناظم ندوۃ العلماء) بحوالہ مرأة سکندری“

میں بھی گز اڑاہا ہوں تاکہ ان بزرگوں سے شاہست کاغذ حاصل ہو جائے
کیونکہ حدیث شریف میں ہے "من تنشیہ بقوم فهود منهم" میری تناہی کے
ان کی برکتوں میں سے بھی بھی حصہ ملے میں نے تفسیر معالم الشزلیں کاظما
حال ہی میں شروع کیا ہے اور اب قریب الختم ہے، لیکن امید ہے کہ اب اسے
جنت میں ختم کروں گا"

سلطان موصوف کی روح جب پرواز کر رہی تھی تو ان کی زبان پر حضرت یوسف علیہ السلام
کا یہ دعائیٰ تھا:-

رَبِّنَا مَنْدَبُ الْمُلْكِ
أَنْتَ بِرَبِّ الْجَارِ
وَعَلَمْنَا مَنْ تَأْوِيلُ الْآحَادِيَّةِ
بِرَبِّ الْوَرَبِيْا وَالْخَوَابِ
أَنْتَ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَلِيُّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
مُسْلِمًا وَالْحَقِيقَى بِالصَّلَحِينَ
أَنْتَ دِيْنُنَا وَالْحَقِيقَى بِالصَّلَحِينَ
(یوسف - ۱۱)

میں انہائی اور (آخرت میں) اپنے
نیک یندوں میں داخل کیجو۔

بیدار مخرا و رفاقت و زرائے امراء و شعراء

یادیاں سلطنت اور شاہزادیں والا شان کی حکایت تو اپنے پچھے اب ذرا بیدار مخرا
وزراء اور بالکمال امراء و شعراء کو بیکھئے، اس فہرست میں سب سے پہلے طوطی ہند رامبر ورد
له مکمل نذر کہ نزہتہ الحاظ جلد ۲ میں ملا جائے ہو۔

(۶۵۱-۶۲۵ھ) کا نام آتا ہے، دنیا کے ذہین اور بکمال انسانوں کی کوئی عقسری فہرست بھی تیار کی جائے تو اس میں امیر خسر و کا نام ضرور آئے گا، بہت سے علوم و فنون ادب شاعری، موسیقی میں مجتہد، متعدد اصنافِ شاعری، کمالاتِ موسیقی اور بخروں اور بخوں کے موجود، فارسی اور هندی شاعری کے مسلم انتاد، ہندوستان کے ان فارسی شعروں کے سرخیل جن کی زبان، محاورات، تازک جیانی، صنون آفریتی، جنگی، شیرنی و حلاوت، اور درود، قاتیز ایران میں بھی مسلم اور قابلِ رشک ہا اور جن کے کلام کی تحسین خواجہ حافظ، اور شیخ سعدی نے بھی کی، ایک درود مدرعاً ثقہ، ایک صاحب نسبت صوفی جن کو درد آفری و مجتب خیز اشعار سے خانقاہیں ابھی تک وجود ہیں، ان کے ہندی اشعار ہندی شاعری کا قیمتی سر برایہ اور دردوکی اساس ہیں۔

وزیر عمار الدین گیلانی جو محمود گاؤں (م ۸۸۶ھ) کے نام سے مشہور ہیں، اپنے زمانہ کے بڑے فاضل اور صاحبِ علم اور صاحبِ قلم وزیر گذشتے ہیں اُن کی شهرت ہندوستان کے حدود سے تجاوز کر کے عرب و ایران و ترکستان تک پھر پہنچ گئی تھی، کہتر عبادت، تقویٰ، ہمارت، نفس، علم، دوستی، اورظم، نعمت میں ان کی مثال نہیں بلتی، بلاغت و اشتاء میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند ہے اور وقت کے ادیبوں اور فرشتوں میں ان کا انتشار ایران کے مشہور شاعر و عارف مولانا عبد الرحمن جامیؒ وزیر موصوف کی تعریف میں کہتے ہیں ہم جہاں را خواجہ دہم فقرادیا جہا وست

آیة الفقر دلکن تحت استار الننا

ابوالقاسم عبد العزیز بخاریؒ جو آصفت خاں وزیر بخاری (م ۹۷۱ھ) کے لقب سے مشہور تھے، فاضل و بکمال وزرا کی صفت اول میں شامل ہیں، علامہ جیاز شہاب الدین

ابن ججر المکن نے ان کے حالات و مناقب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں
ان کے فضل و کمال تقویٰ و تقدیر کی بڑی مدد سرائی کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:
”جس زمانے میں آصف خاں کوئے مختصر میں آگرہ پہنچنے تو عجب طرح کی رونق کوئے مختصر
میں پیدا ہو گئی تھی، علماء و فقہاء ان کی صحبت کو غیمت سمجھتے تھے اور گھر گھر علم کا
چرچا ہو گیا تھا؟“

شعراء چاہنے آصف خاں کی تعریف میں قصیدے لکھتے ہیں اور اس کی وفات
کے بعد زہابیت پر اثر اور غم انگیز مرثیہ لکھائے۔

مغل حکومت کے مشہور سپہ سalar عبدالرحیم بیم خان خاناں (م ۱۷۰۵) فارسی
ترکی اور بہندہ می کا بلند پایہ شاعر اور شعروادب کا نقاد و جوہری اور بُصر تھا، وہ صاحب
سیف و قلم اور ہفت زبان تھا، بہند و نشان کا ایک بغیر جانب دار حق تگ و ممتاز
مؤثر خ عبدالرحیم خان کے بارے میں لکھتا ہے:-

”ان کی ذہانت و فطانت اعلیٰ و صلگی اور بلند تہمتی اور جود و سخاوت
کی تعریف ناممکن ہے، ادب و شعر، مطالعہ کتب بالخصوص تاریخی کتابوں
سے شیقانگی تھی، اہل فضل و کمال سے انہیں غایت محیت اور صحبت ناجنس
سے سخت احترام تھا، ممتاز اور پاکیزہ زندگی تھی، ہمیشہ بلند تہمتی اور
اولو العزیزی کے کاموں کا شوق تھا، وہ ایک ایسی جامیں الکمالات
اور جامیں الاضداد تھیں ہے جس کی تیزی و نیامیں دور دور اور زنا یعنی نیں
دیر و بیزک نہیں ملتی ॥“

عبدالرازاق خوانی نے "ماڑا امراء" میں لکھا ہے کہ عبد الرحیم بہرہ خان شجاعت و کرم میں اپنے معاصرین میں مفتر و نظر آتے ہیں، عربی، فارسی اور ہندی زبانوں میں انھیں ہمارت حاصل تھی، اور ان سب زبانوں میں روانی اور تبلیغی گفتگو کرنے تھے اور تینوں میں آیا راشم بر بھی کہہ لیتے تھے۔

عبد الرحیم خان خانہ ہندی کے مانے ہوئے شفراو میں ہیں جن کا ہندی شاعری میں خاص مقام ہے، فارسی بھی چوٹی کے شفراو میں تھے، ان کی امارت اور ان کی جامیعت نے ان کی فارسی شاعری پر پردہ ڈال دیا، اگر وہ اس کو اپنی ناموری اور انطباق کمال کا ذریعہ بناتے تو ان کا پایہ اُن کے دربار کے ان ایرانی شفراو سکم نہ ہوتا جن کے نمونے فارسی شاعری کا ایوان ابھی تک گونج رہا ہے۔

ابوالفضل اور فضیلی کے عقائد و مفاسد اور طرزِ عمل سے کسی کو خواہ کتنا اختلاف ہو اور ان سے حقیقی اسلام کو ہندوستان میں نقصان پہنچا ہو، اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنی غیر معمولی ذہانت علم سے فطری منابدت اور ادب و شاعری کے حفاظ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ اس وقت کی معاصر علمی دنیا کے ممتاز ترین افراد میں سے ہیں، فضیلی اپنی شاعری میں اساتذہ ایران کی ممتاز صفت میں جگہ پانے کا حقیقتی ابو الفضل کی لہ ان کی فارسی شاعری کا پایہ اور تغزل میں ان کا مرتضیٰ معلوم کرنے کے لئے ان کی عزل ملاحظہ جس کا مطلعہ ہے۔

شمار شوق ندا نتہ ام کرنا چندست جو ایں قدر کو ڈھنخت آزو ندست

اسی عزل کا شعر ملاحظہ ہو۔

میان اہل محبت حدیث ہدیہ کارست نگاہ اہل محبت ہزار سو گزارست

کتابیں "آئین اکبری" اور "اکبر نامہ" اس کی ذہانت، قوتِ مطالعہ و ملاحظہ کا ایک شاہکار ہے، مشہور فرنچ فاضل (CARRA-BE-VAUX) (POWER OF OBSERVATION) کا ایک شاہکار ہے، اور دیقیر رسی متعلق لکھتا ہے:-

"اکبر نامہ ایک ایسا عینہ معمولی علمی کارنامہ ہے جو زندگی، خیالات اور علم سے بریز ہے، اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے کا گہر امطالعہ کیا گیا ہے، پھر اس کو محفوظ اور مرتب کیا گیا، نگاہیں اس سلسل ارتقاء کے مطالعے سے بیرون ہو جاتی ہیں، وہ ایک ایسی علمی دستاویز ہے جس پر شرقی تہذیب کو فخر کرنے کا حق حاصل ہے جن انسانوں کی ذہانتوں نے اس صفحہ کتاب کے ذریعہ اپنا تعارف کرایا ہے، وہ حکومت و انتظام کے فن میں اپنے زمانہ سے بہت آگے معلوم ہوتے ہیں، وہ نصرت حکومت کے فن میں اپنے زمانہ سے آگے معلوم ہوتے ہیں بلکہ دینی فلسفہ کے باشے میں اپنے عورو فکر میں بھی آگے بڑھتے ہوئے ہیں، ان شراء و فکریں نے مادہ کی دنیا کو بڑی گہری نظر سے دیکھا، وہ ہر چیز کو غور سے دیکھتے تھے، محفوظ کرتے تھے اور ہر چیز کا تجربہ کرتے تھے، اپنے ذاتی خیالات کا دوسرا سے خالائق سے مقابلہ کرتے تھے، ایک طرف ان کے طرزِ ادا اور تعبیر میں صاحت و بلاغت ہوتی تھی، دوسری طرف وہ اپنے بیانات کو اعداد و شمار کی مدد سے مستحکم و مدلل کرتے تھے۔"

عالم اسلام کے عمومی علمی فکری اصلاحیں کے دو بڑی ہندستان کا استثناء ایسا تھا۔
تاریخی مغل حلون کے بعد عالم اسلام میں ایک طرح کا فکری اور علمی انحطاط پیدا
ہو گیا جس کی نتیجی مصنیف و تالیف کی رفتار سست پڑ گئی، ذہنی اپرچ اور دماغی
صلاحتیں افسردہ اور مغل ہو گئیں، اس انحطاط و نزول کا نقشہ واضح طور پر آٹھویں
صدی ہجری کے بعد ماننے آتا ہے ذہنی جمود اور عقلی اصلاحیں زندگی کے مختلف گوشوں میں
سرابیت کر گیا، چنانچہ اس عرصہ میں صرف چند مشتشفی شخصیتوں کے علاوہ اور کوئی ایسا بکمال
نظر نہیں آتا جو عام سطح سے بلند ہوا و بعینفری یا (GENIUS) کہلانے کا سخت، امن شفیعی
شخصیتوں میں علام عبدالرحمٰن این خلد و نک کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔

لیکن ہندوستان دنیا سے الگ تھلک ہونے کی وجہ سے عقلی ذہنی پیشی کی اس عالم ہر
سے زیادہ متاثر نہیں ہوا، تاریوں کے حلے جو پوری دنیا کے اسلام کے لئے ہونا کہ تباہی
کے آئندھے ہندوستان کے جھرنا فیاضی محل و قوع کی وجہ سے اسے پوری طرح انسی زد میں
نہ لے سکے، اس لئے علمائے اسلام بکثرت پناہ کی تلاش میں اس ملک میں آکریں گئے جن کی
بدولت بہاں خاصہ عصت کے علمی و ادبی تحریکات سرگرم عمل ہیں تالیف و تصنیف کی
رفزار بھی نیزی کے ساتھ جاری رہی اور مختلف اوقات میں ایسے اصحاب علم و فضل پیدا
ہوتے رہے جن کا شمار اسلام کے بلند پارے میفلکین اور مصنیفین میں کیا جا سکتا ہے۔

تحقیق و حدیث فکر

ان کی تصنیفیں اس دور کی عام روشنی کے بر عکس حدیث نظرافت اور اپرچ

پائی جاتی ہے، "مخدوم شیخ شرف الدین سعید بنی نیری (م ۱۴۰۲ھ) صاحب تکفیر بار صدی" شیخ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۴۶۱ھ) صاحب "محجۃ الشرایحۃ" و "ازالۃ الخفا" شاہ رفیع الدین دہلوی (م ۱۴۳۳ھ) صاحب "نکیل الادھان" اور "اسرار المحبۃ" اور شاہ اسماعیل شہید دہلوی (م ۱۴۷۶ھ) صاحب "الحقائق" کی کتابوں اور رسائل میں جدید تحقیقات اور لیے جدید انکار و خیالات ملتے ہیں جن سے ان کے معاصر علماء کی کتابیں عام طور پر خالی نظر آتی ہیں۔

دور آخر میں اصلاح و تجدید کی تحریکات کام کرنے

اسلام کے اس دور اخیر میں متعدد نارنجی اور قدرتی اسباب کی تباہ (جن کی وجہتہ ہم اپنی کتاب "نایخون دعوت و عزیمت" کی نیسری جملہ میں کہ کچھ ہیں) ہندوستان دعوت و تبلیغ اور اصلاح و تجدید کام کرن گیا تھا، اس مک کی دعوتی و اصلاحی مرگر میاں حد و ہند سے بھی منجا وزہو کر دوسرے حاکٹ تک پہنچیں، اس عرصہ میں یہاں خلاصہ ایک دین اور اصلاح و تجدید کے چند ایسے علمبردار پیدا ہوئے جو اپنی قوت دعوت و تاثیر، علمی رسوخ اور دائرہ اثر اور افادۂ عام کی وسعت اور اصل اسلامی دعوت سے مناسبت کے بھائیوں سے دین کے داعیوں اور مجددین اسلام کا بہترین نمونہ ہیں۔

ہندوستان کے دینی مصلح وداعی

اس سلسلہ میں سب سے پہلے امام ربانی حضرت شیخ احمد سہنہ دی (م ۱۴۳۲ھ) کا

لہ ملاحظہ ہو "نایخون دعوت و عزیمت حصہ پہاڑم پغم و سیرت سید احمد شہید" (۱-۲)

اسم گرامی ہماسے سامنے آتا ہے اب ایں بصیرت نے ان کو "مجدد الف ثانی" کا باعث ملت لقب دے کر اپنی حقیقت شناسی کا ثبوت دیا ہے حضرت مجدد حیدر رحمۃ اللہ علیہ نے درحقیقت اسلام کے ساتھ بہتر تسلی مسلمانوں کے رشتہ کی از سر تو تجید و توثیق کی اور شریعت محدث کو تبریز تحریفی غلط ناویوں اور وحدت الوجود کا عقیدہ و رکھنے والے غالی صوفیوں کے اکاڈمی سے بچایا، اس کے علاوہ مختلف حکومت کو لادینیت مختلف مذاہب کے اختلاط و انتزاع اور وحدت ادیان کے نقشہ اور یہ نہیت کے دوبارہ فروغ سے بچائے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر نہیز بحیدر حق پرست سلطان اور زنگ زرب عالمگیر بھی آپ ہماں کی دعوت و فکر کا ایک خوبیے آپ کا سالہ نعمت ترکی، ایران، عراق، کردستان اور شام میں اب تک چھلائی ہوئے آپ کے مسلمان ارشاد کو علام خالد شہر زوری کر دی (م ۱۴۲۶ھ) کے ذریعہ ملکتِ روم، عرب، چجاز، کردستان، شام اور زر کی میں جو مقولیت و شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور سلسلہ کے حصہ میں نہیں آئی۔

دوسری شخصیت حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جنہوں نے دین خالص جہاد فی سبیل اللہ خلافت راشدہ کے نقشہ پر حکومت شرعیہ کی تشکیل اور دین حق کی سرمبندی کے لئے جانی و مالی قریانیاں دینے کی ترغیب لوگوں کو دی، آپ کی مخلصانہ کوشش کی بدولت عالم مسلمانوں میں ایمان و تقویٰ اور خدا پرستی کی لہر دوڑ گئی، یاں یوں کہے کہ قرونِ اول کا ایک جھونکا تھا جو اس عہد میں چلا اور اس نے ہندوستانی مسلمانوں کے تن مردہ میں تقویٰ و ایمان کی روح پھونکنے کی، آپ کی جماعت اور آپ کے تبعین کی دینی پتشکی پابندی شریعت اور شوق جہاد کی مشاہد نہیں ملتی۔

له ملاحظہ ہو "اصفی الموارد فی تعریجۃۃ سیدنلخالد" مؤلفہ شیخ غنم ان السدر اور سید الحسین البندی نقشہ مولانا خالد القتبندی "مؤلف محمد امین ابن عمر عابدین صاحب رقد المختار" (م ۱۴۲۸ھ)

له تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "برہت سید احمد شہید" از مصنف و "سید احمد شہید" از مولانا غلام رسول بہر مطیوع لاہور۔

مشہور عالم و مصنف نواب صدیق حسن خاں مردم حضرت بیدار صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کے بارہ میں لکھتے ہیں :-

حائل کلام آنکہ درین قرب زمان

خلاصہ یہ کہ اس زمان میں دنیا کے کسی
ایپنی صاحب کمالے در قدرے

ملکیں بھی ایسا صاحب کمال تنا
از افطار جہاں نشان ندادہ اندر،

نہیں گیا اور جو فیض اس گروہ حق
و چندان فیوض کر ازین جا وہ تصویر

سے خلوٰ خدا کو پہنچے انکا غفرانیش
بحلق ریڈ عشر عیش آں ازو گرثائیخ

بھی اس زمان کے علماء و مشائخ سے
علماء ایں ارضِ علوم نیست۔

نہیں پہنچا۔

عصر حاضر میں ایک بار پھر ہندوستان اسلامی تبلیغ و اصلاح کا مرکز بن گیا ہے، جس کے دائیٰ مخلص حضرت مولانا محمد ایاس دہلوی رحمۃ الشریعہ (م ۱۳۶۳ھ) تھے، اس دوران پر ایک بڑا اسلامیہ کا سفر کیا ان میں مولانا محمد ایاس حفظ رحمۃ الشریعہ جیسا توئی الابیان دائیٰ اور کہیں نہیں دیکھا، تو کل علی الشریعہ دعوت و تبلیغ کے لئے ان کی پسچی لگن اور والہان مشغولیت ان کی خاص خصوصیات ہیں، مولانا موصوف کی جatt تبلیغ پریسے عالم اسلام میں سرگرم عمل ہے، پورپ، امریکا اور جاپان وغیرہ میں بھی تبلیغی جماعتیں بار بار جا چکی ہیں، اس تحریک کے لئے لوں کی سرداں لیکھیاں گرم کر دیں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے اندر ایمان کا شعلہ پھر کا دیا۔

ہندوستان کی مردم خبر اسلامی نسل

ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کی یہ چند نشانیں ہیں، جنہوں نے زندگی کے مختلف

لئے تقصیر ملا۔ ٹھہ ملاحظہ ہو مولانا محمد ایاس رحمۃ الشریعہ اور ان کی دینی دعوت از مصنف۔

گوشوں میں اپنی عظمت اور انفرادیت کا نقش قائم کیا "نزہتہ الخواطر" کی آنکھ ضخیم
جلدوں کا جو پانچ ہزار کے قریب ہے تک تذکروں پر مشتمل ہے، ایک سرسری جائزہ لینے سے اس
سرزین سے اٹھنے والے فضلا و کاملین فتن اور اسیم ملک کی مردم بیرونی کا بخوبی اندرازہ ہوتا ہے۔
مسلمانوں نے ہندوستان میں اسلام کے جس درخت کو پہنچنے مخلص ہاتھوں سے رکھا یا
اور پاک نفس مجاہدین نے اپنے پاک خون جگر سے ہر زمانہ میں اس کی آبیاری کی تھی آج بھی
خاندان کائنات کے حکم سے برا بچل دے رہا ہے، بیہان ہر دو دنیا اسلامیان ہندویں ایسی
یکنائے روزگار خصیتیں پیدا ہوئیں جھوٹوں نے دوسرا تو موں پر اپنی بیاقت، ذمی تقوٰ
اور خدا دصل احیتوں کا سکستہ بھا دیا، انگریزوں کے دور میں بھی جب کہ بڑھ رہا ذہنی و
فلکی اصلاحیتوں کو ختم کرنے کے لئے ایک منظوم کو شیش جاری تھی، مسلمانوں ہندویں
متاز قانون دان، نظم و سنت کے ماہرین، بڑی صنی، فلسفہ، تعلیم، سیاسیات و معافیات
طبیعتاً اور کیمیسٹری کے ایسے فضلا اور انگریزی ایزان کے ایسے ادیب و فقادر پیدا ہوئے
جن کی انگریزی والی، قادر الکلامی اور اسلوب نگارش کا خود انگریزوں نے لوہا مانا۔
زعماً، قانون دان و قانون ساز، مقرر اور بلند آہنگ خطیب بھی ایسے پیدا ہوئے جن کا
شمار دنیا کے صفت اول کے بیاسی رہتا ہو، قانون دانوں اور مقررین میں کیا جا سکتا ہے۔
مسلم قوم میں ایسے شرعاً اور راصحاً فکر و نظر پیدا ہوئے جن کے پیغام اور جن کی شاعری
کی مقبولیت ایران، افغانستان اور ترکی تک پہنچ گئی اور ان کے کلام کا متعدد اسلامی
زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔

لئے ملاحظہ ہو۔ (OUR INDIAN MUSSALMANS, BY W. W. HUNTER)

لئے مثلاً علام اقبال، ملاحظہ ہو "رواٹ اقبال" از مصنف اور اس کا اردو ترجمہ "تفسی اقبال" اور انگریزی ترجمہ GLORY OF IQBAL

عرب ثقافت و تندن کو بھی آج تک یہ قوم پرست سینت سے لگائے ہوئے ہے بلکہ اس میں نفید اضلاع بھی ہوتے رہنے ہیں، ہمارے سامنے واقعات و خالق کا جو صرایح ہے اس کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر نقش کی جا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں عربی ادب کا ایک خاص کتب نکل اور یہ اسلوب تکارش وجود میں آئے گا، جو ادب 'روحانیت' ایمان اور دعوت اصلاح کا جامِ ہو گا۔

ان خالق کو دیکھ کر تین ہو جاتا ہے کہ مسلمان ان ہندو آج کل تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر ہے ہیں زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اس کے لئے سرگرم عمل بھی ہیں، ان کی شخصیت لازوال اور زندہ جاوید ہے۔



ہندوستان کے صوفیائے کرام اور ہندوستانی معاشرہ پر ان کے اثرات

ہندوستان تصوف کا ایک مرکز و بنج

تصوف کے مشہور و مرکزی سلسلے اگرچہ ہندوستان سے باہر پیدا ہوئے لیکن ان کو سب سے زیادہ فروع اور قبولیت ہندوستان کے مخصوص حالات اور ہندوستان کے ضمیر و مراجح کی وجہ سے) ہندوستان ہی میں حاصل ہوئی، ان سلاسلِ تصوف میں بعض ایسی ہندوستانی شاخیں پیدا ہوئیں جنہوں نے خود مستقل سلاسل کی اور جدا گاند طریق سلوک و تربیت کی شکل اختیار کر لی، اور ان میں بعض ایسے مجتہدا اور مجدد و فن پیدا ہوئے جن کی حیثیت ایک مستقل سلسلہ کے بانی اور امام کی ہے۔ مشہور سلاسلِ تصوف طریقۂ قادریہ طریقۂ چشتیہ طریقۂ فتحندریہ طریقۂ سہروردیہ کے علاوہ جنہوں نے ہندوستان میں آکر بڑی ترقی کی، اور نئے برگ و بارلاٹے ایسے طریق سلاسل بھی ہیں جو خاص ہندوستان ہی کی پیداوار ہیں، اور ان کا انتساب ان شخصیتوں کی طرف ہے جو ہندوستان ہی میں پیدا ہوئیں اور یہیں وفات ہیں، مثلاً طریقۂ مدواریہ طریقۂ فلاندریہ طریقۂ شطواریہ اور

طريقہ مجید دیری بھوہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور ہندوستان ہی سے باہر گئے۔
 گیارہویں صدی سے تقریباً ہندوستان ہی تصور اور اصلاح باطن کا علمبردار
 نظر آتی ہے، اسی صدی میں امام ربانی شیخ احمد سہندریؒ اور ان کے صاحبزادے اور
 جانشین خواجہ مصصومؓ سے ایک عالم نے استفادہ کیا، خواجہ محمد مصصومؓ کے خلفاء ہندوستان
 سے باہر افغانستان، ایران و ترکستان میں پھیلے ہوئے تھے، تیرہویں صدی کے سلسلہ مجیدیہ
 کے شیخ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کی خانقاہ میں روم، شام، بغداد، مصر، چین اور
 جیش، سمرقند و بخارا تک کے لوگ استفادہ کے لئے آتے تھے، ان کے خلیفہ مولانا خالداری
 کے ذریعہ یہ سلسلہ عراق، شام، کردستان اور ترکی میں پھیل گیا، اور ایک نیک ان حالک
 میں یہ سلسلہ موجود ہے، چودھویں صدی کے شروع میں حضرت حاجی امداد الشیرازی جو کی تر
 کی ذات شیخ العرب الجم کے نقیبے مشہور ہوئی اور ان سے اہل حجاز اور حجاز میں
 آئے والے کثیر التعداد حجاج نے فیض الٹھایا، اس وقت پویے عالم اسلام میں ہندوستان
 ہی کی بدولت اصلاح باطن کی بیشتر روشیں ہیں اور عرشِ الہی کے سوئے کی یہ دوکان
 قائم ہے، اور اس کو اب بھی اس فن کے لیعن کا طلبیں اور تلقینیں کی موجو دی سے اس فن
 میں عالمگیر مرکزیت حاصل ہے، اور وہی اس فن کے طالبین و شاگردن کا واحد مرکز ہے۔

تصوف اور صوفیاء سے لوگوں کا تعلق اور رجوع عام

ہندوستان میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیاء کرام ہی کی ذات سے ہوا،

خاص طور پر حضرت خواجہ معین الدین انجیریؒ کے تخلص اور پر زور باتوں سے بیان

چشمی سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی، اس کے بعد سے خواص و عوام، شاہ و رعیت، سمجھی تے

ان بے فرض اور پاک نفس در دیشون اور مروان خدا سے اپنی عقیدت و محبت کا انہما کیا، اور اس پیغام کے ایک گوشہ سے لے کر دوسرے گوشہ تک خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کا ایک جاں بچ گیا، مگر یہ شہروں کو چھوڑ کر مشکل سے کوئی قابل ذکر قصیر اور مقام اس سے محروم رہا۔

لوگوں کو ان بزرگوں اور ان کی خانقاہوں سے جو والہان عقیدت اور قلبی تعزیت تھا، اور ان کی طرف رجوع کی جو کیفیت تھی اس کا ہکا سا اندازہ ان اعداد و اعماق سے ہو سکتا ہے جو عین کسی نرتبہ کے بیہاں پیش کئے جاتے ہیں :-

”حضرت مید آدم بنوری (متوفی ۵۵۰ھ) کی خانقاہ میں ایک بزرگ ہزار آدمی روزانہ ہوتے تھے جو دونوں وقت خانقاہ میں کھانا کھاتے تھے، ان کی سواری کے ساتھ ہزاروں ہزار آدمی اور یکڑوں علماء ہوتے تھے، تذکرہ آدمیہ میں ہے کہ ٹھنڈا ہے میں جب آپ لاہور تشریف لے گئے تو سادات و مشائخ اور دوسرے طیقوں کے دس ہزار آدمی آپ کے ہمراہ کاب تھے، طالبین کا اتنا مجھ ہر وقت رہنا تھا کہ شاہ بھاں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے کچھ رقم بچ کر کھلوما کر کر آپ پر بچ فرض ہو گیا ہے، آپ حرمین تشریف لے جائیں، چنانچہ آپ ہندستان سے بھرت کر گئے“

مجدد صاحب کے نام و خلیفہ اور صاحبزادے حضرت خواجہ موصوم (۴۹۰ھ)

کے ہاتھ پر ۹ لاکھ انسانوں نے بیعت و توبہ کی اور سات ہزار آدمی خلافت سے مشرف ہوئے۔ سرستی احمد خاں مر جوم ”آثار الصنادید“ میں حضرت شاہ غلام علیؒ کے متعلق لکھتے ہیں :-

”حضرت کی خانقاہ میں پانچ سو قبری سے کم نہیں رہتا تھا، اور سب کا

روٹی کپڑا آپ کے ذمہ تھا۔“

تیرہویں صدی کے مشہور مصلح اور شیخ طریقت حضرت میداحمد شہیدؒ کی طرف
لوگوں کے رجوع اور اہل طلب کے ہجوم کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اصلاحی دوروں اور
سفریج کے سلسلہ میں جن مقامات سے گزرے پوئے پوئے شہروں میں تھوڑے آدمی ایسے
ہوں گے جو تو بہ دعیت سے محروم رہ گئے ہوں گے ال آباد، مرزاپور، بنارس، غازی پور،
عظیم آباد، پٹسہ اور کلکتہ میں مجموعی طور پر کئی لاکھ مسلمانوں نے دعیت و توبہ کی، دین کی
عمومی اہمیت اور طلب کا اندازہ اس سے ہو گا کہ بنارس میں ہسپتال کے مریضوں نے بھی
پیغام بھیجا کہ ہم مدد و میری دوستان نک ہمارا آنا دشوار ہے اگر آپ پرشی فی الشریف ہم تشریف
ارزائی فرمائیں تو ہم دعیت کریں، کلکتہ میں دو ہمیتی قیام رہا، روزانہ ایک ہزار آدمی کے
قرب بعیت سے مستشفی ہوتے اور روز بروز ہجوم طریقہ تاجا تھا تھا، کثرت بعیت کا یہ حال
نخاکار صبح سے دودھائی پہر رات گئے تک مردوں اور عورتوں کا ہجوم رہتا، میدا صاحبؒ کے
سوائے نماز پڑھنے کھانا کھانے اور ضروریات بشرطی کے کچھ فرصت نہ ملتی، علیحدہ علیحدہ
ایک ایک شخص سے بعیت لینا محال تھا، ایک وسیع مکان میں سب جمع ہو جاتے، آپ
تشریف لاتے اسات آٹھ دستاریں کھول کر آپ لوگوں کے ہاتھ میں دے دیتے، لوگ ان کو
جا بجا سے تھام لیتے اور آپ بعیت کے الفاظ کو اذان کی طرح بلند آواز سے تلقین فرماتے
دن میں سترہ اٹھاڑہ باری ہی عمل ہوتا۔

زندگی اور معاشرہ پر اثر

یہ شائع ان لوگوں سے جوان کے ہاتھ پر بعیت کرتے تھے تمام گناہوں سے

توبہ لیتے تھے، خدا کی اطاعت' اور رسول کی تابعداری کا عہد لیتے تھے بے جائی اور بد اخلاقی، ظلم و زیادتی، حقوق العباد کی پامالی سے بچنے کی تاکید کرتے تھے، اچھے اخلاق اخترکرنے اور اخلاقی رفیلہ (حدود، کیفیت، تکریر، حبّ مال، حجت جاہ) کے ازالہ اور اصلاح کی طرف توجہ کرتے تھے، خدا کی یاد، اور اس کی مخلوق کے ساتھ خیر خواہی اور خدمت، لوگوں کو نفع پہونچانے اور ایشیار و قناعت کی تعلیم دیتے تھے، اس بیعت کے علاوہ جو عام طور پر ایک خصوصی اور گھر سے تعلق کا ذریعہ ہوتی تھی، وہ 'نام آنے والے' والوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے، اور ان کے دل میں اللہ کی محبت، اس کی رضا کا شوق، اور اصلاح حال کا جوش پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے اخلاص و اخلاق اور ان کی تعلیم و تربیت اور صحبت کا جواہر عام زندگی اور معاشرہ پر پوتا تھا اس کا ایک نوذر بیان پیش کیا جاتا ہے، ہندوستان کا مشہور مورخ فاضل بناء الدین برلنی عہد علائی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادہ تصوٹ شیخ"

الاسلام نظام الدین، شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین
سے آراستہ تھا، ایک دنیا ان کے انفاسِ منبر کے سے روشن ہوئی، اور
ایک عالم نے ان کی بیعت کا باٹھ پکڑا، اور ان کی مدد سے گھنگاروں نے
توپہ کی، اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے باٹھ
ٹھالیا، اور بہیشہ کے لئے پابند نماز ہو گئے، اور یا طنی طور پر دینی مشغلہ
کی طرف رُجتیت ظاہر کی، اور ان کی توبہ صحیح ہو گئی، عباداتِ لازمہ اور
متعددیہ کا معمول ہو گیا، دنیا کی حرث و محبت (جو انسانوں کے فوائد اور

فرمانبرداری کی بنیاد ہے) ان مشائیخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و
تجربی کے معاملہ کو دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی، ان بزرگوں کی عبادا
و معاملات کی برکت سے لوگوں میں سچائی پیدا ہو گئی، ان کے مکارم
اخلاق ریاستاً و جاہل کے انڑ سے اثر والوں کے دلوں میں اخلاق کے
بدلتے کی خواہش پیدا ہوئی۔“

آگے چل کر لکھا ہے :-

عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، عشق، فتن و محروم،
جوہ، غماشی و خیرہ کا نام اکثر آدمیوں کے زبانوں پر ہیں آتے پایا، بڑے
بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے شایر معلوم ہونے لگے تھے مسلمان ایک
دوسرے کی شرم سے سوداواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلانے کی
نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں کے جھوٹ بولنے، کم تو لئے اور آمیزش
کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا۔

مشائیخ طریقت پیش نئے مریدین کو معاملات کی صفائی، حق داروں کے حقوق
کے تصفیہ اور اگر ان کے ذمہ کسی کے مطالبات یا بقا یا ہے تو اس کی ادائیگی کی شدید
تاکید کرنے تھے اسلطان المشائیخ خواجہ نظام الدین اویسؒ کو یہی ان کے شیخ خواجہ
فرید الدین گنج شکر نے تاکید فرمائی تھی کہ ”مخالفین کو خوش کرنے اور اہل حقوق کو راضی
کرنے میں کوئی دفیقہ فروغ نہ اشتہر کرنا، ان کے ذمہ ایک شخص کے۔“ جتنی باقی تھی،
اور ایک شخص سے انہوں نے ایک کتاب متعارف کی تھی، وہ کھو گئی تھی، جب وہ دلیل آئے تو
لہ ماخذ از ”بزم صوفیہ“ یا اختصار ص ۲۰۸-۱۹۸

پہلے شخص کے پاس قرض ادا کرنے گئے، اس نے کہا کہ: «معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو!» ادوسر شخص کے پاس گئے تو اس نے کہا کہ: «اُن تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا بھی تیجہ ہونا چاہئے!»

ان شاعر کی تربیت و صحت سے بالتفہیت نہیں و ملت انتیاز بیگانہ و بیگناز، خدمت اور راحت رسائی کا جذبہ اور ذوق پیدا ہوتا تھا، حضرت یہاحد شہیرؒ جب لپیٹ کثیر التعداد رفقاء کے ساتھ سفر جو کو جائے تھے تو اس طویل و پُر مشقت سفر میں جیسا ضرورت پڑتا اور خدمت کا کوئی موقع آتا اس سے دریغہ نہ کرتے یہ سفر دریائے گنگا کے راستہ کشتبیوں سے ہو رہا تھا، مزالپور کے گھاٹ پر روئی سے لدی ہوئی ایک ناؤ کھڑی تھی، روئی کا ملک مزدوروں کا منتظر تھا کہ اس روئی کو لا دکر گودام لے جائے، یہ صاحب نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ روئی کے گھٹے آمار لو، صد ہا ادمی اس کشتبی سے لپٹ گئے، اور دو گھرڈی کے عرصہ میں ناؤ خالی کر کے روئی گودام کے دروازہ پر پہنچا دی، لوگ یہ حال دیکھ کر متوجہ ہو گئے، اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ لوگ تو عجیب طرح کے ہیں کہ روئی ولے سے نہ جان نہ پہچان ابے مزدوری پیش فی الشراس کا اتنا کام کر دیا بیٹک یہاں تو لے لو گا ہیں!»

تسلیم کے ساتھ ان شاعر کرام کے اثرات کا نذر کرہ بہت دشوار ہے، اس کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے، ہندوستان میں صحت مدد صاحب ضمیر معاشرہ تحریر کرنے میں (جو اس ملک کی سب سے بڑی اخلاقی طاقت یہ غرض خادمان خلق، اور نیک نفس حکام کا سر حشیب رہی ہے اور جس نے ہر نزاک موضع پر ہندوستان کو لا اُن افزاد)

لے، فائد الفواد مثلاً یہ بیرت یہاحد شہیرؒ ص۲۹ بحوالہ وقارع احمدی قلمی ص۲۶

فراتم کئے ہیں) ان پے لوٹ مصلحین اور تعلیمیں اخلاق کا سبے بڑا اور مرکزی حصہ ہے، دریان کی صدیوں کو ہم چھوڑ کر جن کا وسیع مودعاً شاعر طریقہ کے نذکروں میں منتشر ہے، ہم نیز ہمیں صدمی کے صرف ایک روحانی پیشوا حضرت سید احمد شہیدؒ کے دینی و اخلاقی اثرات کا نذکرہ بطور مشال کے پیش کرنے ہیں، سید صاحب کے سفرج کا نذکرہ کرنے ہوئے موئرخ لکھتا ہے:-

”مکلتہ میں یک لخت شراب بکھی موقوف ہو گئی، دو کان داروں نے جا کر سرکار انگریزی میں اس کا شکوہ کیا کہ ہم لوگ سرکاری حصوں بلاعذر رادا کرتے ہیں، اور دو کانیں ہماری بندہ ہیں جس پے ایک بزرگ اپنے قافلہ کے ساتھ اس شہر میں آئے ہیں، شہر اور دیہات کے تمام مسلمان ان کے ہمراہ ہوئے اور ہر روز ہوتے جاتے ہیں انہوں نے کل مکرات (نشا اور چیزوں) سے توہیر کیا، اب کوئی ہماری دو کانوں کی طرف ہو کر بھی نہیں مکلتا۔“

اس وسیع ملک کی آبادی کی جس کثیر تعداد کو ان شائع طریقہ اور روحانی تعلیمیں کے تعلق اور ان کی اصلاحی کوششیوں نے تیک راست پر لکایا، اور بد اخلاقیوں و بد اعلیٰوں سے محنت بکھرا، وہ صرف انہیں کے اخلاق و روحانیت کا نتیجہ تھا، دنیا کی کوئی حکومت، کوئی ادارہ، اور کوئی قانون نہ اتنی بڑی تعداد کو متاثر کر سکتا ہے، اور نہ دائمی طور پر اخلاق و اصول کے دائڑہ میں رکھ سکتا ہے۔

یہ ایسی اور حق کوئی

ان روحانی تعلیمیں کی ایک بڑی خدمت اور کارانامہ ہے تھا کہ انہوں نے

له و قائم احمدی۔

مطلق العنان سلاطین اور جا برا با دشاؤں کے غلط اور خطرناک رجحاناتا اور بے اعذاریوں کا مقابلہ کیا، ان کے منہ پر کلمہ حق کہہ کر اور ان سے اختلاف ظاہر کر کے حکومت اور معاشرہ کو بعض خطرناک نتائج اور زیادی سے بچایا، ان کی نزبیت اور عملی مثالوں نے لوگوں میں ہمت اور وحدت اور بے خوفی و شجاعت پیدا کی اہم دوستان کے اسلامی دور کی پوری تباہی کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے کہ ان مثالیخاں اور ان کے خلفاء نے مر سے کفن باندھ کر اور اپنی زندگی سے باٹھ دھوکر "اخصل الجہاد" کلمہ حق عند سلطان چائڈ" (جا برا با دشاؤں کے مقابلہ میں حق یات کہنا افضل نزین جہاد ہے) پر عمل کی، یہاں پر صرف محدثین کے عہد کے دو واقعات نقل کئے جاتے ہیں:-

شیخ قطب الدین متوّر صحیح تلقن کے ہمدر کے ایک گوشنے شیخ حسپی بزرگ تھے،
با دشاد ان کے علاقوں کے پاس سے گذرا اور انھوں نے سلام کے لئے عاصمی ہنسی دی،
با دشاد نے ان کو جلدی طلب کیا، انھوں نے جب ایوان شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا
تو امراء و ملوک اور نقیب و چاؤش درویش کھڑے تھے، ان کے صاحبزادہ نور الدین
کم عمر تھے، انھوں نے کبھی با دشاد ہوں کی بارگاہ نہیں دیکھی تھی، ان پر تربیت سی طاری
ہوئی، شیخ قطب الدین متوّر نے ان سے پکار کر کہا — «با تور الدین» العظمة اللہ
صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنت ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہو گئی، سارا رب
جاناتا ہا، اور جو امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے، وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم
ہوتے لگے، با دشاد نے شکوہ کیا کہ میں آپ کے حوار میں پہنچا آپ نے میری کوئی تربیت
ذر فرمائی اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی، شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش پیش کو اس کا الہیں
نہیں سمجھتا کہ با دشاد ہوں سے ملاقات کرے، ایک گونہ میں پڑا ہوا با دشاد اور اپنے سلام

کی دعا کوئی میں مصروف تھے، اس کو مخذلہ و رسم بھجا جائے، ان کی ملاقات کے بعد باادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصالحت کا اتفاق ہو لیجے جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اس کے ہاتھ میں لکپی تھی، لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصالحت کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا، باادشاہ نے ان کی خدمت میں ایک لاکھ تنکر پیش کیا، شیخ نے فرمایا کہ سیحان اللہ، درولیش کو تو دو بیرون چاول، والی اور ایک بیسر کا گھنی کافی ہے وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا، بڑی کوششیوں اور حسیلوں سے یہ کہہ کر باادشاہ درپے آزاد ہو جائے گا آپ نے دو ہزار نشکن قبول کئے، اور وہ بھی اپنے برادر ان طریقت اور اہل حاجت میں تقسیم کر کے واپس چلے آئے۔

دوسراؤ اقعد مولانا فخر الدین زردادی کا ہے، مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اختناہ تھا، کئی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کٹا ہو اور پڑا ہو ادیکھا ہوں یعنی میں ہمارہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا، اور یہ شخص بھکر معاوی نہیں کرے گا، آخر ایک مرتبہ دربار میں مجلس ہوئی، سلطان نے کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے ہو لانا نے فرمایا غصہ دیا یعنی سلطان نے کہا کون سا غصہ، مولانا نے فرمایا درندوں والا غصہ اس پر سلطان کا چہرہ تتماگی، لیکن کچھ کہا نہیں، خاص عذر تباہی طلب کیا گیا اس سلطان نے اپنے پیالے میں مولانا کو تشریک کیا اور اپنے ہاتھ سے لبھن لئے دیئے، مولانا نے بڑی ناگواری کے ساتھ کھانا کھایا، سلطان نے اس کے بعد مولانا کو خصت کیا۔

ان شائع نے شخصی سلطنت کے ہر دور میں اپنی بے غرضی بے خوفی اور حق کوئی کی روایت قائم رکھی، اور جکبے سلاطین نے حق گو علماء تک کو معاوی نہیں کیا انھوں نے

عام حالات میں ان درویشوں کی خصوصی رعایت کی اور ان کو اپنا فرص انجام دینے کی اجازت دی، دہلی کے آخری دور میں بھی مشائخ نے اپنی خودداری اور خودشانسی پاٹھ سے جانے تھیں وہی شاہ عالم ایک مرتبہ خواجہ میر درد کی محفلِ سماع میں حاضر ہوئے، پچونکہ پاؤں میں درد تھا ضبط نہ کر سکے، ذرا پاؤں پھیلایا، خواجہ صفات اس بے ادبی کے متحمل نہ ہو سکے، فرمایا یہ امر فقیر کی آدابِ محفل کے خلاف تھے، باہ شاہ نے غدر کیا اور معافی چاہی، خواجہ صفات نے فرمایا اگر طبیعت نا ساز تھی تو تکلیف کرنے کیا صرور تھی۔

زہد واستغنا

ان صوفیائے کرام نے سلطنت کے عہدوں، امراء اور اہلِ دولت کی گران قدر پیش کشوں، اور زمین و جائداد کے قبول کرنے سے اکثر پرہیز کیا، اور زہد واستغنا، فناءت و لوثک، اور خودداری و خودشانسی کی ایسی روایتِ قائم کی جس نے ہندستان کے معاشرہ میں کردار کی مضبوطی بلند تھی، اور بلند نظری کے اوصاف اور عناصر کو زندہ رکھا، اور انسانیت کی آبرو کو سود و زیابی کے اس بازار میں جس میں انسانوں کا بھی سودا ہوا کرتا تھا، ہمیشہ قائم و محفوظ رکھا، ان کا اصولی تندگی اور اعلان یہ تھا۔

من دلت خود با فخر شاہی نہیں دهم من فخر خود بلکہ سیماں نہیں دهم

از رنج فقر در دل گنج کر یا فتم ایں رنج را بر احت شاہی نہیں دهم

(میں اپنی گذری یا دشائیوں کے ناج کے عومن میں دینے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں اپنا فقر سلطنت سیماں کے بدیے میں دے سکتا، فقر کی مشقت سے میں نے دل میں

لے گل رعناء ۱۷

جو خزان پایا اس شفقت کو میں بادشاہوں کے آرام کے عومن دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔) ہندوستان کے فقر و فحصوت کی تاریخ... زہر و استغنا، خودداری و خودشائی اور ایثار و قربانی کے حیرت انگیز واقعات سے لمبیز ہے اور ان مثالوں کی سلسلہ طریقیت، اور کسی خالوادہ تصوف کی تاریخ خالی نہیں، ہم بہاں صرف آخری دو (تیرھوں، چودھویں) صدی کے چند واقعات نقل کرنے ہیں جو اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جس میں مادیت اپنے قدم جا چکی تھی۔

سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک بزرگ حضرت مرتضیٰ جانتاں دہلویؒ تھے، جن کی وفات سے قبل بادشاہ دہلی نے پیغام بھیجا کہ الشر نے اتنی بڑی سلطنت مجھے عطا کی ہے، آپ اس میں سے کچھ قبول فرمائیں، فرمایا اس شرعاً تو ہفت افیم کو مشاع الدینؒ یا قلیلؒ فرانلیپے پھر ایک افیم میں سے ایک لا بیت آپ کے حصہ میں آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فیقر اس کی طرف طبع کا ہاتھ بڑھائے، نواب آصف جاہ نے ایک بار میں ہزار روپیہ نذر کیا آپ نے قبول نہیں فرمایا، نواب نے کہا کہ محتاجوں کو بانٹ جائیجے، فرمایا کہ مجھ کو اس کا سلیقہ نہیں بہاں سے نکل کر باٹھنے پڑے جائیے، گھر کپھوچتے پھوچتے نیقم ہو جائے گا، نہ مٹو وہاں ہو جائے گا۔

حضرت غلام علی صاحبؒ ہلوی کو نواب میر خاں والی گریاست ٹونک نے ان کی خانقاہ کے سالانہ مصارف کے لئے کچھ مقرر کرنا چاہا تو ان کو لکھ دیا کیا کہ
ما بر وع فقر و فقاعت منی بریم
بامیر خاں بگوئے کہ روزی مقدراست

(ہم فقر و فقاعت کی بے آبروئی نہیں کرنے، نواب میر خاں سے کہہ دو کہ روزی مقدراست)

مولانا فضل الرحمن حسن گنج مراد آبادی (متوفی ۱۳۱۴ھ) کے پاس ایک بار کوئی حاکم آریا ہوا تھا، اس نے حضرت کی اخلاقی تقریر سے خوش ہو کر کہا کہ اگر آپ فرمائیں تو آپ کی خانقاہ کے لئے گورنمنٹ سے کچھ مقرر کر دوں، آپ نے فرمایا کہ:-

”میں تھماری گورنمنٹ کار و پیسہ کر کیا کروں گا، خدا کے فضل سے ایک رسمی کی بنی ہوئی چار پائی، اور دو لوٹے مٹی کے اور دو گھرے مٹی کے موجود ہیں، اب بعض مرید ہماسے با جڑہ لے آتے ہیں، اس کی روٹی ہو جاتی ہے، بی بی صاحبہ کچھ ساگ یادال پکادتی ہیں، اس سے لگا کر کھایتے ہیں۔“

مولوی محب اللہ صاحب کا بیان ہے کہ نواب کلب علی خان والی عربی ریاست رامپور نے خواہش نظاہر کی کہ حضرت مولانا فضل الرحمن محدث رامپور ہماسے بیہان تشریف لاؤں، اس پر مولوی صاحب نے نواب صاحب سے پوچھا کہ ان کے لئے کیا نذر کریں گے؟ نواب صاحب نے کہا کہ لاکھ روپیہ مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا، مولوی محب اللہ خاں صاحب مراد آباد پہنچے اور عرض کیا کہ رامپور تشریف لے چلے، نواب کلب علی خان آپ کے بہت شائق ہیں، اور لاکھ روپیہ نذر کریں گے، آپ جس طرح سے بات کر رہے تھے کرتے رہے اور اس حکایت کو معمولی بات کی طرح ٹال دیا اور فرمایا کہ میان لاکھ روپیہ پر خاک ڈالو اور بات سنو۔

جو ہم دل پر اس کا کرم دیکھتے ہیں
تو دل کو بے از جام جم دیکھتے ہیں۔

اشاعت علم

ہندوستان کے صوفیاء کرام ہدیثہ علم کے سر پست اور پُشت پناہ رہے،

۱۰۲۰ نذرہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی از منصف

ان میں سے اکثر ویشرا اعلیٰ علمی ادبی ذوق رکھتے تھے، اور ان کا روزہ اول سے یقین و تھاہ کر بے علم نتوان خدار استاخت

اور یہ کہ جاہل صوفی بازی پر شیطان ہوتا ہے، اسی بنا پر انہوں نے بڑے طے عالی استعداد طالبین کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انہوں نے اپنی علمی تکمیل نہیں کر لی، جیسا کہ اس کتاب میں دوسری جگہ درج ہے، ہندوستان کی تعلیمی تحریک اور بہاں کی علمی حیلہ پہل با الواسطہ اور بلا واسطہ مشارع طریقت کی سرپرستی وہمت افزائی کا نتیجہ ہے آنہوں صدی میں ہندوستان کے دو زیر دست عالم اور بہاں اتنا دفاتری بعد المقتدر کندی اور شیخ احمد تھانی سری حضرت خواجہ تصیر ایں چراغ دہلي سے والیتہ تھے، گیارہوں صدی کے مشہور مدرس مولانا لطف اللہ کوئٹی جن کے تلامذہ اور شاگردوں کے شاگردوں سے درس و تدریس کا ہنگامہ تیرہوں صدی تک گرم رہا، ایک پشتی شیعہ طریقت تھے، بیشتر دوروں میں خانقاہ و مدرسہ لازم و ملزم رہے، جو پور کی خانقاہ رشیدیہ تھیے والی مسجد لکھنؤ میں مولانا پسر محمد حسن کا درسہ دہلي میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی درگاہ اور گنگوہ میں مولانا رشید احمد صاحب کی خانقاہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

پروشن خلاائق

ان مشارع اور ان کی خانقاہوں کے ذریعہ ہزاروں یمندگان خدا کی حاجت براری ہوتی، کتنے خاندانوں اور گھروں میں ان کی وجہ سے چراغ جلتا، اور جو لھاگرم ہوتا، کتنے خدا کے یمندے ان خانقاہوں میں اگر پیٹ بھر کھانا کھاتے اور انواع اقسام کی لذتوں کا مزہ

لے ملا خظیل، واقعہ شیعہ سراج الدین اودھی "فائدۃ القواد" و "سیر الادبیاء"

الحاتم، فیقروں کا بیشاہی دسترخوان ایک خوان لیتھا جس پر دوست و شمن نیگانہ دیگانہ امیر و غریب، شہری و پرنسی کی کوئی قدرتی تھی، خواجہ نظام الدین اولیاء کا دسترخوان اپنی وسعت اور مکلفات کے لئے صوبہ المثل تھا، گیارہویں صدی کے ایک مجددی شیخ، شیخ سید علی الدین سرہندی کی خانقاہ میں ایک ہزار چار سو آدمی دونوں وقت پانی فراش اور خواہش کے موافق کھائے کھاتے تھے، اسی صدمی کے او اخواز اور بارہویں کے آغاز میں ایک پشتیائی سید محمد سید عرف شاہ بھیک تھے، ان کے مغلن ان کے سوانح گھاٹکھی ہیں کہ ان کی خانقاہ میں ذاکرین و شاگلین کی تعداد ابتدائی زمانہ میں پانچ سو سے کم نہیں تھی، اسی قدر مجمع آئے جانے والوں میں سے تقریباً ایک ہزار انسان دونوں وقت ان کے بہان کھانا کھائے تھے، ایک دفعہ روشن الدولہ فرقہ سیر کے سہزادی امیر نے شترہزار و پیر خانقاہ کی تعمیر کے لئے نذر گزاری، ارشاد ہوا کہ بالفعل اس کو ایک جگہ چھوڑ دیں اور آرام فرائیں، سرپر کو مغاروں کو طلب کر کے عمارت کی تیاری شروع ہو گی، روشن الدولہ آرام کرنے چلا گیا، شاہ بھیک حصانے درویشوں کو طلب کیا اور ساری رقم اپنیا اور تھامی سرہند پیانی پت کی بیوہ عورتوں، متحابوں اور سکینوں کے گھر دل پر بھیج دی، اور ایک حستہ بھی باقی نہیں چھوڑا، روشن الدولہ سپر کو آئے تو فرمایا کہ خانقاہ کی تعمیر سے وہ ثواب کہاں مل جوان یکیسوں اور گوشہ نشینوں کی خدمت سے ملا، فیقیر کو بلند عمارت سے کیا کام، ایک مرتبہ باڈشاہ محمد فرشح سیر، ثواب روشن الدولہ اور ثواب عبد اللہ خاں کے عربیتے اور تین لاکھ کے رقم کی ہنڈیاں آئیں، آپ کے حکم سے قرب و بخار کے نصبیات اور شرفاق کی آبادیوں میں سب قسم کرا دیا، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے:-

لہ نہتہ انکو اطر جلدیم

”غزیوں اور امیروں کے درمیان صوفیاء اسلام کی بھی خانقا ہیں
درمیانی کڑی کا کام دینا ہیں ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا، جہاں
سلاطین بھی خارج داخل کرتے تھے، خود سلطان الشائنگ کیا حال تھا،
گذرچکا کر ولی عبد سلطنت خضر خان نکل اسی دربار کا حلقة بکوش تھا، علاوہ ایں
جو سائے ہندوستان سے خارج وصول کرتا تھا، لیکن ایک خوازش و بھی تھا
جس میں اسے بھی مال گزاری داخل کرنی پڑتی تھی، بھی خانقا ہر یقین جو کے
ذریعہ سے ملک کے عام غرباء و فقراء کی ان کا حصہ پہنچایا جانا تھا، اور
یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا ”مال صوفی سبیل است“

غربت و امارت کا بینگم لئی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غرباء دلوں کی
حیثیت سے حاضر ہوتے تھے، اس سے غریب حاجت من مسلمانوں کی لکھنی حاجت رائی
ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دونوں ہندوستان کا شاید
ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہو گا جہاں۔

تو خدا منِ أغذیاء هم
ان کے دولت مددوں سے یا جائے
و تردّ علی فقراء هم۔ اور ان کے ضرورت مددوں کو

پہنچا دیا جائے۔

کے بنوی فرمان کی تعلیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا، خصوصاً جن
بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء و اربابِ ثروت پر اثر قائم ہو جانا تھا، یا یوں
سمجھئے کہ غرباً کی قسمت جاگ الحضنی تھی۔

له ”مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت“، از مولانا ناصر احمد گیلانی ص ۲۲۱-۲۲۳ جلد دوم

لہ الفاضل

انسانیت کی پناہ کا ہیں

ان صوفیاء کرام کی تعلیم و صحبت سے لوگوں میں انسانوں سے بلا تفریق نہ ہے بلکہ تلت، و بلا خصیص نسل و سب محبت کرنے، ان کی خدمت کرنے اور ان کے درد اور دلکش کو دور کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا، ان کا اس ارشادِ نبوی پر ایمان بھی تھا اور عمل بھی کہ "الخلائق عیال اللہ فائحیهم الی اللہ ادنفعهم بعیالہ" مخلوق خدا کا کتبہ ہے، خدا کا پانے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے "کتبہ" کے سب سے زیادہ کام آئے والا ہے وہ ساری دنیا کے علم خوار نہیں، اور بجا طور پر کہہ سکتے نہیں کہ ساتھی جہاں کا درد ہمارے جگریں ہے

حضرت خواجہ نظام الدین اویاءؒ نے ایک مرتبیہ اپنا حال بیان کیا کہ جو شخص میرے پاس آتا ہے اور اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دو چند فکر و تردید و علم والم مجھے ہوتا ہے؟ ایک مرتبیہ فرمایا "قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور پوچھ چکھنے ہو گی جتنا دلداری اور دل خوش کرنے کی ہے اس کا نتیجہ تھا کہ شکست دلوں کو ان خانقاہوں میں پناہ بھی ملتی تھی اور دل کا میریم بھی، ان شاخے کی آغوش شفت ان سب لوگوں کے لئے کھلی ہوئی تھی جن کو حکومت یا سو ائمیٰ یا خاندان نے اپنے دائرے سے نکال دیا تھا، یا اقبال نے ان سے نہ مورثیا تھا، جن کو اعزز و اقارب، اور بعض اوقات اولاد تک جواب دیدیتی وہ ان بزرگوں کے قدموں میں آگ کر پڑھاتے اور گھر کا سارا رام المحتاتے ہر نہ ہے ملت کا آدمی یہاں اپنے دل کا

لے جائی اور دماغ کی اچھیں دور کرنا اور غذا اور دوا، محبت اور قدر سب کچھ پانہ خواجہ
 نظام الدین اولیا کو جب ان کے شیخ نے دہلی کی طرف رخت کیا تو فرمایا کہ "تم ایک
 سایہ دار درخت ہو گئے جس کے سایہ میں الشرکی مخلوق آرام پائے گی" چنانچہ نایخ شاہ
 ہے کہ ستر بیت تک شہلی اور دُور دُراز کے گوشوں سے آتے والوں نے اس درخت کی
 گھنی چھاؤں میں آرام کیا، ان صوفیاء کرام کی بدولت ہندوستان کے صد ہاتھا اپر
 ایسے "سایہ دار درخت" موجود تھے جن کی چھاؤں میں تھکے ہائے سافرا اور بھولے بھکے
 فائلے آرام پانے تھے اور زیارتی زندگی اوتزاڑگی حاصل کرتے تھے۔

عربی کے اثرات ہندوستانی زبانوں پر

اس ملک کی تہذیب یہ تہذین، معاشرت، زبان و ادب اور تخلیقات پر مسلمانوں نے جو اثر ڈالا اس کا کچھ اندازہ کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ عربی زبان نے جو مسلمانوں کی تہذیب اور مبنی الاقوامی زبان ہے اس ملک کی زبانوں اور ان کے الفاظ پر کیا اثر ڈالا ہے، پیش نظر مضمون میں انھیں اثرات کی نشاندہی مقصود ہے۔

افکار و خجالات و تعبیرات کا یا ہمی تبادلہ

کسی ترقی یافتہ اور تہذین زبان کا دوسرا زبان پر اثر انداز ہونا تہذیب و تہذین کی تاریخ کا کوئی بیواقعہ نہیں ہے، انسانی تہذیب میں تہذین کے ہر درجہ میں افکار و خجالات، طرزِ ادا اور انداز ہائے نگارش کا یا ہمی تبادلہ کرتا ہے ہمیں زندگی اور ترقی کا فطری اصول بھی ہی ہے، لیکن جب کوئی زبان ترقی کے اس فطری اصول سے روگردانی کرتے ہوئے دوسرا زبان سے افادہ و استفادہ کا سلسلہ بند کر دیتی ہے، لہ یہ ایک ریڈیو تقریب ہے جو آں انبیا ریڈیو دہلی کے شعبہ عربی کی طرف سے فرشتہ ہوئی تھی۔

اور اپنے قدیم درٹ سے چھپے رہئے کو اپنا شمار بنا لیتی ہے تو گویا وہ اپنے کوتراقی کی راہ سے ہٹا کر نہ تن سے اپنا رشتہ تو طلبیتی ہے، ایسی زبان کا روانہ زندگی سے کوئوں بچھڑ جاتی ہے، اس کی جیشیت ایک جاما اور محدود زبان کی سی رہ جاتی ہے۔ جس میں ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کے روز بروز بڑھتے اور بدلتے ہوئے انکار اور ترقی کی راہ پر گامزن انسانوں کا ساتھ دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔

پر دلیسی الفاظ دلیسی لیاس میں

میرا خیال تھا کہ اردو زبان کا جو عربی، سنکرت، فارسی اور ترکی کا مجموعہ ہے خاصہ حصہ عربی زبان پر نہیں ہے اس سلسلہ میں میرے سامنے صرف الفاظ آئنے نہیں جو اردو میں داخل ہوتے کے بعد بھی اصل عربی شکل پر قائم ہیں، نیز یہ کہ یہ سلسلہ صرف اردو زبان نکل ہی میں دو ہو گا، یونکل عربی زبان سے اس کا قریبی رشتہ ہے، لیکن لائق شکر ہیں آں انڈیا ریڈیو کے ذمہ ارجمن کی خاطر مجھے اس موضوع سے چھپی پیدا ہوئی، مجھے اعتراض ہے کہ تلاش و تحقیق کے اس دچکپے سفر میں یہی معلومات حاصل ہوئیں بعض ایسی شخصیتوں سے سابق پڑا جو بھیں "بدل کر دلیسی لیاس" زیب تن کئے ہوئے تھیں، جب میں نے ان کے باسے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ خالص عرب ہیں، اس سفر کی دلچسپ، مفید اور پُراز معلومات ڈائری سامعین کرام کی خدمت میں حاضر ہے۔

لے

سفر شروع کرنے سے قبل سامان اسٹر اور اخراجات کی فراہمی ضروری تھی، کیونکہ

پورے ہندوستان کا سفر دریش تھا، چنانچہ سب سے پہلے بیراذ ہن لفظ "دام" کی طرف گیا، یہ لفظ ہندی، اردو دلوں زبانوں میں خرچ اور دولت کے معنی میں مستعمل ہے، عربی لفظ دریم سے مخوذ ہے اعریبی میں مطلقاً دولت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، عام طور پر دریم و دینار بولا جاتا ہے، اسی کے ساتھ لفظ "کیرانت" بھی ذہن میں آیا، اور دھ کے پرانے کاغذات میں آنوں اور پائیوں کے بعد کی ریز گاری اور خورده وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے، یہ اصل میں عربی لفظ "قیراط" رہ چکی ہے، اسی سلسلے میں "الشرنی" بھی یاد آئی، تاریخ میں جب میں نے اس کی اصل ملاش کی تو معلوم ہوا کہ مشہور عرب جہاز ران ابن ماجد اسد البحر نے اپنی کتاب "القواعد فی اصول البحر و القواعد" میں لکھا ہے کہ "والحادی عشر رسی ضارب سکت الاشرفی" یہ سونے کا بنا ہوا یک سکت ہے جو گز شتر زمانہ میں مستعمل تھا اور اب تک اس کا استعمال جاری ہے۔

کھانوں کے اقسام

اس سفر میں ایک ہندوستانی دوست کے یہاں ٹھہر نے کا اتفاق ہوا، میزبان نے بڑی تواضع سے کام بیا، انواع و اقسام کے کھاتے تیار کرائے جب میں نے اس وسیع دستز خوان کا جائزہ بیا تو اچانک بیری نظر "فیرنی" پر بڑی جو پس ہوئے چاول اور دودھ سے بنائی جاتی ہے، اسے پہلے "المهلبیہ" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور اس کی نسبت مشہور عرب اسی پیسے سالار ہمبل بن ابی صفرہ کی طرف کی جاتی ہے، علاوہ ازیں محمد الحفار زمی نے بھی لکھا ہے کہ "الفراہی" مریضوں کے لئے پرہیزی کھانے

کے طور پر غیری روٹی دو دھ اور شکر ملا کر بنائی جاتی تھی۔

انہی کھاتوں میں "قليه" بھی تھا جو اس سالن کو کھا جاتا ہے جس میں گوشت شورہ اور سبزی شامل ہو، اصل میں یہ عربی لفظ "قلیه" لام کی تشیدی کے ساتھ ہے جو قلی کھلی قلیاً سے مشتق ہے جس کے معنی گوشت پکانا، قلیہ کے قریب ہی کتاب تھے، یہ اصل میں عربی لفظ "الكب" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اللثا پلٹنا اس لئے یہ لفظ ایسے کھانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو آگ پر الٹ پلٹ کر نلا جائے، عربی لغات میں "کبب" کے معنی "عمل الکباب" یعنی کباب بتایا کھھے ہوئے ہیں، اس مسلمیں مجھے ایک لفظ "شورہ" بیاد آیا، یہ اصل میں "نشرہ" تھا، جس سے مراد وہ پینے والی چیز ہے، جو ایک دفعہ میں پی لی جائے۔

سامان تواضع و آرائش

جب میں نے اپنے میزیان کو ہندوستانی رولج کے مطابق "حفة" مانگتے اور ملازم کو "سلف" تیار کرنے کی ہدایت کرنے شروع اور بھی منجع ہوا، یہ بھی خالص عربی لفظ ہے، عرب اس لفظ سے کھانے سے قبل کانا شستہ مراد لیتے ہیں، کھانے کے بعد جب میں نے گھر کے فرنچر اور دسرے زیبائش کے سامان پر نظر دوڑا تو یہ علوم کر کے میری حیرت کی انتہا نہ ہی کہ اکثر چیزوں کے نام خالص عربی ہیں، لیکن ان ناموں کے استعمال کرنے والے افراد اس حقیقت سے ناواقف ہیں، اس مسلمیں سب سے پہلے میری نظر اس "فالین" پر پڑی جس پرم لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اس کی اصل عربی لفظ "الفانی" ہے جو اس فرش یا چاندنی کو کہتے ہیں جو قالیقلہ کی طرف نسب ہے، فالیقلہ

ارمنیہ میں خلاط کے مضافات کا ایک شہر تھا، مشہور عربی مصنف ابوالعلی الفارابی اس شہر کی طرف نسوب ہے، مجم البلدان میں یا قوت الرومی لکھتے ہیں کہ قابی نامی فرش قایفلایمیں بنائے جاتے تھے، ثقل کی وجہ سے اس کی نسبت کرنے وقت صرف قابی پر اکتفا کی گئی۔

تعیر کے کارپرداز

گھر کے ساز و سامان کے بعد یہ راز ہے اس عمارت کے معمار کی طرف منتقل ہوا یونکر مکان اپنی خوبصورتی اور خوش سلیقہ کے لئے اس کا مر ہون منصب ہے، چنانچہ مجھے اس موقع پر ہندی لفظ "راج" لے سخت تعجب میں ڈال دیا، یہ دراصل صرف ایک حرف کی تبدیلی کے ساتھ اصل عربی لفظ "الراز" سے بنائے عربی نفات میں "الراز" کے معنی "ہمید مستری" لکھتے ہیں، اصل میں یہ لفظ "الراز" تھا۔

اسی طرح ایرکاریگر کے لئے ہندوستان میں "متری" کا لفظ بولا جاتا ہے جو اصل میں عربی لفظ "مطری" کی بگڑی ہوئی تھکل ہے، عربی میں "مطری" اس کا یگر کو کہتے ہیں یہ دیواروں کو برابر کرنے کے لئے مطری پتے ساتھ رکھتا ہو۔

تعیر کے آلات اور اوزار

اسی طرح بڑھئی اور کاریگروں کے کاموں میں لفظ "خراود" بھی خاصاً تھا ہے، یہ درحقیقت عربی لفظ خرط بای خلاط سے بنایا گیا ہے جس کے معنی لکڑی یا لوہے کو برابر اور ہموار کرنے کے ہیں۔

عمرت سازی کے دوسرا اوزار واصل طراحات کا جائزہ لیتے وقت لفظ
 "ساہول" بھی سامنے آیا، یہ ایک چھوٹے لوہے کو کہتے ہیں، جس کو دھانگے کے کنارے
 باندھ کر دیوار کی سیدھی دیکھنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، خوارزمی نے "تفاقیع العلوم"
 میں شاقول" نام کے ایک آرڈ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ ایک بھاری چیز ہوتی ہے
 جو رتی کے کنارے باندھی جاتی ہے، پڑھیوں اور معماروں کے کام آتی ہے، اسی طرح
 لفظ "کونی" بھی "اکونیا" سے نکلا ہے، خوارزمی نے اس کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس کے
 ذریعہ زاویہ قائم نہ کالا جانا ہے۔

نونے کے چند اور لفظ

ہمارے میزبان کامکان سفید تھا، علوم ہوتا تھا، حال ہی میں اس پر سفید کی
 کراچی گئی ہے، مجھے اس وقت اچانک "قلعی" کا جیوال آیا، ہندوستان یہ لفظ سفید کی
 کمی میں مشتمل ہے اس سلسلہ میں "سان العرب" کے مؤلف کا بیان ملاحظہ ہو کہ "قلعی"
 بہترین سیسے کو کہتے ہیں، اگری سفید کی کجھی تلمی کہا جانا ہے "القلع" اس دھات
 کا نام ہے جس سے عمدہ سیسے تیار ہوتا ہے۔

میزبان کے دروازہ پر ایک شخص کھڑا تھا جو غالباً دریانی کے فرائضِ انجام
 دے رہا تھا اس سے دیکھ کر میراڑہ نہ لفظ "احدی" کی طرف گیا، احدی ایسے کامل
 شخص کو کہتے ہیں جو گھر ہی پر پڑا رہتا ہے اور بلا محنت و مستقفل دوسروں پر بار
 بن جاتا ہے، داصل عربی میں "احدی" کے معنی اکیلا کے ہیں، بادشاہوں اور امراء
 کے دروازوں پر ایک شخص پہرہ داری کے لئے مقرر کیا جاتا تھا، جس کا اور کوٹا کام

نہ تھا، محسن مالک کے مکمل دوں پر اس کی پروپریتی تھی اسی لئے اسے احمدی کہا جائے لگا۔
یعنی ایسا شخص جو کام ہوں اور اپا بچوں کی طرح بیکاری میں اپنا وقت گذاں۔

میرے دوست نے مجھے سیر و تفریغ کی دعوت دی تو میرے ذہن کی پرواں
لفظ "تماشا" تک چاہیہ ہندوستانی زبانوں میں اس لفظ کے معنی تفریغ طبع کے
ہوتے ہیں، یہ کا یک بہ نیچے چلا کر یہ اصل میں عربی لفظ "تماشی" جس سے مراد دوستوں
کے ساتھ سیر و تفریغ کرنے ہے، اس پر فارسی قاعدے کے مطابق زبردے کرنا شاید ایسا
گیا ہے جیسے تمہی سے تمباں بن گیا۔

اس مختصر گفتگو میں ہندوستانی زبانوں میں بولے جانے والے ان تمام عربی الفاظ
کا اندر کرنا ممکن ہے جو اس مختصر ریاحت میں سامنے آئے، اثربھائی حضرۃ الاتاذ
مولانا سید سلیمان ندویؒ کو جز اعیج خیر دے جھنوں نے اس موضوع پر تلاش و تحقیق
کے بعد بڑی دلچسپ شایدی پیش کی ہے۔

اب بھی بحث و تحقیق کے دلدادگان کے سامنے جتو کا وسیع میدان ہے، لیکن
شرط یہ ہے کہ اس کام کا بیڑہ اٹھانے والے عربی اور ہندوستانی دو لوں زبانوں میں
ہمارت ناتھ رکھتے ہوں، جدید و قدیم مأخذوں سے بخوبی واقت ہوں اور عربی زبان
و ادب کے ذیبوں اور مجموعوں کا گھری نظر سے مطالعہ کریں، جلد بازی اور سطحی نتائج
اخذ کرنے کے بجائے اس طرح کے الفاظ کے دُور دُراز سفر میں یاد بیر عرب سے دنیا کے
اسلام کے صدر مقاموں، صحرائے سندھ اور وادی گنگ و جمن سے گزرنے ہوئے بھر عرب
کے ساحل تک ہر منزل اور ہر دور میں ان کے ہمراکاب رہیں۔

لئے ملاحظہ ہو "نقوش سلیمانی" مضامین "بعض پرانے لفظوں کی تحقیق، تہذیب"

بلاشہ اگر کوئی جماعت رخت سفر باندھے تو اسے اندازہ ہو گا کس طرح عربی زبان ہندوستانی زبانوں پر اثر انداز ہوئی اور ہندوستانی ادب میں اس نے کس طرح اپنی راہ منائی، اس نے ہندوستانی کچھ اور تہذیب کا منفایکر کیا اور پھر اس طرح اس میں سرائت کر گئی کہ الفاظ کی شناخت بھی محققین کے علاوہ کسی کے بیس کا کام نہیں ہے۔



ہندوستانی اسلامی تہذیب

تہذیب کی تشکیل کے دو عوامل

ہر ملک کے مسلمانوں کی تہذیب دو قسم کے عوامل (FACTORS) کے عمل کا نتیجہ اور ان کے اثرات و نقوش کا مجموعہ ہے، ان میں سے ایک عامل ہے دینی عقائد، اسلامی اصول زندگی و اخلاقیات، دوسرا عامل ہے ملک کی تھقای تہذیبوں کے اثرات اور آبادی کے دوسرے عناصر سے اخلاط و امتراج۔

پہلا عصر (دينی عقائد، اسلامی اصول زندگی و اخلاقیات) دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمانوں کی تہذیبوں کا منتشر ک حصہ ہے مسلمان دنیا کے کسی ملک کی گوشہ میں بیٹھتے ہوں اور ان کی زبان اور ان کا لباس خواہ کچھ ہو یہ قدر مُشتہک ان میں ہژور پایا جاتا ہے اور اس کی بنابر وہ ایک خاندان کے افراد اور ہر جگہ ایک ہی تہذیب کے حامل نظر آتے ہیں، دوسرا عصر ان کی تہذیب کا وہ پہلو ہے جو ان کو دوسرے ملک کے دینی بھائیوں سے ممتاز کرتا ہے اور وہ پہچان لئے جاتے ہیں کہ وہ کس ملک کے باشندے ہیں۔

ہندوستانی مسلمان بھی اس عام اصول و کتبیہ میں شناختی ہےں ان کی تہذیب (جس نے صدیوں کی طویل مدت میں پروش پائی ہے) اسلامی ہندوستانی اثرات کا مخصوص ہے، اور یہ اس کے لئے حسن و زیبائش کی بات ہے اور اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ اس ملک میں اجنبی معاشر کی طرح نہیں رہے گی، بلکہ ایک منطق و پرکشون شہری کی طرح رہے گی جس نے اپنے گھر کو پانچ حالات و ضروریات، قدم روایات اور جدید ماحول کے مطابق منظم کر دیا ہے، اور اپنے ماحول میں ایک پائدار و خوش گوار اضافہ کیا ہے، ہمیں قوم یا عصراً کو اس کے بعد الطبعیاتی اثرات اور ان اخلاقی اصول سے جو اس کے اور دنیا کے دوسرے حصوں کے انسانوں کے درمیان مشترک ہیں، محروم اور یاغی کرنے کی کوشش اس کی روحانیت کے سوتے کو خٹک کرنے اور اس کو آفاقت اور جماعتیت (UNIVERSALITY) سے محروم کرنے کی مجازانہ کوشش ہے، اسی طرح اس کو اپنے ماحول سے کٹ کر اور مقامی اثرات سے مجدد ہو کر زندگی گزارنے کی دعوت بھی ایک ناکام اور بیرونی فطری کوشش ہے جو قابل عمل نہیں۔

ابراهیمی تہذیب کی تین خصوصیتیں

پہلی مشترک عصر (عقائد و اصول زندگی و اخلاقیات) کے لحاظ سے ہندوستانی مسلمان بھی دنیا کے دوسرے حصہ کے انسانوں کی طرح ایک مخصوص تہذیب رکھتے ہیں جس کے لئے "ابراهیمی تہذیب" سے زیادہ موزوں اور جامع کوئی لفظ نہیں، اس تہذیب کی تین بنیادی خصوصیتیں ہیں جنہوں نے اس کے پولے نظام فکر اور نظام معاشرت کو ایک مخصوص رنگ اور چھاپ عطا کی ہے، یہ چھاپ اس کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر جزئی پر

لگی ہوئی ہے اور اس سے اس کا کوئی شعوری فعل آزاد نہیں تین بندی خصوصیتیں ہیں، اللہ کی سنت کا لفظ اور استحضار عقیدہ توحید (جیسا کہ ابراہیمی سلسلہ کے انبیاء نے تعلیم کیا اور اس کی مکمل تشریح قرآن میں پائی جاتی ہے) شرافت اور مساوات انسانی کا اضطراری و دائمی نصوت روح کو سی مسلمان کے ذہن سے جدا نہیں ہوتا، یہ امتیاز خصوصیت ہیں جو ہم لوگوں نے ابراہیمی تہذیب کو دنیا کی دوسری تہذیبوں کے مقابلے میں ایک نئی صورت بختنی پیدا کی، خصوصیتیں اتنے روشن اور نامایاں طریقہ پر پہنچے علم میکا تہذیب ہی نہیں پائی جاتی۔

مسلمانوں کی زندگی میں اللہ کی یاد

اللہ کی سنت کا لفظ اور استحضار (اس کو دائمی طور پر نظر رکھنا اور اس کا انہصار) ایک ایسا عمومی امتیاز ہے جو مسلمانوں کی پوری تہذیب اور پوری زندگی کا فرض اور جزو لایتفک ہے، مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کو مختلف قطع اور تراش کے باس فرض کرنا چاہیے، جن میں مختلف ذوق، مقامی حالات موسیٰ تغیرات اور خارجی اثرات اثر انداز ہیں، مگر ان سب بساوں کو گویا ایک زندگی میں جو نظر ہے ویاگیا ہے اور اب ان کا کوئی تاریخ پودا ایسا نہیں جو اس زندگی سے زیگین نہ ہو گیا ہو، اللہ کا نام اور اس کا ذکر ان کی تہذیب اور معاشرت کے رگ پیچے میں خون کی طرح جاری و مساری ہے، مسلمان بچپن جب پیدا ہوتا ہے تو سب پہلے اس کے کان میں اذان دی جاتی ہے اور اس طرح سب پہلے اور خود اس کے نام سے پہلے اس کو جس نام سے آشنا اور بانوں کیا جاتا ہے وہ اللہ کا نام ہے وہ ساتھ دن کا ہوتا ہے تو منون طریقہ پر اس کا عقیدہ کیا جاتا ہے،

اس کا کوئی اسلامی نام بخوبی کیا جاتا ہے؟ ان ناموں کو ترجیح دی گئی ہے جن میں پیغمبر ﷺ اور خدا کی وحدتیت کا اعلان ہو، یادِ دنیا کے سب سے بڑے موحدگروہ (ابنیاء اور ان کے تبعین) کے نام پر کھاگیا ہو، قلم کی منزل آتی ہے اور کتب کی رسم ادا کی جاتی ہے تو اللہ کے نام اور قرآن کی آیات سے اس کا افتتاح ہوتا ہے، یہ رسم آج بھی ہندوستانی مسلمانوں میں "تسبیہ خوانی" یا "بسم اللہ رکنے" کے نام سے یاد کی جاتی ہے، تکاہ کی منزل آتی ہے تو دو ذمہ دار انسانی ہستیوں کو دامنی طور پر ایک دوسرے سے واپس کرنے کے لئے پھر خدا کا نام پیغام بیلایا جاتا ہے اور اس کے نام کی لاج رکھنے کا عہد کرایا جاتا ہے "وَاتَّقُوا هَذِهِ النِّيَّةَ سَاءَ لَعْنَهُمْ وَالآرْدَ حَمَّ" (ڈر والٹر سے جس کے واسطے سے آپس میں سوال کرنے ہو اور بخاطر رکھوڑتوں کا) مسنون طریقہ پنکاہ کا جو خطبہ پڑھا جاتا ہے اس میں خدا کے اس احسان کا ذکر ہوتا ہے کہ اس نے نسل آدم میں مرد و عورت کے جوڑے پیدا کیئے، اللہ کی فرماداری کے ساتھ چلینے اور مرنے کی تلقین کی جاتی ہے، عید کا بارک اور پرمسرت موقع آتی ہے تو ہبادھو کر صفا کپڑے پہن کر اللہ کے نام کی بڑائی کا تراز میلند کرنے (تکبیرات تشریف)، ادا کرنے اور دو رکعت فشکر ان کی نماز پڑھنے کا پڑھا جاتی ہے، عید الاضحی میں اللہ کے نام پر قربانی کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

جب زندگی کی آخری اور زندگی زیرِ منزل آتی ہے تو اس کے پاک نام کی تلقین کی جاتی ہے، ہر مسلمان مرد و عورت کی سب سے بڑی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ آخری لفظ اور آخری بول جو اس کی زبان پر آئے وہ بھی یا کہ نام ہو اور اسی نام کی راست کے ساتھ وہ اس دنیا سے رخصت ہو، اس کے انتقال کی خبر سنتے ہی

پڑھ لکھہ ہر مسلمان کی زبان سے بے ساختہ جو لفظ تکلیت ہیں وہ قرآن کے وہ سورہ الفاظ ہیں جو اردو کے روزمرہ میں بھی شامل ہو گئے ہیں یعنی "إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَأْجُুونَ" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کے پاس جانا ہے) جب آخری حدود اور وداع (نماز خازہ) کا وقت آتا ہے تو اس میں اول سے آخر تک اللہ ہی کا نام ہوتا ہے، اس کی مغفرت کی دعا اور اپنے لئے اللہ کی فرمائیداری پر حمد اور ایمان کے ساتھ دنیا سے جانتے کی دھاکی جاتی ہے اس کو قبرینا اور اپنی آخری خواب گاہ پر پہنچایا جاتا ہے تو یہ کہ کہ اللہ کے نام کے ساتھ اور اس کے پیغمبر کی ملت و مذهب پر توحید میں رکھنے میں اس کا ارشاد عبادت اور توحید کے اس میں الاقوامی مرکز کی طرف کیا جاتا ہے جس کو بیت اللہ (کعبہ) کہتے ہیں اور خواہ مسلمان کہیں دفن ہو اس کا ارشاد اسی طرف ہو گا، اس کے دفن ہو جانتے کے بعد جب کوئی مسلمان اس کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے تو اس کے لئے دعائی مغفرت کرتا ہے اور فاتحہ پڑھتا ہے، عز من اس طرح اللہ کا نام اور اس کا دھیان زندگی کے پورے سفر میں ہر دم اور ہر قدم پر فیض رہتا ہے۔

یہ زندگی کی انتیازی منزلتیں ہیں، روزمرہ کی زندگی میں بھی اللہ کے ذکر کا کہوت ساتھ ہے، مسلمان اللہ کا نام لے کر کھانا شروع کرتا ہے، اللہ کے نام اور شکر پر کھانا ختم کرتا ہے، جن لوگوں کو مستشوں کا اہتمام ہے، ان کا کھانا پینا، کپڑے پردازیت اخلاق جانا آناسب اللہ کے نام اور اس کے دھیان کے ساتھ ہوتا ہے، چھینک آئے تو اس پر بھی اللہ کا نام لیتے کی ہدایت اور جو شستہ اس کو بھی دعا دینے کی تعلیم ہے پھر اس پر کچی اوقاتا اللہ کے ذکر سے خالی نہیں، انشاء اللہ، انشاء اللہ، لاحول ولا قوة الا بالله اللہ

نہ صرف اذکار اثر کے بلکہ زبان کا بیرون اور ان مکونوں کے روزمرہ کے مجاورات بن چکے ہیں جہاں مسلمان عرصہ دراز سے رہ لیں یہیں، اور ان کی تہذیب اثراً نہ اڑھی ہوئی ہے، اور یہ سب الشر کے ذکر اور اس کی طرف متوجہ کرنے کے بھائی ہیں، کہی تہذیب کی معاشرت اس کی زبان اور اس کا ادب اور اس کی روزمرہ کی زندگی اس طرح الشر کی ہستی کے لیقین اور اس کے استحضار کے رنگ میں ڈوبی ہوئی نظر ہیں آئے گی، ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیب کا پہلا بین الاقوامی اور شرک پہلو یہی لیقین و استحضار ہے جو ان کی زندگی کا شعار اور علمت بن گیا ہے۔

دوسرے بین الاقوامی شعارات عقیدہ توحید

ان کی تہذیب کا دوسرا بین الاقوامی شعار اور علمت عقیدہ توحید ہے جو عقائد سے لے کر اعمال تک اور عبادات سے لے کر تقریبات تک ہر جگہ نمایاں نظر آئے گا، ان کی مسجدوں کے بیانارے پاچھے مرتباً اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں کہ الشر کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کا مستحب نہیں، ان کے مکانات اور زیارت خالوں کو یہی اسلامی اصول کے مطابق بُن پرستی اور شرک کے شعائر سے محفوظ ہونا چاہئے، تصاویر و اشیائی، مورتیاں ان کے لئے ناجائز ہیں، یہاں تک کہ بچوں کے کھلونوں میں بھی اس کا بھاٹا ضروری ہے، دینی تقریبات ہوں یا ملکی جشنی ستر، سیاسی رہنماؤں کا یوم ولادت ہو یا مذہبی پیشواؤں کا جنم دن یا پرمکشمیتی کی تقریب، تصاویر و احیتیوں کے سامنے بھکنا ان کے سامنے با تھوڑی کھڑا ہونا، یا ان کو بھاڑکوں پہنانا مسلمان کے لئے ممنوع اور اس کی مُوحّدانہ تہذیب کے خلاف ہے اور جہاں کہ مسلمان اپنی اسلامی تہذیب پر قائم اور

اس رکار مبنی ہوں گے وہ اس فعل سے محترم اور علیحدہ ہوں گئے تاموں یہ تقریبات میں، قسم میں بزرگوں کی تنقیم و احترام اور اطہار نیاز مندی میں حجازی توحید کے حدود سے تجاوز اور کسی قوم کی تقلید اسلام سے انحراف کے مراد فہرست ہے۔

تیسرا شعارات و مساوات انسانی کا عقیدہ

ہندوستانی اسلامی تہذیب کا تیسرا بین الاقوامی شعار انسان کی تضادیت ہے تو
کا وہ تصور اور انسانی مساوات کا وہ عقیدہ ہے جو مسلمان کی گھٹی میں پڑا ہے اور جو اس کا
اسلامی مزاج بن گیا ہے اس عقیدہ کا قادر تی تجویز یہ ہے کہ مسلمان چھوٹ چھات کی
عادت اور روایت سے نا آشنا اور بیگانہ ہے وہ نے تکلف دوسرا مسلمان بلکہ دوسرا
انسان کے ساتھ کھلانے کے لئے زیارت ہو جائے گا، اور دوسرے کو اپنا شرکی طعام بننے کے لئے
اصرار کرے گا مختلف و متعدد آدمی بلا تکلف ایک بڑن میں کھائیں گے ایک دوسرے کا
پس خوردہ کھائیں گے اور ایک دوسرے کا بچا ہوا پانی پی لیں گے، " محمود و ایاز" ایک
صفت میں شاذ بشار کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے کوئی کم حیثیت لیکن صاحب علم اماں بن سکتا
ہے اور بڑے بڑے عالی فسیلہ شرقا اور عالی مرتبہ حکما اس کے پیچے نماز پڑھنے کے لئے موجود ہیں۔

جزئی و فروعی امتیازات

ان اصولی و بنیادی امتیازات کے ساتھ اس ابراہیمی تہذیب کے کچھ جزوی اور فروعی
امتیازات بھی ہیں جو دنیا کے تمام مسلمانوں میں باطل اشتراک ہیں، مثلًا اچھے کاموں کا داؤ میں
ہاتھ سے انجام دینا، داؤ میں ہاتھ سے کھانا، داؤ میں ہاتھ سے پانی پینا، کسی کو کچھ لینا دیتا،

یاس کے کچھ حدود قبود شلایاں کا ساتھ نہ ناگھتوں کا دھکا اور جنون کا کھلا ہوتا۔ مردوں کے لئے رسم کا منسوب ہونا، ہمارت کا اہتمام وغیرہ عام طور پر جہاں کہیں اسلامی تہذیب اپنی اصلی شکل میں موجود ہے ان حدود اور صوابط کی پابندی نقائص کی ان کی خلاف ورزی اسلامی تہذیب کی مکروہی اور خارجی اترات کا نتیجہ ہے۔

فونِ لطیفہ کے یادے میں مسلمان کا روئیہ

اس تہذیب کی ایک خصوصیت اس کی سمجھیگی حقیقت پابندی اور فونِ لطیفہ کے بارے میں محتاط روئیہ اور حتمی نقطہ نظر ہے، وہ تقاضت و تناظرت حسن و زیبائی کی قدر و احتمال ہے، لیکن جن تفریحی فون کو پورپے فونِ لطیفہ یا (FINE ARTS) کا لقب دیا ہے ان کی بعض شاخوں کو وہ اجاہز قرار دیتی ہے مثلاً رقصاصی مصوری (جادا رچیزوں کی) اور بُت نزاٹی، اور بعض میں اعتدال و احتیاط کی تعلیم دیتی ہے، مثلاً زندگی و غیرہ کے خاص قبود کے ساتھ اعتدال سے اس سے خط اٹھانا یا کام لینا جائز ہے، ان فونِ لطیفہ میں انہاں بہر حال اس کی روح اور اس کے مقاصد کے خلاف اور خوب خدا، فکر آخوت اور اس کے اخلاقی معیار کے لئے مضر ہے جو ایک مسلمان سے متوجہ ہے، اگر اسلامی شریعت اور تہذیب کی یہ نگرانی اور احتساب نہ ہوتا تو ہندوستان کے مسلمان ایک ایسے ملک میں جو عہد قدیم سے فونِ لطیفہ کا دل را دہے اور یہ فون اس کی عبادت کا ایک جزو ہیں، اس نقطہ اعتدال پر قائم نہ رہنے جو کسی نہ کسی جنتک ان کا انتیاز ہے۔

اسلامی اخلاقیات

اسلامی اخلاقیات میں سے جھوٹوں نے خصوصیت سے مسلمانوں کی تہذیب تناول کیا ہے

اور اس کو ایک بین الاقوامی یکسانی اور وحدت عطا کی ہے، ہمہ ان نوازی افراد میں
اور گشادہ دستی ہے، یہی دراصل اس تہذیب کے بانی سیدنا ابوالایم کی وہ مزاجی
خصوصیت اور طبعی ذوق ہے جس کا قرآن مجید نے ان کے تذکرہ میں خصوصیت
سے ذکر کیا ہے "هُنَّ أَئُلُّهَ مَدِيْنَةٌ ضَيْفَ رَبِّ اهِيْمَ الْمُكَبِّيْنَ" (کیا تمہیں ابوالایم
کے ان ہماؤں کا حال معلوم ہے جن کی بڑی خاطرگی گئی تھی) ان نام قوموں میں
جولیٰ اور اغتشادی یحییت سے ان کی وارت اور جانشین ہیں اور ان کی تہذیب سے
متاثر ہیں، میری بانی اور ہمہ نوازی کا ایک ایسا عمومی اور طاقت و ریحان پا یا
جانا ہے جس نے لپٹے اپنے وقت میں ہر روز رخ اور تیاح کو متوجہ کیا ہے اور جس کو ان کے
تذکرہ اور مطالعہ میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مشرق و سطحی کے ان حمالک میں
جنہوں نے مغربی تہذیب کے اندر پائی شخصیت ایکی نک گم نہیں کی ہے آج یہی قدم
ہمہ نوازی کی وہ جھلک پائی جاتی ہے جس نے کمی ابن بطوطہ اور ابن حجر گور فرمی
وطن کا لطف اور انس عطا کیا تھا، ہندوستانی مسلمان اسلامی تہذیب کے مرکز اور
اسلامی دعوت کے عہد سے دور ہونے کے باوجود ابھی اپنی ہمہ نوازی اور ذوق
میری بانی میں ممتاز نظر آتی ہے، ہماؤں کا مسلمان گھروں اور خاندان کی روائت
ہے جو کم و بیش جاری ہے، معاشری انقلاب نے اس میں اگرچہ بڑا فرق پیدا کر دیا ہے،
پھر بھی ہر مسلمان ہماؤں کی آمد پر پرست محسوس کرتا ہے، اور ان کی میری بانی اور
ضیافت کو سعادت اور اسلامی رسم نصویر کرتا ہے۔

مسلمانوں کی تہذیب میں ہندوستانی اثرات

ہندوستان کے طویل قیام اور وطنیت اور بیان کی تہذیب و معاشرت سے

اور مختلف قوموں اخلاق استھانوں کے جو نقوش مسلمانوں کی زندگی اور تہذیب میں
نمایاں ہیں، ان میں سے ایک وہ ترقی یافتہ و شائستہ مشترک (اردو) زبان ہے جس میں
عربی، فارسی، ترکی اور سنسکرت کی بہت سی خوبیاں ہیں، اور جو اپنی نازک خیالی،
شیرینی اور بانکپن میں ممتاز ہے، دوسرا سے نظر فا اور اہل فہر کا وہ بلاس ہے جو ہندوستان
کی پیداوار ہے، اور خوش ذوقی و خوش اسلوبی کا ایک اچھا نمونہ ہے، نیز وہ معاشرت
اور تہذیب جو دہلی، لکھنؤ، جید ر آباد اور مرکزی شہروں میں خلوں کے آخری دوڑ میں
پیدا ہوئی جس میں ذہانت، نفاست، لطافت اور شاشنگی پہلو پہلو نظر آتی ہے،
والدین کا حدر سے بڑھا ہوا احترام، ان کے سامنے جیسا اور تہذیب کے خاص اصول،
عورتوں کا بڑھا ہوا پرداہ اور ان کی زندگی کے خاص ضوابط، یہ سب وہ خصوصیات ہیں
جن میں سے اکثر سے دوسرے مالک کے مسلمان کم آشنا ہیں، ان میں ہندوستان کے خصوصی
حالات، حاکم طبقہ کے مصالح اور قیام انتظامات جمیعی طور پر دخیل ہیں۔

ہمیشہ اپنے یہم جدید اور ہم سطح خاندانوں سے رشتہ کرنا اور اپنے
محضوں خاندانی دائرہ اور میعاد سے باہر نہ جانا ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیب
کی خصوصیت ہے جس میں ہندوستان کی نسبی روایات اور خاندانوں اور برادریوں
کی دلائی اور اٹلی تقسیم کو بہت دخل ہے، بیرونی ہندو کے مسلمان جواز دو اجی تعلقات
میں صرف نظرافت اور حیثیت کا لحاظ کرتے ہیں اور ایک ہی گوت اور خاندان ہیں
شادی کرنے کے پابند نہیں اس کو تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہندوستان کی
خصوصیت سمجھتے ہیں، شادی عمی اور تقریبات کا اتنا اہتمام اور ان میں اپنی حیثیت
سے زیادہ خرچ کرنا، اور ان کا میڑک و اعتمام بھی ہندوستانی تہذیب معاشرت

کی خصوصیت ہے جس سے مسلمان اس لکھ میں منتشر ہوئے ورنہ اسلامی طریقہ ان سب امور کو سادہ طریقہ پر انجام دیتے کا ہے۔

اسی طرح آقا اور خادم میں ایسا انتیاز کویا وہ دلو قوموں کے افراد ہیں اور ان کے ساتھ لیض اوقات "اچھو توں" سے ملتا جلتا سلوک، ہندوستان میں اسلامی تہذیب کے عہد الخطاٹ کی بادگار نظام جاگیرداری اور حاکمانہ تصورات اور دوسروی تہذیبیوں کے اثرات کا تباہ ہے اور ہندوستان کی خصوصیت اسی طرح پیشوں کی بنیاد پر برادریوں کی مستقل نیم ہندوستان کی خصوصیت ہے۔

ہندوستان کی حاک نے اور بیہان کے تدریجی اور تہذیبی ورثتے ہندوستانی مسلمان کو بہت سے بیش قیمت تخلیع بخشنے جوان کی ہندوستانی اسلامی تہذیب کا جزو اور قابل فخر لکھیت ہیں، ہندوستانی مسلمانوں کا مغربی تہذیب کے اثرات اور اس کے جارحانہ حلولوں کا الیسی کامیابی اور طاقت کے ساتھ مقابلہ کرنا اور اپنی انفرادیت اور شخصیت کو ایسے انتیاز کے ساتھ قائم رکھنا جس کی تغیری دوسرے اسلامی ملکوں نہیں ہوتی، ان کا فکری عمن اور گہرا ایسا ان کا تصور یہ ہے ہندوستان کے ان مختلف تہذیبی، فکری اور اجتماعی عوامل کا تباہ ہے جو اس لکھ میں کچھی صدیوں سے کام کرتے رہے ہیں اور انہوں نے ایک نئی اسلامی ہندوی ثقافت اور تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے اور ایک ایسے مزاج کی تشکیل کی ہے جس میں اسلام کی میں الاقوامی تہذیب اور ہندوستان کی مقامی تہذیب اور فلسفہ کی بیک وقت نہ ہے۔

اسی کے ساتھ اسلامی تصورات اور اخلاقیات نے وہ تغیر بھی قبول کیا ہے جو

اگرچہ دوسری ہمہان تہذیبیوں اور قاعی اقوام کے مقابلے میں جن کا ہندوستان کی

قدیم تہذیب سے واسطہ پڑا بہت کم ہے، پھر بھی ایسا ہے کہ دور اخیر کے ایک حساس و درد مند مسلمان شاعر خواجہ الطاف حسین حائلی نے ہندوستان سے اس کا نکوہ کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی تہذیب کا دوسرا تہذیب پر صرف اثر انداز ہونا اور اثر پذیری ہونا تابعِ عالم کا ایک نادر واقع ہے، یہ نہ انسان کی فطرت کے مطابق ہے نہ مصلحت کے، انسانی زندگی قبول و عطا کے شریفانہ اصول کی قائل ہے اور اسی میں اس کا نمو اور ارتقا اور اس کی وسعت اور رنگارنگی کا راز پہنچا ہے۔

لہ لاضمہ ہو حائلی کی نظم "ٹکوہ ہند" کلیات حائلی

ہندوستان کی قدیم علمی تحریک

اس کے مرکز اور اس کی خصوصیات

قدیم نصاب تعلیم اور ان کے علمی مرکز

اسلامی عہد میں نصاب تعلیم کی ترتیب اور اس میں اضافہ و تغیر کی تاریخ بڑی طویل اور دقت طلب ہے، یہ آٹھ سو سال کی علمی و میتی تاریخ کا ایک جائز ہے جسکا مواد تاریخ سوانح حیات اور بزرگانِ دین کے مفہومات اور بسا اضوں میں بکھرا ہوا ہے اسی طرح سے اس کے نامور اساتذہ اور شیخین اور اس کے علمی مرکزوں کی فہرست بھی بڑی طویل ہے، مسلمان سلاطین و امرا و محیزا اور علم و دوست متوسط احوال لوگوں نے قریقر قصیر پر بڑے فاقہ کئے تھے، اس وقت ان کی صحیح تعداد اور کیفیت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ اس نصاب تعلیم میں مختلف وقتوں میں جو تغیرات پیش آتے رہے اور مختلف

لہ مولانا سید عبدالحکیم صاحب مرحوم نے اپنی جلیل القدر تصنیف "جنة المشرق" میں بڑی تلاش اور محنت سے ان مدارس کا سراغ لکایا ہے جو کتابیخ و سوانح کی کتابوں میں اصلاح یا احتضان ذکر آیا ہے۔ اس کتاب میں جن مدارس کی فہرست دی گئی ہے، اور ان کا مختصر تعارف کرایا گیا ہے، ان کی تعداد ۲۳۰ اس ہے، یہ بات قابلِ ملاحظہ ہے کہ ان میں ایک حدودی سوانح بھی ہے، مدارس کے باقیوں میں ایک بڑی تعداد تجیزوں اتنی اور بیکیاں کی ہے۔

اثرات کے تحت اس میں جو ترمیم و اضافہ ہوا، اور جن مقامات اور خاندانوں کی
تھے اس بارے میں مرکزیت اور رہنمائی کا منصب حاصل کیا ان کی تفصیل بھی اس
محضر کتاب کے حدود سے باہر ہے اور ایک بڑی مختفاقت تھی تھیت کا موضوع یہاں
ہندوستان کے اسلامی عہد کے نامور مؤرخ مولانا حکیم میر عبد الحکیم کے ایک
مصنفوں کا اقتباس (تحقیقیت حذف و ترمیم کے ساتھ) پیش کیا جاتا ہے جس سے اس لکھنگر
علمی تحریک اور اس کے تغیرت و ارتقا کی اچالی تصویر لنظر کے سامنے آجائی ہے جو ہندوستان
کی عام تاریخوں کے مریقہ میں جگہ نہیں پاسکی۔ مولانا مرحوم اپنے ایک مصنفوں میں
لکھتے ہیں :-

* تایخ سے سُراغ ملتا ہے کہ اس سرزی میں فاتحان ہند کے ساتھ ساتھ علم
آیا تھا اور جو تبریلیاں ایران و ماوراء النہر میں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی تھیں اس کا
اثر بیان کے نصاب پر بھی پڑتا تھا۔

سندرھ و ملتان

سب سے پہلے سندرھ اور ملتان کے ریگستانوں میں علم کے ذریعے چکے اور ان کی
جگہ کا ہٹ اتنی بڑھتی گئی کہ رفتہ رفتہ سارے ہندوستان میں ان کی روشنی پھیل گئی
اور جیسا یہ لوگ تغیریت لامور کو ہندوستان کا دارالسلطنت قرار دیا تو اس شہر نے
سب سے پہلے اس روشنی سے فائدہ اٹھایا۔

له التدقیق (دورہ اول) ۱۹۰۹ء جلد ششم نمبر، مصنفوں علی الحمد رسالہ کی شکل میں ہندوستان
کا نصاب درس اور اس کے تغیرات کے نام سے ندوۃ العلماء شائع کرایا ہے۔

دہلی

جب دہلی فتح ہوئی تو بادشاہوں کی قدر دانی سے علمائے اکمال ہر طرف سے
سمٹ سمجھ کر دہلی آتے لگے اور الیسے جلیل الفقدر علماء دہلی میں مجتمع ہو گئے جو تکمیل کا شہر
شُن کر دوسرے لوگ آتے اور فیضیاب ہوتے تھے۔

عیاث الدین بلین کے زمانہ میں شمس الدین خوارزمی، شمس الدین قوشجی، برہان الدین
بلجی، برہان الدین براز رحیم الدین مشقی، اکمال الدین رازہد وغیرہ جیسے بیسوں صاحبِ کمال
تھے جن کے علم و فضل سے دہلی کا کوچ کوچ قفرطیہ اور بنداد کامنونہ بن رہا تھا۔

علاء الدین خلجی کے زمانہ میں نظریہ الدین بھکری، فردی الدین شناقی، حمید الدین
خلص، شمس الدین شجی، محی الدین کاشانی، فخر الدین ہانسوسی، وجیہ الدین رازی،
تاج الدین مقعدم، وغیرہ چھایا تکیہ علماء ایسے پائیے کہ تھے جن کی نسبت ضیاء برلن
جیسے مشہور مؤرخ کا جیاں ہے کہ دنیا میں ان کا جواب نہیں تھا۔

محمد شاہ تغلق کے زمانہ میں معین الدین عمرانی، فاضی عبد المقتدر، مولانا خواجہ
شیخ احمد تھاںی سری جیسے بیکمال علماء تھے جن کے دامن تربیت میں پروپریتی پاک شہاب الدین
دولت آبادی ملک العلماء بن کریکھے اور ایک دنیا کی نگاہ میں ان کی طرف اٹھنے لگیں۔

فیروز شاہ کے عہد میں جلال الدین رومی تشریعت لائے اور شاہی مدرسہ میں
پرنسپ کی خدمات ان کو سپر دی گئیں، شجیم الدین سحر قنڈی بھی اسی زمانہ میں دہلی آئے
اور اپنے فضل و کمال سے لوگوں کو الاماں کرتے رہے۔

سکندر لودھی کے زمانہ میں شیخ عبد الشر، اور شیخ عزیز الشر و دنامور عالم ملت

سے آئے اور انہوں نے منطق و حکمت کا میuar بڑھا کر نصاب پر نایاں زور پیدا کر دیا۔

اکبر کے زمانہ میں شاہ فتح اللہ شیرازی نے اگر عضد الملک کے خطاب سے عزت پائی تو اور نام ملک میں ان کی دھوم پچ گئی، اسی زمانہ میں حکیم شمس الدین اور ان کے بھانجے حکیم علی گیلانی کی وجہ سے طب کو فر رخ ہوا، اور شیخ عبد الحق نے حدیث کو رو لچ دیا۔

شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد حکومت میں میرزا ہد کا ستارہ اقبال چکا اور ان کی موشکانیوں نے تاج فضیلت میں چار چاند لگا دیئے گویا درس نظامیہ کی بنیاد انجیں کے پر زور باتوں کی ڈالی ہوئی ہے، انہیں کے سلسلہ علماء میں قاصی میارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان تھا، جس میں جناب شاہ عبد العزیز، شاہ فتح الدین شاہ عبد القادر، مولوی عبد الحکیم، شاہ محمد اسماعیل، مولوی محمد سعین، مولوی رشید الدین خاں، مفتی صدر الدین خاں، مولوی ملکوں الملکی وغیرہ نامور علماء اور مدرسین پیدا ہوئے۔

لاہور

لاہور میں علم کا نشوونما دہلی سے پہلے ہوا تھا گردہ ملی کی ترقی نے اس کو چند روز کے لئے دیا دیا تھا، آخر آنحضرت اس نے سنبھالا لیا اور جمال الدین تملک کمال الدین کشمیر کی مفتی عبد السلام، مطاعبد الحکیم سیاکوٹی وغیرہ شاہیر کی وجہ سے ایک مرتبہ نکل علم کا چرچاڑا اور ان سے ہزاروں طلباء فیضیاں ہوئے۔

جون پور

جون پور میں سلطنتیں شرقیہ کی قدر دالی سے شیخ ابو الفتح شہاب الدین دلت آبادی

مولانا الہداد، محمد افضل اساذۃ الملک، مولانا محمود صاحب شمس بازفہ، دیوان عبدالرشید، مفتی عید الباقي، ملاؤر الدین جیسے بامکان علماء وقتاً و فضاً ہوتے رہے اور ان کا سلسلہ علمی تکمیلہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔

گجرات

گجرات میں شیخ محمد طاہر قشقی صاحب "مجمع البخاری" شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، ملاؤر الدین وغیرہ نے علم کی آبیاری کی اسی زبان میں فاضلی ضیاء الدین باشدہ یونیورسٹی نے گجرات جا کر شیخ وجیہ الدین کے دامن تربیت میں پروردش پائی اور اپنے اہل وطن کے لئے یہ تحفہ لائے، ان سے شیخ جمال نے فائدہ اٹھایا ان سے ملاطفہ اللہ نے علم حاصل کیا ان کے شاگردوں میں ملاجیون صاحب " TOR AL ANWAR" ملا علی اصغر، ملا محمد امان، فاضی علم اللہ بہت زیادہ نامور ہوئے اور یہ ایک صاحب سلسلہ اور صاحب درس ہو گیا۔

الآباد

الآباد میں شیخ محبوب الشریع، فاضلی محمد افضل، شاہ خوب الشریع، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فائز اثر، مولوی برکت، مولوی جارالشریع اور دیگر بامکان علماء نے ایک مدت تک سلسلہ درس و تدریس کو کرم رکھا اور نقشبیاً ایک بوریں تک خوب چل پیا۔

لکھنؤ

لکھنؤ میں سب سے پہلے شیخ اعظم اس تحفہ کو جوں پورے لائے اس کے بعد

شاہ پیر محمد نے بزم افادہ گرم کی اور ان کے شاگرد ملا غلام نقشبند نے اس کو خوب روئی دی اسی زمانہ میں شیخ قطب الدین سہاروالی کا بھی چرچا پھیلایا ہوا تھا جو بعد السلام دیلوی اور محب الشرا آبادی کے سلسلہ میں ایک نامور عالم تھے، شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ان کے نامور فرزند ملان نظام الدین نے علم کے دربار ہائیئے اور کھنڈوں کو علم کا مرکز بنادیا اور جو نصاب تقریباً اس کو ہندوستان کی ہر ایک درسگاہ میں حشتم قبول کیا گیا، اسی خاندان میں ملا حسن، بحرا العلوم، مالمین، مفتی طہور الشر، مولوی ولی اللہ، مفتی محمد اصر، مفتی محمد یوسف، مولوی نجم الشر، مولوی لذر الشر، مولوی عبد الحکیم، مولوی عبد الحکیم، وغیرہ ایسے بکمال مدین پیدا ہوئے جن کا جواب سی خاندان یہ نہیں مل سکتا۔

اووڈھ کے قضیات

اس خاندان کے نلاند تھے بھی ہندوستان کے ہر ایک گوشہ میں پھیل کر علم کے پھیلانے میں کوتاہی نہیں کی، قطب الدین شمس آبادی، قطب الدین گوپا موئی، محب الشرا بہاری، امان الشربیاری، ملکمال الدین، مولوی برکت، مولوی محمد الشر، مولوی یاد الشر، مولوی فضل امام، مولوی فضل حق اور ان کے چشم وچڑاغ مولوی عبد الحق وغیرہ سب اسی خرمن کمال کے خوشنہ حصیں تھے۔

اووڈھ کے ایک ایک قریں میں علم کا چرچا پھیلایا ہوا تھا، اور شکل سے کوئی بنسیب مقام ایسا ہوا کہ جس میں علم کی شمعاں ہیں بیوی خلیف، سب سے زیادہ مشهور اور مقاماتی تھے، جا ش، ایٹھی، ہر گام، نیتوئی، گوپا موئی، بلگرام، منڈیلہ، کاکوری وغیرہ ان مقامات سے اس قدر کثرت کے ساتھ علماء پیدا ہوئے جن کی نظیر دوسرے ملکوں میں بنشکل مل سکتی ہے۔

نصاب نعلم کے مختلف دور

مناسب معلوم ہونا ہے کہ ہم سہولت کے حجاج سے نصاب دریں کے چار دو رفائل کریں اور جو کتابیں ہر دو میں ہر روح تفصیل ان کی تفصیل جہاں تک تایخ سے شائع کے طبقات سے شرعاً کے تذکروں سے اور مکتبات و ملفوظات سے مل سکتی ہے کیجا کر دیں، دیکھنے کو تو یہ ذرا سا کام ہو گا مگر مختلف کتابوں کے ہزاروں صفحے اللہ کے بعد یہ اس تجویر پوچھے ہیں جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہیں۔

دَوْرٌ اُول

اس کا آغاز راتوںیں صدی ہجری سے بھنا چاہئے اور انجام دسویں صدی پر اس وقت ہوا جب کہ دوسرا دو شروع ہو گیا تھا، کم و بیش دو سو سو سو نک مذر رجعہ ذیل قانون کی تفصیل معارف فضیلت سمجھی جانی تھی، صرف، تجویز، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، منطق، کلام، فصوف، تفسیر، حدود۔ اس طبقہ کے علماء کرام کے حالات تلاش کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانہ میں منطق و فلسفہ معارف فضیلت ہے ویسا ہی اس زمانہ میں فقہ اور اصول فقہ معارف فضیلت تھا۔

دَوْرٌ دُوم

نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبدالرشاد اور شیخ عربی الشملان سے آئے تھے۔

اہ اس کتاب میں ان نصابی کتابوں کی فہرست حذف کردی گئی ہے اس لئے کہ وہ صرف اہل فن کا دسپی کی ہے، تفصیل کے لئے اصل مصنون ملاحظہ ہو۔

لئے یہ دونوں حضرات تلثیہ کے رہنے والے تھے جو ملستان کے لواح و مضافات میں ہے۔

شیخ عبداللہ دہلی میں اور شیخ عزیز اللہ سنبھل میں فراؤنڈ ہوئے ہکندر روڈی نے
نهایت کشادہ ولی سے اُن کا خیر مقدم کیا، بہان تک کہ خود بادشاہ ان کے حلقہ درس میں آکر
شرکیہ ہوتا تھا اور اس خیال سے کہ اس کے آئے سلسلہ درس دیکھ سکتے ہو جائے مگر کسی گوشہ میں بدیکر
ان کی تقریب سے بخطوط ہوتا رہتا تھا اور بعد فراز گئے شیخ عبداللہ کی خدمت میں جا کر ملاقاً کرتا تھا۔
پھر ان دونوں کے فضل و کمال اور کچھ بادشاہ کی قدر ولی سے بہت جلد اُن کی علمی
شهرت نامہ ہندوستان میں پھیل گئی، انہوں نے معباڑ فضیلت کو کسی قدیم لذت کرنے
کے لئے فاضی عضد کی نصانیفت "مطابع" و "مواقت" اور سکاکی کی مقاصح العلوم" سلسلے
درس میں داخل کیں اور بہت جلد یہ کتاب میں منتداول ہو گئیں۔

اسی دور میں ہیرستیہ شریعت کے تلامذہ نے "شرح مطالع" اور "شرح مواقت" کو درج
دیا اور نفاذ اُن کے شاگردوں میں "مطابع" و "محضر" کی بنیاد میں اور تجویز و "شرح غفاریہ سقی" کو درج دیا
اُسی زمانہ میں "شرح وقاریہ" اور "شرح ملابحاتی" بھی رفتہ رفتہ داخل نہایت ہو گئیں۔
اس دور کے سب سے آخرگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبدالحق محدث ہندوستان
سے عرب شریعت لے گئے اور مرتبت برسر رہ کر علماء ہر میں مختصر میں سے حدیث کی تکمیل کی اور
اس تحفہ کو پیشے ساختا ہوا۔ اور انہوں نے اور ان کی نامور اولاد نے ہمیشہ ان کی اشاعت
کی کوشش کی مگر افسوس ہے کہ اس کو قبولیت حاصل نہیں ہوئی، یہ شرف زمانہ مابعد
میں جناب شاہ ولی اللہ کے واسطے رکھا گیا تھا جو ان کو حاصل ہو گیا۔

لہ علم کلام کی دو مہیا نہ کتابیں ۳۰۰ فن معانی و بیان کی دو مشہور کتابیں جو ایجتیہ تک قریم
نصاب میں داخل ہیں ۳۰۰ اصول فقة لہ علم عقائد ۵۰۰ فرقہ حنفی لہ نجحی ایک
کتاب جس میں متنطق و استدلال کی آمیزش ہے۔

دوسرا سوم

نصابِ درس میں جو تغیر دوڑوم میں ہوا تھا اس سے لوگوں کی امنگیں بڑھ کر گئی تھیں، اور وہ میعادِ فضیلت کو اس سے بھی زیادہ بلند کرنے کے ممکنی ہو گئے تھے، اسی وجہ سے شاہ فتح الشیرازی کے آتے ہی درسگاہوں میانچی قسم کی چیل پر نظر آئے لگی، دریار اکبری نے ان کو عضدِ الملک کا خطاب دے کر اپنی قدرِ راہی کا ثبوت دیا اور علماء نے نصابِ درس کے اضافہ کو فوراً منظور کر دیا جس کو شاہ فتح الشیرازی نے میش کیا تھا۔

نهایت بے انصافی ہو گئی اگر ہم شیع و جسمی الدین علوی گجراتی کو اس موقع پر بحوالہ جائیں یہ بزرگِ حقائقِ دوڑانی کے بیک و اسطہ شاگرد تھے اور سب سے پہلے متاخرین کی تصنیفات کو انہوں نے روایج دیا۔ اس حمیٹع فیض سے صرف گجرات ہی سیرا نہیں ہوا بلکہ ایک چھینٹیں و سطہ ہند تک پہنچیں، فاضی علیاء الدین نیوتی کے باشندہ تھے وہ گجراتی یہ تھے کہ آئے اور شیع جمال نے ان سے حاصل کر کے دُور دُوز نکل پھیلایا، ملاطفِ الشیع جمال کے متاز شاگرد تھے ان سے ملاجیون صاحب "زوال النوادر" ملاعلی اصغر، فاضی علیم الشیر، ملا محمد زمان وغیرہ نے حاصل کیا جن میں کاہر ایک صاحبِ مسلسلہ اور صاحب درس تھا، یہ توہہ اگر اس درس کو قبولیت عام اس وقت حاصل ہوئی جب شاہ فتح الشیرازی نے اس کو ولح دیا اور ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد ہندستان پہنچ پہلی گئی۔

مفتی عبد السلام شاہ فتح الشیر کے جلیل القدر شاگرد تھے انہوں نے چالیس سال

تک لاہور میں بیٹھی کر درس دیا اور ہزاروں کو فائدہ پہنچایا مگر ہزاروں میں ایک ہی دو ایسے ہوتے ہیں جن کو تاموری اور یقائیے دوام کے دریار سے نہ ملنی ہے، دیکھ کے مفتی

عبدالسلام اور الہ آباد کے شیخ نجیب الشافعی خوش نصیبوں میں تھے جو لاہور سے پڑھ کر آئے اور اپنے لئے منہ فضیلت علیحدہ قائم کر دی، شیخ قطب الدین سہا لوہی خیں دونوں کے بیکیٰ اسطہ شاگرد ہیں جو ملانا نظام الدین بانیِ درس نظامیہ کے پدر بزرگوار تھے۔

شاہ ولی اللہ المتوفی ۷۸۷ھ بھری اس دور کے سب سے آخر مگر بے زیادہ نامور عالم تھے، شاہ صاحب ہربگئے اور وہاں کئی برس رک شیخ ابو طاہیر مدینی سے فتن حدیث کی تکمیل فرمائی اور ہندوستان کو یہ تحفے کر آئے اور ایسی سرگرمی سے اس کی اشاعت فرمائی کہ باوجود کس ادیباً زاری کے اپنے تک اس کا اثر باقی ہے اور حقيقةت صحابی شاہ کے درس و تدریس کا ہندوستان میں رواج اسی وقت سے ہوا ہے جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور آخلاف نے اس کو رواج دیا اور اپنی اپنی عمر عزیز کا بیش بہا حصہ اس کی اشاعت میں صرف کر دیا۔

شاہ صاحبی اپنی طرز کا ایک جدید نصاب بنایا تھا مگر چونکہ اس زمانہ میں علم کا مرکز تبلیغی سے لکھتو منتقل ہو چکا تھا اور تنام درس کا ہوں ہیں متعلق و حکمت کی چاشنی سے لوگوں کے کام و دہن آٹھا ہو رہے تھے اس نصاب کو قبولیت حاصل نہیں ہوئی۔

دُورچہارم

چوتھا دور بار ہبوبی صدی بھری میں قائم ہوا اور ملانا نظام الدین نے ایسے پُر زور باتوں سے اس کی بنیاد رکھی کہ اپنے تک باوجود امتداد و زمانہ کے اس میں کا ایک شوشنہ بھی کم نہیں کیا گیا۔

لہ "الندوہ" جلد ششم میرا، یہ نصف صدی پہلے کی بات ہے، ندوۃ العلماء کی تحریک اور زمانہ کے تغیرات کے اثر سے اب چاہیا قریم نصاب میں تغیر کیا چاہرہ ہے۔

قیدیم نظامِ تعلیم کی خصوصیات

قیدیم نظامِ تعلیم تقاضا اور کمزوریوں سے بالکل بہتر اور منزہ نہیں تھا، فتنی بحاذہ سے اس کے متعدد پہلو قابل تلقینہ و اصلاح ہیں، لیکن جو لوگ اس نظام کے بانی اور ذمہ دار تھے ان کے مزاج اور اس دینی روح کی بنابر جو اس کے اندر سربراہی کے ہوئے تھی وہ بعض خصوصیات کا حامل تھا جواب جدید تعلیمی نظاموں میں فقد ہیں، یہاں نہایت اختصار کے ساتھ اس کی چند نمایاں خصوصیات کا لذکر کیا جاتا ہے، ان عنوانات کے تحت کثیر التقدیر و مثالیں اور واقعات ہیں جو ہندوستان کی علمی و دینی تاریخ کے ہزار بھائی صفات میں بکھرے ہوئے ہیں، ان میں سے صرف چند شاہوں کو انتخاب کریا گیا ہے۔

اخلاص و ایثار

قیدیم اساتذہ کا سبیعے بڑا امتیاز اور ان کا شعار ان کا اخلاص و ایثار تھا،

لہ اس مو صنوع پر زندگہ العلماء کے یادیوں اور اس تحریک کے علمبرداروں نے بہت کچھ لکھا ہے،
ذکورہ یا مصنفوں بھی اس مو صنوع پر ایک تھقفارہ اور پرمغز مصنفوں ہے۔

چونکہ تعلیم و علم کا اخروی ثواب اور اس ادا دوام کی ویتی فضیلت ان کے ذہن پر نقش نظری اور ان کا عقیدہ اور رجحان ایمان بن ہوئی تھی، اس لئے ان میں اگر سبھیں تو بہت بڑی تعداد محسن رضائیں ہیں اور حصول اجر و ثواب کے لئے تعلیم و علم میں مشغول تھی اور ان کو افضل عبادت اور اعلیٰ سعادت سمجھتی تھی، ان اساتذہ میں بہت سے حضرات زہد و فناعث کے ساتھ بس کرتے تھے، اور فقر و فاقہ میں زندگی گزارتے تھے، عملکارہند کے نزد کو کی قدر کتابوں میں ان اساتذہ گلبار کے زہد و ایثار اور فقر و فاقہ کے بڑے مؤثر اور ولدو ز واقعات ملتے ہیں، یہاں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے:-
 مؤثر خیہند مولا نا غلام علی آزاد بلگرامی "ماڑا اکرام" میں بلگرام کے شہرور محمد اور اس ادا میرستید مبارک (متوفی ۱۳۲۴ھ) کا ایک واقعہ پہنچانے اس ادا میر طفیل محمد بلگرامی کی زبانی بیان کرتے ہیں:-

"ایک روز میں میرستید مبارک کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ و صنوکی تیاری کے لئے کھڑے ہوئے تھے کہ رکھنا اک گرے میں نے پیک کر سنبھالا، اور انھیاں کچھ دیر کے بعد بلوش آیا تو میں نے سبب دریافت کیا، بہت پوچھتے اور سخت اصرار کے بعد فرمایا کہ تین روز سے ایک دانہ منہ میں نہیں گیا، میر صاحب نے اس عرصہ میں نہ کسی سے اس کا انطباع کیا تر کسی سے کچھ قبول کیا، یہ میں کر بھجھ بڑی رقت ہوئی، فوراً اپنے کان گیا اور اس ادا کی مرجون غذا ایثار کرو اکر لایا، پہلے تو بڑی یثاشت اور محبت کا انہما فرمایا اور دعا دی پھر فرمایا کہ اگر تین روز میں نہ تو ایک بات کہوں؟ میں نے عرض کیا ارشاد ہوا فرمایا کہ ایسے کھانے کو صرف یوں کی جملات میں

طعام اشرافت کہتے ہیں، اگرچہ فرقہ کی رو سے ایسا کھانا جائز ہے اور
تین روز کے بعد تو شریعت میں مردار کا کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے لیکن
طریقہ فرقہ میں طعام اشرافت کا کھانا جائز نہیں۔

میں نے جب یہ ارشاد سنائے کچھ کہنے سے مجلس سے اٹھا اور کھانا
باہر اٹھایا کچھ دیر دروازہ کے باہر کھڑا رہا، پھر کھانا والپس لے آیا اور
عمرن کیا کہ جب میں کھانا اٹھا کر باہر لے گیا تو یہ حضرت کو اس کی
والپسی کی توقع تھی و فرمایا نہیں میں نے عمرن کیا اب تو یہ کھانا خلاف
توقع آیا ہے اب یہ طعام اشرافت نہیں رہا، حضرت کو میری اسن ناویں
سے بہت لطف آیا اور فرمایا کہ تم نے عجب ذہانت سے کام یا پھر عزیت
کے ساتھ تناول فرمایا۔

یہ واقعہ اگرچہ اپنی نویت میں ترا لاؤ دلیل نہیں معمولی ہے مگر یہ نہ تسان کی تعلیمی
و دینی تاریخ میں اساتذہ کے اخلاص و ایثار ازہرو قناعت اور فرقہ و فاقہ کے لئے
و اقامت درج ہیں کہ وہ اس نظام تعلیم و تربیت کی ایک روایت بن گئی ہے۔
اساتذہ کے اخلاص و ایثار کا ایک دوسرا واقعہ بھی جو ایک صدی بعد کا ہے
پھر کم حیرت انگیز نہیں۔

”مولانا عبد الرحمن حداد (م ۱۳۴۷ھ) رام پور میں درس دیتے تھے،“

لئے طعام اشرافت جس کی طرف دل لگ گیا ہوا اور اس کی ایسید پیدا ہو گئی ہے۔

”۹۶-۹۷ آثار اکرام“

تمہ ملاحظہ ہونے بہت الخواطر۔ ”آثار اکرام“ تذکرہ علمائے ہند نظام تعلیم و تربیت۔

روہلیں کھنڈ کے انگریز حاکم مسٹر براکنس نے ان کو بریلی کالج کی تدریس کے لئے
ڈھائی سور و پیر مشاہرہ کی (جو شہر سے پہلے وہ جیشیت رکھتا تھا
جو اس وقت ہزار بارہ سو کی بھی نہیں) پیش کش کی اور وعدہ کیا کہ
محفوڑی تدبیت میں اس مشاہرہ میں اضافہ اور ترقی ہو جائے گی، انھوں نے
عذر کیا کہ بریاست سے ان کو دش روپیے اہواز ملنے ہیں وہ بند ہو جائیں گے،
ہاکنس نے کہا کہ میں تو اس وظیفہ سے بچیں گناہ پیش کرتا ہوں اس کے مقابلہ
میں اس خیفر قم کی کیا جیشیت ہے؟ انھوں نے عذر کیا کہ میرے گھر میں بریا
کا ایک درخت ہے اس کی بریا بہت شیخی اور بچھے مرغوب ہے بریلی میں
وہ بریا کھلتے گو نہیں ٹلے گی، ظاہر میں انگریز ابھی ان کے دل کی بات
نہیں پاس کا، اس نے کہا کہ رام پور سے آئے کا انتظام ہو سکتا ہے آپ بریلی
میں گھر بیٹھے اپنے درخت کی بریا کھا سکتے ہیں، مولانا نے فرمایا کہ ایک بات
یہ بھی ہے کہ میرے طالب علم جو رام پور میں درس لیتے ہیں ان کا درس
بند ہو جائے گا اور میں ان کی خدمت سے محروم ہو جاؤں گا، انگریز کی
منطق نے اب بھی ہاڑنہیں لی، اس نے کہا کہ میں ان کے وظائف مفرکر کرنا
ہوں وہ بریلی میں آپ سے اپنی تعلیم جاری رکھیں اور اپنی تکمیل کریں، آخر
اس مسلمان عالم نے اپنی کمان کا آخری تیر چھوڑا جس کا انگریز کے پاس کوئی
جواب نہ تھا، مولانا نے فرمایا کہ یہ سب صحیح ہے لیکن تعلیم پر اجرت لینے کے
متعلق میں قیامت میں انہیں کیا جواب دوں گا۔

لہ انسانی دنیا پسلانوں کے عرفی و زوال کا اثر جو المزہبۃ (نحو اظر ص ۳۷۲)، روایت مولوی نجم الغنی

صاحب رائیوری مصنف "تاریخ اودھ"

درس میں انہاک

قدیم اساتذہ کو درس تدریس میں اس درجہ استغراق و انہاک تھا جس کا
تصور بھی واقعات اور مشاہد کے بغیر مشکل ہے، یعنی علم اُن کی روح کی غذا اور ان کی
عیادت اور خلیفہ بن گیانہ، عمر کی طویل سے طویل تر تک اور دن رات کے زیادہ
سے زیادہ اوقات میں وہ درس تدریس میں منہک رہتے تھے، ملک الحلماء علامہ فوجی الدین
گجراتی نے ۶۵-۶۶ سال درس دیا، مولانا عبد السلام لاہوری، ملا عبد الحکیم سیا کوٹی،
مولانا علی اصغر قتوحی کی ترت درس ۶۰ سال ہے، مولانا احمد امیم حبی عرف تاجیون
نے زندگی کے آخری دن تک درس دیا، وقری علی ذاکر۔

اساتذہ کے تمام اوقات (بشری حضورتوں اور قلیل راحت کے علاوہ) درس
وتدریس سے گھرے رہتے تھے، یہاں تک کہ بعض حضرات کھاتے کے وقت اور چلتے
پھرتے بھی پڑھاتے تھے، ملا عبد القادر بدایوی لپتے استاد مولانا عبد الشریبدایوی کے
مغلن لکھتے ہیں کہ اپنے گھر کا سودا خود خریدنے بازار جایا کرتے تھے، طلبہ کی جماعت
ہمارا ہوتی تھی اور وہ سبق پڑھاتے رہتے تھے،

عبدالخیر کے ایک حلیل القدر عالم و مدرس مولانا عبد الحکیم فرنگی محلی نماز خوب سے
پہلے بعض طلبہ کو وقت دیتے تھے اور اس وقت بھی ایک سبق ہوتا تھا، منفذ قدم اساتذہ
کا یہ معمول تھا۔

طلیب سے تعلق

اساندہ کو اپنے شاگردوں اور طالب علموں سے ایسا گھر اور شدید تعلق ہوتا تھا جس کی مثال اس زمانہ اور اس نظام قلمیم میں بھی مشکل ہے، اساندہ طلبہ کو اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے اکثر اوقات ان کے تکلف ہوتے تھے، ان کو خورد و نوش میں شرک کرتے تھے، عبداکبری کے شاہی طبیب اور شہزادہ حکیم علی گیلانی کے متعلق "سندکرہ علمائے ہند" کا مصنف لکھتا ہے کہ:-

پیوستہ طلبہ را درس گئتے دیے ایشان ہمیشہ طلبہ کو درس دیتے اور بغیر ان کے طام تحریف کر لے۔
کھانا دکھاتے۔

استاذ الملک مولانا محمد افضل جون پوری کو اپنے طلبہ سے ایسا تعلق تھا کہ جب ان کے مائی ناز شاگرد ملا محمود جون پوری کا انتقال ہوا تو وہ اس صدر کی تاب نلاسکے، مولانا غلام علی آزاد بیگرامی لکھتے ہیں:-

تاجپیل روز استاذ کی تدبیح نہ دیدہ	چالیس روز تک کسی نے استاد کو
وبعد چهل روز استاذ بشاگرد ملحت	مکر نہ ہوئے نہیں دیکھا، چالیس
روز کے بعد وہ بھی اپنے عزیز شاگرد سے	شد۔

جاٹے۔

ملک العلماء مولانا عبد العالی بھر العلوم کو جب مشی صدرا الدین خاں نے بُهار (بردونان) آئے کی تکلیف دی اور گران قدر تجوہ کی پیشکش کی تو مولانا اخدر فرمایا کہ

لہ منتخب التواریخ صاحہ ۳۷ مآثر الکرام

میرے ساتھ سو طالب علم ہیں جب تک ان کے قیام و طعام کا انتظام نہ ہو جائیں ہیں
آسکتا، جب شی صاحب نے ان کی ذمہ داری لی تو مولانا نشریت لے گئے، مدرس میں
تواب الاجاہ نے مولانا کی ایک ہزار اہم انتخواہ مقرر کی جو تنام و کمال طلبہ پر خرچ ہو جائے
تھی اور ان کے خاندان میں جو لکھنؤ فرنگی محل میں نجف اس کا کوئی حصہ نہیں پہنچتا تھا
اس کی وجہ سے ان کے صاحجزی (مولانا عبد النافع) نے مدرس کا سفر کیا اور
بارہ والد محترم سے اس بارے میں گفتگو کی، لیکن مولانا نے اپنا طرزِ عمل ترک نہیں کیا،
اور صاحجزادہ ناکام لکھنؤ والیں آئے۔

اس طرح کے واقعات ہندوستان کے اسلامی عہد کی تاریخ میں نادر نہیں ہیں
اس عہد اور نسل کے علماء نے بھی اپنے اساتذہ کی شفقت و ایثار اور فراخ حوصلگی کے
نمودے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔

طلیبہ کا اساتذہ سے تعلق

طلیبہ کا بھی پینے اساتذہ سے ایسا تعلق تھا جو سعادت ہندی روحانی ارتباٹ اور
تبی وابستگی کی آخری حد ہے، اس مسلمانیہ واقعہ تاریخ میں یہی مشیر یادگار ہے گا لایک
منزہ اتساوی العلماء ملکانظام الدین فرنگی محلی و کے انتقال کی خبر مشہور ہو گئی، ان کے
ایک شاگرد یہ مظریت عظیم آبادی کی رفتہ روٹے آنکھیں جاتی رہیں، دوسرا شاگرد
یہ کمال الدین عظیم آبادی اس صدر کی تاب نہ لاسکے اور انتقال کر گئے، بعد میں
معلوم ہوا کہ یہ اطلاع غلط تھی، اس طرح کا واقعہ اگرچہ نادر الوتوع و اغفار ہے گر طبی

لئے تربتہ الماط جلدی ترجیح مولانا عبد النافع لکھنؤ تھے تربتہ الماط رج ۶

جان تاریخ و فقاداری اور اپنے اساتذہ کے ساتھ سچے عشق اور لازوال حیثت کے واقعات اس قدیم نظام تعلیم کا طریقہ انتیاز ہیں اور جن علماء نے اپنے اساتذہ کا اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اس سے ان کے گھرے تعلق اور شفیقگی کا اظہار ہوتا ہے۔

شایان وقت اور روز ساعت کی قدر دانی

قدیم تخلیقی عہد کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ سلاطین زمان، امرائے نامدار اور رؤسائے شہر ان مخلص اساتذہ اور حلیل القدر علماء کی خدمت اور راحت کو اپنی سعادت اور اپنے لئے نجات اور فلاح کا وسیلہ سمجھتے تھے، ہندوستان کی اسلامی عہد کی تابیخ نے ان سلاطین و امراء کی قدر دانی و قدر شناسی و اعتزات کمال کی کثرت سے شالیں پڑی ہیں۔

تایخ فرشتہ کا مصنفت (محمد قاسم بجا پوری) لکھتا ہے کہ:-

”ایک مرتبہ ملک العلماء قاصی شہاب الدین دولت آبادی.... بخت علیل ہوئے (سلطان) ایسا یہ شرقی اُن کی عیادت کو گیا، مزاح پر کی اوہ زردی یا توں کی دریافت اور ان تمام علاج کے بعد بادشاہ نے ایک پیارا پانی سے بریز طلب کیا، اور مولانا کے سر پر سے پیار کو تصدیق کر کے خود پی لیا اور کہا کہ اے خدا جو بلقا صنی حصہ کے لئے مقرر ہے وہ مجھ پر نازل فرا اور کائن صحت عطا کر لے۔ امیر فتح الشہر شیرازی کے انتقال پر کیرتے ان نقطوں میں اپنے دلی تأثروں میں اتفاق ہوا کہ:-“

لئے تایخ فرشتہ جلد ہم مٹے ۶ دارالترجمہ قاصی صاحبے بادشاہ کے بعد اسی سال شہر ۸۵۳ یا وہ سال بعد ۸۵۴ میں رحلت کی۔

اگر بدست فرنگ افنا دی و ہمگی اگر فرنگی ان کو قید کرتے اور میر (تمام)
 خدا ائن در بر ابرخواستی، در بین ہوتا خدا نہ سلطنت ان کے فریبیں باقیتے
 فرا و ان سود کرد می و آں گرامی تو یہ سودا بڑا استتا اور فائدہ مند ثابت
 گوہر را بس ارزان خرید می۔ ہوتا اور یہ گوہر عالمی اس قیمت میں بھی
 ارزان ہوتا۔

شاہجہان نے ڈو مرتبہ تلاعید اچکیم یا لکوٹی کو چاندی میں اور ایک مرتبہ قاضی محمد اسلم ہروی (والد علامہ میرزا ہد) کو سوتی میں تلوایا، پہ قدمیم بادشاہوں کا اہل کمال کے اعتزات و انجہار کا طریقہ تھا۔

صاحب "اعصان اربعہ" مولانا ولی اللہ فرنگی محلی نے مولانا بھر العلوم کے مدراس میں شاہزاد استقبال کی تصویر اس طرح کھنچی ہے :-

"جب پاکی شاہی محل کے قریب پہنچی تو آپ نے اتنا چاہا، نواب الاجاہ نے اشارہ کیا کہ تشریف رکھیں اور خود پاکی کو کاندھا فے کر محل میں لائے، اور مدد شاہی پرانی جگہ بٹھایا، قدم بوسکی کی اور کہا کہ میرے لیے تسبیب کہاں تھے کہ آپ قدم رنجی فرمائیں اور میرے مکان کو منور کریں"۔

سلاطین وقت اور وزراء کی را کے علاوہ اہل مقدرت اور صاحب جاگیر فوجاء داد مدارس کے تکفل اور علماء اساتذہ و طلبیہ کی خدمت کو سعادتِ حقیقی سمجھتے تھے اور انہیں کی ملینہ تہمتی اور قدر دانی سنتہ نام ملک میں مدارس کا جاہ بچا ہو اتنا ہا مولانا غلام علی آزاد بلگرامی اپنے صوبی اور دھکا حال لکھتے ہیں دوسرے صوبوں اور علاقوں کو اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے :-

”پرے صوئی اور وہ اور صوئی اڑا باد کے بڑے حصہ میں پانچ پانچ کوس زیادہ سے زیادہ دس دس کے فاصلے پر تقریباً بترفا اور عالی خاندان لوگوں کی آبادی ہے جو سلاطین و حکام کی طرف سے تجوہ و جاگیر بدعاش کے طور پر رکھتے ہیں، انہوں نے ماجد ملادس اور خانقاہیں تعمیر کر کھی پہن اور اساتذہ و مدرسین ہر جگہ علمی و قیص رسانی میں مشغول ہیں اور انہوں نے طلب علم کا ایک جذبہ اور ولپریدا کر رکھا ہے، طلیعہ علم کروہ درگروہ اور فتح درفعہ ایک شہر سے دوسرے شہر جا سکتے ہیں اور جہاں موقع دیکھتے ہیں تھیں تھیں علم میں مشغول ہو جائے ہیں ہرستی کے اہل توپیں ان طبلے کا جیوال رکھتے ہیں اور اس عجائب کی خدمت کو سعادتی شما کرتے ہیں صاحب قران ثانی شاہ جہاں اماراتہ بربران کا نوں تھا کہ ”پورب پیراز ملکت ماست“ پورب ہماری سلطنت کا شیراز ہے“

اصلاح یا طن اور اہل دل سے تعلق

اس قدیم نظامِ تعلیم اور اس کے زہناوں اور ذمہ داروں کی ایک قابل ذکر صفت یہ تھی کہ ان کو اپنے علمی بخرا جہارت فن، محجیت اور شہرت و خلستہ کے اوج کمال پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کی اصلاح نفس کے تزکیہ اور سیاست مع الشربیدا کرنے کی طرف بھی پوری توجہ تھی، وہ جہاں علمی ظاہری کی تحصیل کے لئے کامل الفن اساتذہ اور بتھیم علماء کی خدمت اپنا فرض سمجھتے تھے وہاں اہل ول اور اصحاب باطن شیوخ کی کفشن بڑا ری اور دریوڑہ گری بھی اپنی تکمیل کے لئے ضروری سمجھتے تھے، اس میں ان کی شہرت لہ آثار الکرام تذکرہ ملک نظام الدین سہا لوی ص ۲۳۴ مطبوع مقید عام۔

اور مخدومیت قطعاً حارج نہ ہوتی تھی، وہ ایک طرف مسلمانین وقت اور امراء حکام کے سامنے ہر بے خود دار و شاہزاد مزاج ثابت ہوتے تھے، دوسری طرف ان شاہزاد بوریشین اور "گرداب معم" کے سامنے حدودِ جمتو اخراج اور بے نفس نظر آتے تھے "خود شکنی خود نگری" کا یہ نیا اور اجتماع ان مخلص علماء کی سیرت کا امتیاز ہے ہندوستان کی تعلیمی نایابی کا بہ پہلے نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ جن شخصیتوں کو اثر نمایا نے قبول عام اور یقائقے دوام کی دولت سے نوازا اور انہوں نے ہندوستان کے علمی حلقوں پر صدیوں تک کے لئے فرازروائی کی ہے، ان کا اپنے زمانہ کے کسی صاحبِ ل او مخلص بزرگ سے ضرور تعلق رہا ہے، سب سے پہلے ہندوستان کی تعلیمی اور درسی حلقوں اور مرکزوں پر تین شخصیتیں اثر انداز ہوئیں اور انہیں کے شاگردوں اور شاگردوں نے کئی صدیاں تک علم کی شمع روشن رکھی، یہ دہی کے تین نامور اساتذہ علامہ عبد المفتدر کندی تھا نیسری (م ۹۱۰ھ) اور ان کے شاگرد مولانا خواجہ دہوی (م ۸۰۹ھ) اور شیخ احمد تھانی نیسری (م ۸۰۰ھ) تھے تینوں حضرات شیخ نصیر الدین چراغ دہی کے نزدیکیں بافتہ اور مرید تھے۔

تعلیمی سلسلہ کی دوسری مرکزی شخصیت علامہ وجیہ الدین بن انصار الشاگر الالی (م ۹۹۸ھ) کی ہے جنہوں نے سرسطہ سالان تک احمد آباد میں حقول و منقول کے پڑھانے میں پائے اوقات برکت ان کی زندگی میں احمد آباد سے لاہور تک ان کے شاگرد پھیل کر علمی حدودوں پر مصروف ہو گئے تھے، اور اس تاد الا ساتھ کا منصب جلیل اپنی زندگی میں ان کو حاصل ہو گیا تھا، کوڑہ جہان آباد پھر ایٹھی، چونپورا اور کھٹو کی شہرہ آفاق درس کا ہیں اسی ایک چراغ سے روشن اور عالم افروز تھیں، علامہ موصوف شیخ محمد غوث گوایا رائی کے خلفاء و مترشین

لئے نایاب گجرات مولانا تید عبد المعنی۔

میں تھے، اور انہوں نے اُن کی بہت دعائیں لی تھیں، اسی سلسلہ کے ڈنامور اساد شاہ پیر محمد لکھنؤی اور مولانا غلام نقشبند سلسلہ حشیثیہ میں بیعت و مجاز تھے اور مدرا و خانقاہ کے جامع۔

آخرین جس سلسلہ درس اور فضای علم کی قسمت میں جہاں گیری لکھتی تھی اور جو کا ساکر ہندوستان سے لے کر افغانستان و ایران تک روان رہا اس کے ناموریاں ملاظام الدین سہالوی (م ۱۳۶۱ھ) سلسلہ قادریہ کے ایک شیخ حضرت سید عبد الرحمن زادہ انسوی رحمۃ اللہ علیہ سے تصرف ارادت و خدمت کا تعلق رکھتے تھے، بلکہ اپنے شیخ کی عقیدت سے محظوظ اور اُن کی محیت میں پورتھے، مناقب رضا تیہ کے نقطانقطے سے اس شیفتگی اور والہا ن تعلق کا اظہار ہوتا ہے جو ان کو اپنے شیخ سے تھا۔

درستہ دیوبند اور اس کے ملک گیر علی و اصلاحی سلسلہ طلبائی کے باتی مولانا محمد فاضم نائز نوی (م ۱۳۹۷ھ) اور اس کے دوسرے سرپست و مرلي مولانا شیداحمد صاحب گنجوہی (م ۱۳۲۳ھ) حضرت حاجی امداد الدین چہار بکیؒ کے خلیفہ و مجاز تھے، تھوڑی بندوقہ العلماء کے باتی مولانا سید محمد علی مونگیریؒ حضرت مولانا قفضل حسن گنج مراد آباد کیؒ کے خلیفہ تھے، اس طرح ہندوستان کے تعلیمی سلسلہ کو اپنے ہر دریں اور ہر موڑ پر کسی صاحبِ دل اور صاحبِ نسبت بزرگ کی سرپرستی حاصل رہی ہے اور اس تعلق نے اس میں اخلاص و تہییت اور تاثیر و مقیولیت پیدا کی ہے۔

یہ بات بھی بڑی میں آموز اور نظر افزودہ ہے اور اس کو محض اتفاق پچھوں

نہیں کیا جاسکتا کہ اکثر علمائے نادر اور اساندہ گبار کو اپنے زمانہ کی ان روحاں شخصیتوں سے والبتگی رہی ہے جو بعض اوقات اصطلاحی و عرفی طور پر باتا گدہ

عالم نہ تھے اور اس زمانے کے لوگ ان کو "اہل علم" میں شمار نہیں کرتے تھے، اس کی ایک نشان مولانا محمد سعیف شہید، مولانا عبد الحکیم رہانی جیسے بیگانے وقت ہملاء کی حضرت سید احمد شہید سے اور ملانا نظام الدین جیسے سر آمد روزگار فاضل کی حضرت سید عبدالرزاق باتسوی جیسے اور مولانا محمد قاسم ناٹوی جیسے مجتہد الفتن عالم کی حضرت حاجی امداد الشریعہ جو کسے ارادت واستفادہ ہے یہ واقعہ ان تسبیح علماء کے خلوص طبی صادق بلند تہمتی اور یعنی نفسی کی ایک محکم دلیل ہے اور اسی اخلاص و للہیست نے ان کے سلسلوں اور کاموں کو وسعت و استحکام اور قبولِ عام عطا کیا، علم کے وفور اور مطالع و تحقیق کے فرقہ کے ساتھ اپنی باطنی ضرورتی اور تھانگی کا احساس اور ان کی تکمیل کا تقاضا عالم کے قابل میں اخلاص و تعلق سے الشرکی روح پیدا کرنے کا اولاد اس قدم نظام قلعیم کا ایک روشن پہلو ہے جس کا ایک تجیہ یہ تھا کہ اس نظم کے ذمہ ار علماء و اساتذہ کا عالم سے زیادہ ربط و تعلق ہوتا تھا اور وہ ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتے تھے تو وہ مرا نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے زمانے کی مادی تحریکات و تربیبات، سلاطین و حکام سے تعلق و تفتیش کے موقع اور بہت سی اخلاقی گمز و بیویں سے محظوظ ہوتے تھے جن سے سعف علم اور ذہانت کی بتا پر حفظ و رہنمائی مشکل ہے جس کیسی اُو رہنمک اور جس اخلاص و ایثار کے ساتھ ان اساتذہ و علماء نے سات آنکھ سو برس تک لپیا فرض انجام دیا اور دیئے سے دیا روشن کرنے رہے اسیں بہت وضل اس صحبت و تربیت اور اس تہذیب اخلاق اور تربیتی نفس کو بھی تھا جو وہ ان روحانی مرکزوں اور شخصیتوں سے حاصل کرتے رہے۔

آخر آخر تک مدارس عربیہ کی پروایت رہیا کہ علم کی تفصیل اور فتوح کی تکمیل کے بعد وہ اپنی روحانی تربیت و تکمیل کے لئے کسی ایسے مرتبی اور کسی ایسے روحانی مرکز کا فائز کرنے

جس سے اُن کو یا ان کے اساتذہ کو عقیدت اور روحاںی ارتباط ہوتا، اور اس ماحول میں کچھ وقت مسلسل گزار کر یا وہاں کی آمد و رفتے ہے وہ اپنے اس شعیہ کی تکمیل کرتے جس کی تکمیل خالص علمی اور درسی ماحول میں مکن نہ تھی، مولانا لطف الشرح صاحب کی درس گاہ کے (جو دور آخر کی ایک بین الاقوامی درس گاہ تھی) تلامذہ فضلاً دیا مشرقي کے مرکز رشد و ہدایت حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوتے، شمالی مغربی ہندوستان کے مدارس (دیوبند و سہاران پور) اور درسی حلقوں کے علماء و طلبہ کا جو گروہ تھا نہ بھون، گلگوہ اور لائے پور کی طرف تھا، جہاں حضرت حاجی امداد الشریعہ بھر کی حضرت مولانا رشید احمد گلگوہی اور اُن کے خلفاء ارشاد و تربیت میں مشغول تھے۔

مسلمانوں کے موجودہ علمی اور ثقافتی مرکز

اور ان کی تعلیمی تحریکیں

دارالعلوم دیوبند

۱۸۵۴ء کی جنگ آزادی و جہاد کی (جس کی قیادت ہندوستان کے دینی عضراو علماء نے کی تھی) ناکامی پر حصوصیت کے ساتھ مسلمانوں میں تجزی کے ماتھا احتمان نکست احسانِ کہتری اور ایک عالم یا لوسوی چیلنجی جاری تھی انگریزی حکومت (جو نہیں عیسیٰ تھی) کی خلاف توقع کا بیانی سے عیسائی مشرکوں اور پادریوں کے وصلے بہت بلند ہو گئے تھے، اور انہوں نے صافاً کہنا اثر ورع کر دیا تھا کہ یہ ملک (ہندوستان) عیسیٰ مسیح کا عطیہ اور امانت ہے تاکہ اس میں نہیں مسیحی کی پوری طور پر اشاعت کی جائے، مسلمانوں میں جدید تجزی نظام تعلیم اور فلسفة زندگی و تمدن سے ذاتی و اخلاقی انتشار اور اپنے نہیں ہے ناواقفیت کی لہر چیلنجی جاری تھی، اور صاف نظر آ رہا تھا کہ آئندہ نسل اپنے اخلاقی نظام اور اسلامی تہذیب و نشریت سے بیگانہ ہو گی

اس صورت حال کے مقابلوں میں یورپی و دور میں علماء نے اسلام کے دینی و علمی سرباری کی حفاظت اور مسلمانوں کے دینی تعلق و احسان کو باقی رکھنے کے لئے ایسی مدارس کا قیام ضروری سمجھا جو سماں میں زوال کے بعد مسلمانوں کو دینی و اخلاقی زوال سے محفوظ رکھیں

اور ان میں لیسے علماء تیار ہو کر نکلیں جو اسلامی شریعت و فقہ سے گھری واقفیت رکھتے ہوں، اور ان میں داعیانہ روح اور رضا کارانہ خدمت و اشاعتِ علم کا جذبہ ہوا اور جو حکومت کی اعانت و مدرسپتی کے بغیر اس ملک میں سماں توں کی ویٹی خدمت اور رہنمائی اور علم کی اشتادھن و خاطرات کا فرض انجام دے سکیں، ان مدارس میں دارالعلوم دیوبند کو اولیت اور خاص اہمیت حاصل ہے۔

یہ ادارہ ایک چھوٹے سے مدرسہ کی حیثیت سمجھ کی کوئی اہمیت نہیں تھی تا انہوں نے ایک اس کے ذمہ اروں اور مدرسہ کے اساتذہ کے اخلاص قناعت اور ایثار کی بذلت برابر ترقی کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی حیثیت ایک بڑی اسلامی یونیورسٹی بلکہ بڑی اعظم ایثار کی سب سے بڑی دینی درس گاہ کی ہو گئی۔

اس مدرسہ کی ابتداء سہارن پور کے ایک قصبه دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد (چھتنا والی) میں ۱۸۷۶ء میں ہوئی، ابتداء میں یہ ایک ابتدائی مدرسہ تھا، بعد دیوبند کے ایک بزرگ حاجی محمد عابد صاحب تھے قائم کیا تھا، لیکن اس کی ساری ترقی و توسعہ، شهرت و مقبولیت، حضرت مولانا محمد فاضم ناٹوی کے اخلاص و للہیت، بلند ہمتی و بلند نظری کی وجہ میں ہوتی ہے جو ابتداء ہی سے اس کے انتظام و انصرام میں شریک تھے اور بعد میں تو انہوں نے اپنی ساری علمی و فکری صلاحیتیں اور توجہات اس پر مکروز فرمادیں، خوش قسمتی سے دارالعلوم کو روزاں ہی سے مخلص کا رکن اور صاحبِ ایسا تذہب کا تعاون حاصل رہا، جس کی وجہ سے تقویٰ و طہارت، اخلاص، تواضع اور خاکساری کی روح پورے احوال پر طاری رہی، ان بکمال مخلص اساتذہ میں مولانا محمد یعقوب ناٹوی، شیخ الہند مولانا محمود بن دیوبندی، شیخ عربی الرحمن دیوبندی، مولانا غلام رسول لاہیتی، مولانا اور شاہ

کشمیری، مولانا حسین احمد مدani، مولانا بیدار صفر حسین دیوبندی اور مولانا اعزا راطلی صاحب کا نام ہمیشہ بادگار پہنچے گا، دارالعلوم کا دائرہ عمل روز بروز وسیع سے وسیع نہ ہوتا رہا، اس کی شہرت اور اساتذہ دارالعلوم کے تجھر علمی، صلاح و تقویٰ اور فتنہ حدیث و فقہ میں ان کی مهارت خصوصی کے چرچے دور و پھیل گئے جن کو شُن کر ہندوستان کے مختلف گوشوں سے اور دوسرے اسلامی ممالک سے کثیر تعداد میں طلباء حصول علم دین کے لئے وہاں آئے طلباء کی تعداد آج کل ڈیڑھ ہزار سے بھی زیادہ ہے۔
دارالعلوم دیوبند سے اس کی نشوسلانہ تابعیت میں تحصیل علم کرنے کے لئے والوں کی تعداد دس ہزار سے بھی زیادہ ہے، جن میں پانچ ہزار وہ فارغ التحصیل علماء ہیں جنہوں نے فراغ حاصل کی، پڑوسی ممالک کے فارغین کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے، جن میں یافتان افغانستان، جبوا، بخارا، قازان، روس، آذربائیجان، هزارپا، اقصیٰ، البیشی، کوچک، بتت، چین، جنگل اور بھرالہند، وغیرہ دوسرے ملکوں کے طلباء شامل ہیں۔

ہندوستانی مسلمانوں کی دینی زندگی پر دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی مدد و معاونت کو شششوں کے نمایاں اثرات رو نہ ہوئے ہیں، بدعتات و رسم کی اصلاح، عقائد کی درستی، تبلیغ دین اور فرقہ فناڑ سے مناظرہ وغیرہ میں ان حضرات کی جدوجہد لاائق تحسین ہے، متعدد فضلاء نے سیاسی میدان اور وطن عزیز کے دفاع کے سلسلہ میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے اور حق گوئی و پیاسا کی میں علمائے سلفت کی یاد تازہ کر دی۔

تمشک بالذین مسلک احباب کی سختی سے پابندی، اسلام کی روایات کی حفاظت اور سنت کی مدافعت دیوبند کا شعار رہا ہے۔

لہ یہ تعداد ۱۳۵۷ء کے اعداد و شمار کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔

مدرسہ مظاہر العلوم

شہر سہارن پوری میں ایک وسیعی علمی و دینی درس گاہ مدرسہ مظاہر العلوم ہے، کثرت طلباء اور علومِ دین سے شفعت کے اعتبار سے دارالعلوم دیوبند کے بعد اسی کا نام آتا ہے، اس کی بنیاد ۱۲۸۷ھ میں مولانا سعادت علی حنفی سہارن پوری کے مبارک ہاتھوں سے پڑی، اس کا نام مولانا محمد ظہیرنا توپی کے نام نامی پر (تحفہ تیزی کے ساتھ) مظاہر العلوم قرار پایا، اس کو (باترتیب) مولانا رشداحمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد حنفی سہارن پوری اور مولانا اشرف علی حنفی کی سرپرستی کا انتخوب حاصل رہا، اس کے پاکمال مخلص اساندہ میں مولانا بابت علی، مولانا اغایت الہی، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، مولانا محمد بھیکی کانڈھلی، مولانا عبد اللطیف سہارن پوری، مولانا محمد رالیا اس دہلوی، مولانا عبد الرحمن کامل پوری، شیخ الحدیث مولانا محمد رکیا کانڈھلی اور مولانا اسعد الشریح، کامن خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

مدرسہ مظاہر العلوم اپنی خصوصیات اور وابات، اصول اور عقائد کے حفاظ سے دارالعلوم دیوبند ہی کا ہم سلک ہے، بہاں سے بھی بڑی تعداد میں علماء اور علم و دین کے مخلص خدمت گزار فارغ ہو کر نکلے ہیں، جنہوں نے خاص طور پر فتنہ حدیث کی بڑی خدمت کی ہے اور متعدد کتب حدیث کی تشریحیں ان کے قلم سے نکلی ہیں، بہاں کے اساند و طلباء اپنے ساہہ طرزِ میبشت اور فقاعت اور دینی استقامت میں بہت عمتاز ہیں۔

درس نظامی کے دوسرے مدارس

ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم کے طرز اور اصول پر مادرِ عرب

کی ایک بڑی تعداد ہے جن میں ان مدارس کا نصباب (دریں نظامی) پڑھایا جاتا ہے، اور ان کا دارالعلوم سے علمی رابطہ ہے، ان مدارس نے علم کی اشاعت، عقائدگی، صلح اور مسلمانوں کی دینی خدمت میں بڑا حصہ بیا ہے، ان مدارس میں (شمائی ہند میں) مراد آباد کا درسہ شاہی اور دینی خدمت کا مردسرہ اسلامی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

جماعت اہل حدیث کے بھی ہندوستان میں متعدد مدرسے ہیں، ان میں مدرسہ رحانیہ وہی، جامعہ سلفیہ بنارس اور مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہر یا سرائے (دریں چنگ) خاص طور پر پختاز تھے، تقسیم کے بعد ہمی کا مدرسہ رحانیہ ہند ہو گیا، لہر یا سرائے اور بنارس کے مدرسے جاری اور دینی خدمت میں مشغول ہیں۔

سرکاری اور نرم سرکاری عربی مدارس میں مدرسہ عالیہ ام پور اور مدرسہ عالیہ کلکتہ اور مدرسہ لہور بڑی پیشہ خاص طور پر نعلیمی مرکز ہیں، کسی زمانہ میں رام پور کا مدرسہ عالیہ اور کلکتہ کا مدرسہ بڑے درجہ کی علمی درس گاہیں بھی جاتی تھیں اور اپنے فاضل و گھست مشتنا اساتذہ اور ذی استئناد طلبہ و فضلاء کی بتا پر بڑی وقت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

قرآن اشاعریہ (تبیہ) کے بھی متعدد مدرسے اور یعنی مرکز ہیں زیادہ تر اس فرقہ کے علی و دینی مرکز لکھنؤ میں ہیں، ان مدارس میں سلطان المدارس مدرسہ ناظمیہ اور مدرسہ الاعظیں خاص طور پر مشہور ہیں۔

جنوبی ہند میں (جہاں مسلمانوں میں خاصانہ ہی احساس اور دینی تعلیم کا شافت پایا جاتا ہے) بہت سے عربی مدارس ہیں، ان میں جید رآباد کا مدرسہ نظامیہ عمر آباد کا جامعہ دارالسلام، ویلور کا، ایسا قیات الصاحات "خاص طور پختاز ہیں، کسی زمانہ میں خاص مدارس میں مدرسہ جمالیہ ایک جامع اور ترقی پسند دینی درس گاہ تھی، عرصہ سے

و مظلل ہے اب دوبارہ اس کے احیاء و تجدید کی کوشش کی جا رہی ہے۔

مالیار کا علاقہ جواب ہندستان کے جدید صوبہ کیرالائی شامل ہے اپنے دینی

جوش اور عربی زبان سے شفت اتوں میں سارے ہندستان میں پیش رہا ہے اس علاقہ میں تقدیمی مدارس ہیں جن میں روضۃ العلم، مدینۃ العلوم، حرم السلام اور دوسری درسگاہیں

ہیں جو کافی کٹ اور اس کے مضائقاً و لواح میں فائز ہیں قابل ذکر میں مقامی زبان لیالم اور

انگریزی کے بعد عربی زبان کی درجہ ہے جو نالوی زبان کی حیثیت سے ملاناوں کے اسکولوں و رکابوں میں

پڑھائی جاتی ہے جوکہ تکمیل نے عربی زبان کا نصایب بھی نیا کرایا ہے جو خاصاً کامیاب ہے۔

گجرات میں تقدیمی اور جدید مدارس ہی ان میں ڈاکھیل کا جامعہ اسلامیہ

کسی زمانے میں ایک بڑا تعلیمی مرکز بن گیا تھا جس کے اساتذہ میں دیوبند کے فاضل زرین

اساتذہ علماء اور شاہنشہیری اور مولانا بشیر احمد عثمانی بھی شامل تھے راندیر کا جامعہ شہیری

اور جامعہ انتقالی پچھاپی اور آتش کے مدارس عربیہ اور تکمیل کا فلاح دارین قابل ذکر ہے۔

آزادی ہند کے بعد فائم ہونے والے مدارس میں دارالعلوم جیدر آباد جامعہ قتلہ اسلام

جیدر آباد میں جامعہ سلیل الرشاد بنگلور میں اور ایجمنٹ المحمدیہ بالیگوں میں قابل ذکر

ہیں اسی طرح بعض دوسرے مقامات پر بھی بڑے عربی مدارس اور جامعات ہیں،

بہار میں جامعہ رحمانیہ تو گیر مدرسہ امدادیہ در بھنگ وغیرہ مدارس ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

حضرت مولانا سید محمد علی کاظمیوری نے جن کو عیسائی مشترکوں سے

لئے مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں تشغیل مدارس عربیہ قائم ہوتے رہتے ہیں جن کا احاطہ

شکل ہے مشہور و قدیم مدارس کے نام یہاں تھے ویسے گئے ہیں۔

مناظرہ کرنے کا اکثر اتفاق ہوا تھا، اور جو ایک تبلیغی و مناظراتی رسالہ "تخفیہ محمدیہ" میں شامل تھے، اور ایک حساس اور مطالعہ کرنے والا داماغ کھٹتھے تھے، مجھ سوں کیا کہ پورپک اتنا کا تقابلہ کرنے کے لئے اور تئی طرز کے داعی اور نذر بھی کچے زیجان پیدا کرنے کے لئے قدمیم طریقہ تعلیم قدمیم کلام اور قدمیم نصایب تعلیم کا تھا اور یقین نہیں اس کے لئے ایک حجامت اور حملہ شد نصاب تعلیم ضروری ہے، ہیں میں دُوراز کار قدمیم نظری علوم میں ترمیم و احضار اور جدید یقین علوم کا ضافہ ہے۔ یہ وہ دور تھا کہ مسلمانوں کے مختلف فقہی گروہوں (فقہی شافعی، اہل حدیث) میں مناظرہ کا بازار گرم تھا، جس کے نتیجے میں فقادات، طویل تقدیر بیازی اور مسلمانوں کی ہوا خیزی ہو رہی تھی، انھوں نے مجھ سوں کیا کہ جب تک علماء و فضلاء مدارس میں رواداری اور مستقل قلب اور پڑھنیات و فقہی مسائل میں تو سچ نہ پیدا ہو اس صورت حال کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ انھیں دو تفاصیل اصلاح نصایب اور رفع تزلع بائیمی کے لئے انھوں نے معاصر علماء عحق کے مشورہ سے اڈ لائسنس ایڈمین ندوۃ العلماء کے نام سے ایک انجمن قائم کی، پھر ایک نمودہ کی درس گاہ کی ضرورت مجھ سوں کر کے اڈ لائسنس ایڈمین اور دھکے علی و تہذیبی مرکز لکھنؤ میں رفقاء و علماء کے تعاون سے دارالعلوم تدوۃ العلماء کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان کے اکثر اصلاح پسند اور در و مند علماء و علمائے جدید سر بر آور دہ تعلیم یافتہ حضرت اور ملت کے مختلف نکانتیں خیال کے موقر نمائیدن تھے اس تحریک میں تعاون کیا اور اس کی مجلس انتظامی میں بھیتیت مکن یا اس کے دائرة عمل میں بھیتیت کا کرن شرکیہ ہوئے، ان میں خاص طور پر علامہ مشیلی تھامی اور مولانا جیب احمد خاں شہروانی، مولانا عبد الحق تھامی، مولانا شاہ سلیمان بھجلو اور وی ششی اطہر علی کا کوروی، ششی احتشام علی کا کوروی، مولانا محمد ابراهیم آروی، قاضی محمد سلیمان تھضور پوری، مولانا شاہ الوثر امرتسری

مولانا سر جمیع بخشش، مولانا میسح الزبان خاں (استاد بمحبوب علی خاں نظام دکن) مولانا خلیل الرحمن ہمارا پوری (فرزند مولانا احمد علی صاحب محدث) مولانا حکیم سید عبد الحکیم حسنی ہنوا بسید علی حسن خاں (فرزند نواب صدیق حسن خاں الی یعقوبیان) اور مولانا حکیم ڈاکٹر سید عبد العالی حسنی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء بینی مدارس کی اس ذہنیت سے کہ قدم تعلیمی دگر سے ذرا سا ہٹنا بھی ایک طرح کی تحریف اور بدعنت ہے اور یونیورسٹیوں کی بحث نوازی سے جس کے تحت ہر قدم چیز خیتر اور ہر جدید نظریہ و قیاس اور فقابل احتراز ہے مسے بے نیاز ہو کر نقطہ اعتدال پر قائم ہوا، اس کے باقی قدیم و جدید کے افراط و تفریط، علماء کی ملحدگی پسند کی کمی ہاتا اور ہبھی تشازعات کو مسلمانوں اور اسلام دونوں کے لئے ہلاکت خیر سمجھتے تھے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد قدیم و جدید کے امترزاج اور اعتدال و تو سط کے اصول پر رکھی گئی اذمداد اران ندوۃ العلماء کا جیسا تھا کہ دین ایک ایسی ابدی اور حکم چیز ہے جس بھی کسی تغیر و تبدل کا امکان نہیں لیکن علم ایک تغیریزیر شی ہے جس بھی ہر زورت اور وقت کے تقاضوں کے لحاظ سے نبندی اور صرف واضافہ ہو سکتا ہے دارالعلوم کا مقصد اصلی اہل سنت کے مختلف فرقوں کے درمیان (بوعفائد وارکان دین پیش قدم ہیں) اتحاد و کمپتنی پسید کرنا تھا، تشریع ہی سے ندوۃ العلماء نے علوم اسلامیہ اور انصاب درست تغیریزیر اور حسب صدورت ترمیم و تفسیع کے لائق سمجھا۔

دارالعلوم نے خاص طور سے قرآن مجید کی طرف ایک ابدی پیغام خیاکی حیثیت سے

لہ آخر الذکر پانچ اشخاص کیے بعد دیگر نے ندوۃ العلماء کے ناظم رہے، ڈاکٹر سید عبد العالی حکماں تھاں میں ندوۃ العلماء نہ ہر حیثیت سے بڑی ترقی کی، مئی ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر حفناۓ انتقال کیا۔ وجد الشرقاوی۔

توجہ کی اور تدریجی طریقے سے اور زیادہ مدتِ تعلیم میں اس کو شاملِ نصاہ کیا، عربی زبان و ادب کی تعلیم کی طرف بھی ایک زندہ اور جدید زبان کی حیثیت سے توجہ منعطف کی گئی تک عربی زبان ہی فزان و سنت کے قہم کی طبیعت اور اس کے راز پائی مرتبہ کی این چیز دارالعلوم نے کبھی عربی زبان کو قدم اور مردہ زبان (جس کے لئے اور لکھنے والے اس نیا میں ناپید ہوں) نہیں سمجھا، جب کہ ہندوستان نے اس زبان کے ساتھ یہی سلوک کر رکھا تھا نصاہ درس میں ندوہ نے ان قدم علم کو جو زیادہ مفید نہیں تھے، حذف کر دیا اُن کی مقدار بہت ہی کم کر دی اور ان کی جگہ ایسے جدید علم داخل درس کے عین کی موجودہ دور کے عالمِ دین کو جو ملت اسلامیہ کی خدمت کرنا چاہتا ہو شدید ضرورت پیش آئی ہے۔

دارالعلوم نے شروع ہی سے اس بات کی پوری کوشش کی کہ اسلام کے ایسے داعی و شایح تیار کئے جائیں جو دینِ حقیقت کو جدید دنیا کے سامنے مُؤثر انداز اور جدید اسلوب میں پیش کر سکیں، ندوہ کو بحد الشراطیۃ مقاصد بین قابلِ قدر کا میابی حلال ہوئی اور جوٹے ہی عرصہ میں وہ علماء تیار ہوئے جو جدید دنیا میں اسلام کے لئے قابلِ تقلیل ہیں اُن فضلاء تے اسلامی ادب، علم کلام، تایخ اور سیرت نبویؐ کے موضوع پر تھائیں قہمی علمی سرما فی راہم کر دیا۔

ان فضلاء میں خاص طور پر ولانا سید سلیمان ندویؐ، ولانا عبدالباری ندویؐ، قابل ذکر ہیں، اول الذکر علامہ شبیحی تھامی کے قائم کئے ہوئے علمی ادارہ دارالصطیغین علم گزڈہ کے سربراہ ہے اور اُن کی سربراہی میں ندوی فضلاء تے اس ادارہ میں تایخ ادب اور فکر اسلامی کے موضوعات پر تینی اسلامی لٹریچر پیش کیا، پھر ریاست بھوپال میں پھر پاکستان میں اسلامی امور میں اہم ذمہ داریاں سنبھالیں، ثانی الذکر فلسفہ جدید کے طبقے اتنا ذا اور غمامہ بیرونی جید را باد میں صدر شیرہ ہے اور اپنی بحث پیغام کے

ذریبہ اہم تکری اٹھ پرچھ ملش کیا۔

ندوۃ العلماء کے فارغین میں ان کے علاوہ متعدد اہم ہرے اہل قلم اور فکریں

اوعلیٰ و اجتماعی میدانوں میں کام کرنے والے پیدا ہوئے۔

جهان تک ہر لی زبان ادب کا تعلق ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء صرف خوکیں بن گیا۔

ہے اور اپنا ہی تصنیف کردہ عربی زبان و ادب کا نصاب پڑھانا ہے بلکہ اس کے اساندہ فضلاء کی تصنیف کردہ عربی زبان و ادب کی کتابیں ترقی یافتہ عرب حاکم میں بھی مقبول ہیں اور متعدد تعلیم گاہوں اور جامعات میں داخل نصاب ہیں، اس کے فضلاء و اہل قلم نے دعویٰ و علمی مقاصد کے لئے ایک نیا اسلوب پیش کیا جو عالم عربی میں بھی مقبول و قابل تقلید ہو رہا ہے۔

نصاب نظام تعلیم میں ندوۃ العلماء کا تخلیل اور اقلالی کام

ندوۃ العلماء کا بڑا کارنامہ نصاب تعلیم کا وہ نیا تصور ہے جو اس نے اپنایا اور

بعد میں متعدد مدارس و جامعات نے اس کو تسلیم کیا اور اس کو یا اس کے نقشہ پر نیا نصاب تعلیم جاری کیا۔

یہ نصاب تعلیم عصری جامعات و مدارس میں رائج وقت نصاب تعلیم کے

قابل قبول اصولوں کو قبول کرنے ہوئے تخلیل دیا گیا ہے اور اس تعلیم کی ثبویت کو وحدائیت کے اصول میں پرلنٹ کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ زندگی کے عصری تقاضوں کے مطابق ضروری علوم و معلومات کو بھی شامل نصاب کیا گیا ہے اور نصاب کو اپنے ای تاثویٰ عالیٰ اور علیاً کے تدریجی مرحلہ میں تفصیل کیا گیا ہے، اس میں دینی علوم کو اُن کے

پرے جمیں رکھتے ہوئے صفتی علوم کے جم میں خفت و اضافہ سے کام لے کر نصاب کو
مکش اور امتت کے تقاضوں کے مطابق بنایا گیا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تدوة العلماء کے فارغین میں ایسی خاصی تعداد پیدا
ہوئی جس تے فکر و ادب اسلامی کے کام میں صرف اُردو ہی نہیں بلکہ عربی زبان میں بھی
اپنی صلاحیتوں کا نمایاں ثبوت دیا، ان کی عربی تحریروں اور صرافی کو ششلوں کو
عرب و اشوروں نے بھی سراہا۔

فکر و ادب کے کام کے لئے متعدد اکیڈمیاں قائم کیں، اور تدوة العلماء کے
اصولی تعلیم کے مطابق درجتوں مدرسے اور تعلیمی ادارے ملک و بیرون ملک قائم کئے۔
بیرون ملک اور وہ میں غیابی میں دارالعلوم نور الاسلام جلیالپور بنگلور
میں دارالمعارف الاسلامیہ ملیٹیا میں دارالتربيۃ الاسلامیۃ قابل ذکر ہیں۔

اندر وہ ملک میں دارالعلوم کی سطح پر دارالعلوم تاج المساجد بھپال،
کائنت العلوم اور نگ آباد، جامعہ اسلامیہ بھٹکل، فلاج المسلمين رائے بریلی
متاز تعلیمی ادارے ہیں۔

مدرسہ الصلاح سرائے میر

دارالعلوم کے طرز پر ۱۹۷۴ء میں صاحبِ عظم گڑھ کے قصبه سرائے بھپال میں مولانا حمید الدین
صاحبہ فراہمی نے مدرسہ الصلاح کی بنیاد ڈالی، اس مدرسہ میں تفسیر قرآن اور تہذیم قرآن پر
خصوصیت کے ساتھ توجیہ کی گئی، مولانا حمید الدین صفائی نے اپنی تفسیر میں جس طرز کی بنیاد
ڈالی تھی، مدرسہ کے استاذہ و طلیبہ اسی طرز پر مطالعہ کرنے ہیں، سادہ رہائش اور

تعلیمی فضا کے افتاب سے یہ مدرسہ متباہز ہے۔

جماعۃ الفلاح اعظم گڑھ

اسی کے اصول و طرز پر صلح اعظم گڑھ ہی میں بلیارائخ میں جامعۃ الفلاح کے نام سے بھی ایک ٹی امدرسہ قائم ہوا، جس کی طرف اچھا خاصاً صارجوع ہے اور اس کے تحت پہلوں اور پیچوں کی تعلیم کے لئے ویسے انتظامات ہیں اور قریب ہی میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے نام سے مدرسہ بھی حال میں قائم ہوا ہے اور اس کی ترقی کے بڑے امکانات ہیں۔

دارالعلوم بھوپال

بھوپال ہندوستان کا ایک بڑا تعلیمی مرکز تھا، ۱۹۳۶ء میں ریاستوں کے ضم ہونے پر ایسا نظر آئے لگا کہ نہ صرف بھوپال بلکہ اس پر علاقائی متوسط (موجودہ مدھیہ پردش) میں دینی علم کا چولاغ لگل ہو جائے گا، لیکن بعض درودنڈ اور صاحبِ عزم و پیغمبر علماء کی بر وقت توجہ اس خطرہ کو زائل کر دیا، ۱۹۳۷ء میں مولانا سید سیلان ندویؒ (جو اس وقت فاقہرِ ریاست اور امیرِ حامد احمدیہ کی حیثیت سے وہاں تشریف رکھتے تھے) کی رہنمائی و سرپرستی اور مولانا محمد عر ان خاں حقانی دوی کی بہت وجہ و جہد سے بھوپال کی ویسے سب سارے تاج المساجدؒ میں ندوۃ العلماء کے فکر و تعلیم اور اسی کے نصاب کے مطابق دارالعلوم کے نام سے ایک مدرسہ قائم ہوا جو نصاب طریق تعلیم میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا پیرو اور مدھیہ پردش کا ایک ہم دینی و تعلیمی مرکز ہے اور مولانا محمد عر ان خاں صاحب ندوی کی امارت و نظمات میں کام کرتا رہا ہے۔

عصری تعلیم کے مسلم مرکز

دارالعلوم دیوبند اور اسی طرز کے دوسرے قدیم دینی مدرسے کے مقابل و بحثت ۱۹۴۷ء میں ایک اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مولانا محمد عر ان خاں حقانی دوی کا انتقال ہوا، اب یہ ایک تائیں تیس سالہ اتحادیہ تربیت یافتہ مجاہد تحریر اہتمام چل رہا ہے۔

یونیورسٹیاں ہیں جن کو مسلمانوں نے مختلف اوقات میں علی گرٹھ، دہلی اور حیدر آباد میں قائم کیا، ان یونیورسٹیوں کا قیام مسلم زوجاؤں کو جدید علوم اور غیر ملکی زیارات کی تعلیم اور سرکاری دفتروں میں کام کرنے اور ملک کی ازندگی اور علم و فتنے میں پورا پورا حصہ لینے کے لئے تیار کرنے کے مقصد سے عمل میں آیا تھا۔

مسلم یونیورسٹی علی گرٹھ

ان یونیورسٹیوں میں سب سے مشہور اور قدیم ترین یونیورسٹی جس نے مسلمانوں کے جدید ذہن اور فتویٰ مراجح ویساست کی تکشیل میں اہم ترین حصہ بیان مسلم یونیورسٹی علی گرٹھ ہے اس کا شمار بہنوںستان کی نظیم اور جدید جماعت میں ہے اسے مشہور مسلم رہنماء مرشد احمد خا مرحوم نے ۱۸۵۴ء میں مدرسۃ العلوم کے نام سے علی گرٹھ میں قائم کیا تھا، جو عام طور پر علی گرٹھ کالج کے نام سے مشہور تھا۔

مسلمانان ہندوستان کے انقلاب کے بعد علی اور معاشر تیپتی کا شکار ہو گئے تھے انگریزی حکومت کی فتح کے متبوع میں ان کے اندر فتویٰ طبیعت اور مستقبل کی طریقے پر اعتمادی حام تھی، حکومت مسلمانوں سے بذخون تھی، اور ان کو شہر اور حفارت کی نظر سے دیکھنے تھی، جس کی وجہ سے سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے دروازے ان پر تقریباً بند کر دیے گئے تھے، چند لوگوں میں تک مسلمانوں کے باتیں ملک کی زمام اقتدار تھی، لیکن اب وہ اقتدار اور ملک کے نظم و فتنے سے کیسے دخل کر دیئے گئے تھے، سریش احمد خاں مرحوم نے بڑی حساس اور اثر پذیر طبیعت پائی تھی، انہوں نے مسلمانوں کی قدیم شان و شوکت اور حکومت کا دم و اپسیں دیکھا تھا، مسلمانوں کے ان حالات سے انھیں بڑی تکلیف تھی اور وہ اپنے

ذہن کے مطابق اس صورت حال کی اصلاح کی فکر میں رہا کرتے تھے انہوں نے سوچا کہ جب تک مسلمان اعلیٰ انگریزی تعلیم نہ حاصل کریں گے اپنا معاشر زندگی بلند نہ کریں گے اور انہوں کے طریقوں اور بیاس اور تمرد میں صاحب اقتدار طبقہ کے زنگ میں نہ زنگ چائیں گے اس وقت تک ان کا احساس کہتری دوستہ ہو گا اور نہ ملک کے بیرونی حکمران ان کو و قوت اور مساوات کی نظر سے بیکھیں گے، اسی تجھیں اور مقاصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے یہ درس گاہ قائم کی 1921ء میں یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر کے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے نام سے دنیا میں مشہور ہوئی۔

مسلم یونیورسٹی کو اپنے مقاصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی، پولے ملک سے "مسلم طبقہ اشراف" (ARISTOCRAT) اور کھاتے پینے خوشحال گھروں سے تعلق رکھنے والے طلباء بڑی تعداد میں بیان تعلیم حاصل کرنے آئے اور تعلیم سے فراغت کے بعد انہیں حکومتِ وقت کا اعتماد حاصل ہوا اور بڑے سے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہوئے مسلم یونیورسٹی نے ملک کی سیاسی زندگی پا شخصوص مسلم ریاست میں نمایاں اور ناقابل قراموش حصہ لیا، ہندوستانی متحدة قویت کی تحریک کے مقابلہ میں ملک قویت کی تحریکیں کی قیادت مسلم "طبقہ اشراف" کے ہاتھ میں تھیں میں سے اٹھی، تقسیم ہند کے بعد بھی یہ یونیورسٹی اپنے نام اور بہت سی شخصیات کے ساتھ قائم ہے اور بعض جنتیتو سے اس میں ترقی اور وسعت ہوئی ہے، اس میں میڈیکل کالج، انجینئرینگ کالج اور عصری تعلیم کے دیگر اہم ترین شعبے قائم ہیں، اور یہ مسلمانوں کے تعلق سے ملک کا سب سے بڑا ادارہ اور ان کی یونیورسٹی ہے اور اعظم و صنبط میں اس یونیورسٹی نے دوسری جماعت کے مقابلہ میں اپنا افیا اثبات کیا ہے۔

جامعہ علمیہ دہلی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے چند ہو نہا اقتداء تحریک خلافت کے زمانہ میں یونیورسٹی سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے ۱۹۲۰ء میں ایک آزاد قومی ادارہ جامعہ علمیہ اسلامیہ کے نام سے قائم کیا جس کا نگفیا در شیخ الحنفی مولانا محمد حسن حنفی یونیندی نے رکھا، بعد کو تعلیم گاہ دہلی منتقل ہو گئی، اس جماعت کی قیادت مولانا محمد علی بوجہرہ کے ہاتھ میں تھی اسکے خاص معاونت میں حکیم احمد خان مرحوم اور ڈاکٹر مختار احمد النصاری نے جامعہ کے اسائزہ وطن پرروکا اور ایثار و فربال کے چند باتیں نہماز نظر آتے تھے، عرصہ دراز تک یہ حضرات شہور ماہر تعلیم ڈاکٹر ڈاکٹر حسین خان (سابق صدر جمیع یونین) کی رہنمائی میں مختلف خیالات کے طوفان اور زندگی کی عشرت و مشفت کا مقابلہ کرتے ہوئے جامعہ نے ثقافت و تعلیم اور علم واد کے میدان میں قابل تقدیر خدمتا انجام دی ہیں اس وقت اس کو مرکزی حکومت کی سرپرستی میں مرکزی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے، اس میں ہندو طلباء کا ناسسلیم طلباء سے زیادہ ہو چکا ہے۔

جامعہ علمیہ حیدر آباد

جامعہ علمیہ حیدر آباد کی اس سے بڑی حصہ صیحت تھی کہ وہاں اردو زبان کو بوجہ و نہاد اشنان کی علمی زبان رکھی ذریعہ تعلیم بنایا گیا تھا اور دوسری زبانوں سے جدید علوم، فلسفہ و حکمت، طبیعتی، طب سیاست و معاش اور تاریخ کا بڑا ذخیرہ اردو میں منتقل کر دیا گیا تھا اس کے ذریعے علمی اصطلاحات کو اردو میں منتقل اور وضع کرنے کا غلطیم اشنان کا انجام پایا، اس طرح اعظمیم ادارہ نے اردو زبان و ادب اور علم کی بہت بڑی خدمت انجام دی، اس جامعہ کو

ہندوستان کے بعض لاٹن ترین اساتذہ اور ماہرین فن کی تدریسی خدمتا حاصل رہی ہیں، اس دور انقلاب میں اس کی حیثیت دیگر لوپیوں کی ہو گئی ہے اور اُرد و کی وہ اہمیت بھی اب باقی نہیں رہی۔

ان لوپیوں کے علاوہ مسلمانوں نے جامی اسلامیہ کالج قائم کیے جن میں کچھ امتیازات کے ساتھ سرکاری نصاب اور مقامیں پڑھائے جاتے ہیں، شماںی ہند کے تقریباً نام بڑے شہروں میں ایسے انٹرمیڈیٹ اور ڈگری کالج ہیں اجتوں ہند مدرس اور کیرالا میں بہت سے مسلم کالج ہیں جن میں مدرس کائیوں کا کالج، ترچالی کا جمال محمد کالج، کرتوں کا عثمانیہ کالج، اور نواح کالی کٹ کا فاروقی کالج خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس سلسلے میں عظیم گڑھ کا شبلی کالج بھی قابل ذکر ہے۔

دارالتصفین عظیم گڑھ

مولانا بشلی نعmani نے عظیم گڑھ میں ۱۹۱۷ء میں ایک دینی تصییفی علمی اکیڈمی دارالتصفین قائم کی، اور اس کے لئے اپنا ذاتی یا ش اور بیگنے وقت کیا، ان کی وفات کے بعد اس علمی مجلس کو ہر صدی سے زیادہ دست تک مولانا بیسیلیان ندوی ایگنگرلنی اور رہنمائی کا شرف حاصل رہا، مجلس کے رفقاء نے مدھب تایب اور ادب کے مختلف شعبوں میں

لہ شلامولانا تید مناظر احسن گیلانی مرجم صدر شیعہ دینیات، مولانا عبد الباری ندوی استاد فلسفہ حبیب دینیات، پروفیسر ایاس برٹی استاد معاشیات، ڈاکٹر خلیہ عبدالحکم استاد فلسفہ عربیہ، ڈاکٹر میرزا الدین (فلسفہ)، ڈاکٹر حمید اللہ (رسایا)، پروفیسر بارون خاں شریوانی (رسایا) ڈاکٹر رضی الدین صدیقی (رسایا) ڈاکٹر طلحی الدین قادری نزور (اردو)، ڈاکٹر سید عبد اللطیف (لکھنواری)

مختلف کتابیں تالیف کیں جن میں سے بیشتر لینے پئے موضوعات میں کم از کم اردو زبان میں اولین کتابیں ہیں، اور بعض کتابیں دوسری زبانوں کے اعتبار سے بھی اولین یا منفرد کتابیں ہیں، اور جن سے کوئی کتب خانہ مستحق نہیں رہ سکتا، مشہور علمی اور ادبی ماہنامہ "معارف" بھی دارالمصنفین ہی سے نکلتا ہے، جس کے مدیر مولانا سید سلیمان ندویؒ رہے، ان کے بعد ان کے ممتاز ذی علم شاگردیکے بعد دیگرے ہوتے رہے، جن میں قابل ذکر مولانا شاہ مجین الدین احمد ندوی، مولانا عبد السلام قدوالی ندوی اور سید صباح الدین عبد الرحمن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ندوۃ المصنفین دہلی

دہلی میں ایک اور اہم علمی انجمن "ندوۃ المصنفین" ہے جس کا قیام ۱۹۳۸ء میں عمل میں آیا اور جس نے تاریخی اور ثقافتی موضوعات پر کمی دوستی کتابیں شائع کیں جو بیکار کے علمی و دینی حلقوں میں قبول ہوئیں، اس کے اہم ذمہ داروں میں ادارہ کے ناظم و باتی مولانا مفتی عبیق الرحمن غوثانی اور مولانا سعید احمد کیر آبادی ایم۔ لے جن کی ادارت میں ایک علمی اہنامہ "برہان" بھی بیہاں سے نکلا رہا ہے، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجلس تحقیقات و تشریفات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۹۵۹ء میں یہ ادارہ ندوۃ العلماء کے احاطہ میں چند علماء و اعیان کے

تفاون سے قائم ہوا، اس کا مقصد نئے تعلیم یافتہ طبقہ کو جو اسلام کی واقفیت سے خاصاً دور بیوگیا ہے، اسلام سے اس کی تعلیمات اور اس کے اثرات و احسانات سے متعارف کر انہے، ادارہ نے اس مقصد کے لئے نئے تعلیم یافتہ ذہن کو مطمئن کرنے اور اسلامی تعلیمات سے قریب لانے کے لئے مؤثر لاطریج رائج وقت کی زبانوں میں شائع کرنا شروع کیا، کام کا آغاز ایک کتابچے سے ہوا جس کا نام "نیا طوفان" اور اس کا مقابلہ "تحا، اس کتابچے میں جس سے اس ادارہ کے کام کی اینداہیوں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی اسلام کی تعلیمات سے دوری اور عقائد و اعمال اسلام سے ما واقفیت خطرہ کی حد تک پڑھ جانے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ نئے تعلیم یافتہ طبقہ کا اسلام سے رشتہ کمزور پڑنا حاجرا ہے، اس رشتہ کو بحال کرنے اور مصبوط بنا لئے کے لئے ایسے سجدہ اور مؤثر لاطریج کے تیار کرنے اور اس کو مناسب ڈھنگ سے پھیلانے اور یعام کرنے کی نذر پیرا ختنار کرنے کی ضرورت ہے جس میں اسلامی فکر و ثقافت اور دینی خفائں کو عصری زبان میں اور مطمئن کرنے والے اسلوب کلام میں پیش کیا گیا ہوئہ وقت کی ایک اہم ضرورت ہے جس کے لئے متعدد اہل علم کے توجہ دینے اور محل حل کر کام کرنے کی حاجت ہے، میرا یہ کتابچہ عربی اور دو اور انگریزی تینوں زبانوں میں شائع ہوا، اور بہت مقبول ہوا، اس ادارہ نے اس کے بعد اہم علمی کتب کو تیار کرنا اور شائع کرنا شروع کیا، تقریباً ۳۲ یہ سال کی مدت میں ڈھائی سو سے زائد کتابیں اس ادارہ سے شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں، ان میں سے متعدد کتابوں کے متعدد ایڈیشن بنکے اور ان میں سے کئی کتابوں کے ترجمے انگریزی، عربی، فارسی اترکی، قرآنیسی، اندرونیستی اور بندی

زیانوں میں شائع ہوئے، ان کتابوں نے تعلیم یافتہ طبقہ سے خارج تھیں جس کیا، ان کتابوں کے مصنفوں متعدد ایسے فقہر راصحاب علم ہیں جن کی تصنیفات کو ناقولیت حاصل ہے، کتابوں کے موضوعات تفسیر، حدیث، فقہ، اسرائیلیت تاریخ اسلامی، فکر اسلامی، نہضت اسلامی، اسلامی وغیر اسلامی نظریات کا مقابلہ مسلم مالک کے دعویٰ سفرنا مدعویٰ تقریبیں، اور اس طرح کے متعدد موضوعات پر مشتمل ہیں، انگریزی میں ادارہ کا نام

ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATIONS اور عربی میں "المجمع الاسلامی العلمی" ہے، ادارہ کو چنانے اور اس کے مسائل پر عور و قیصلہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی ہے جس کے ارکان ملک کے متعدد اسلامی الفکر اہل علم و مصنفوں ہیں۔

یہ ادارہ فی الحال دارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں قائم ہے اور ندوۃ العلماء کا اس کو اور ندوۃ العلماء کو اس کا تعاون حاصل ہے۔

مسلم ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ

مسلم ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ مسلمانان ہند کی قیمتی زین تعلیمی تحریک میں کامیابی کیا تھا، اس کا مقصد مسلمانوں میں اشاعت تعلیم اور مسلمان طلبہ کے تعلیمی مسائل و مشکلات کو حل کرنا تھا، مسلمانوں میں علمی و سیاسی پیداواری پیدا کرنے میں اس کانفرنس کا بھی نامایاں حصہ ہے اسی سے ۱۹۷۶ء میں مسلم لیگ کی تحریک بیدا ہوئی، ۱۹۷۸ء کے بعد ملک کے سیاسی و علمی حالات بدیل ہانے کے بعد اس کانفرنس کا کام اور اس کی سرگرمیاں بہت محدود ہو گئی ہیں، اماضی میں ہندستان کی بڑی نامور اور

باونفارسی اور دینی تعلیمی ضمیمیں ادارے سے وایسٹ رہی ہیں میر شاہ محمد خان، نواب فارالملک اور
نواب صدیق ارجمنگ نولانا جیبیں الحسن خان شروانی اپنے اپنے دو بیلے کے سکریٹری اور کرسراہ رہیں ہیں۔

دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی کوسل

ہندوستان نے ۷۶ء میں آزادی حاصل کرنے کے بعد اگرچہ اپنے لئے نامہ ہی طرز
حکومت کا فیصلہ اور اعلان کیا تھا، اور اس کے دستور نے مختلف فرقوں کو مساواۃ درج
دیا تھا اور ان کے بینا دی حقوق کی صفائت کی تھی، پھر بھی بعض ریاستوں نے ایسا نصیحت
تعلیم جاری کیا جو مسلمانوں کے دینی و فہدیہ کی ارزش کا پیش خیمہ تھا اور جو ان کے عقائد
اور بینا دی اصولوں کی بیان کرنے کرتا تھا، مسلمانوں کو ان مختارات سے بچانے کے لئے اور ان کے
لئے وجود اور شعور کو برقرار رکھنے کے لئے دینی تعلیمی بورڈ اور دینی تعلیمی کوسل اتر پردیش وجود
میں آئے، دینی تعلیمی کوسل مختلف مکاتب پر بنائی گئی تھیں، اس کی تدبیح نامیندوں کی رہنمائی میں کام
کر رہی ہے، اس نے سیکھوں کی تعداد میں جای بجا مدارس و مکاتب قائم کئے، جو اپنے اپنے
حلقوں اثر میں دینی تعلیمی سحر کیک چلا رہے ہیں۔

دائرة المعارف جید ر آباد

ہندوستان کے عظیم علمی اداروں میں دائرة المعارف جید ر آباد کو ٹری ایمیت
حاصل رہی ہے، جس نے بکثرت میثاقیت اور اہم علمی و دینی کتابوں کو قریم ترین
کتب خانوں سے نکال کر شائع کرنے کی ذمہ داری لی "دائرة المعارف" کا قائم شاعر

لئے تفصیل مضمون "مسلمانوں کے موجودہ مسائل و مشکلات" میں ملے گی۔

بین عامہ والملک سید حسین بلگرامی، ملائکہ القیوم اور فضیلت جنگ نولانا اتوار اسٹر خاں اس تاذ میر غوثان علی خاں سابق نظام حیدر آباد کی تحریک پر عمل میں آیا، دائرہ نے اب تک حدیث اسماعیل الرجایل نایخ، ریاضیات اور فلسفہ کی طریقہ سو سے زائد ایقونیتی و نادر کرتا میں شائع گئیں جن کو عالم اسلام اور ہندوستان کے علمی حلقوں میں دراز سے فرموش کر جکے تھے، بڑے طریقے علماء اور اہل دروس اور تحقیقی کام کرتے والے فضلاء ان کا نام سننے تھے، دائرہ کی بدولت یہ کتابیں پہلی مرتبہ منتظر عام پر آئیں اور علماء اور تحقیقین نے ان سے قائدہ اٹھایا، دائرہ کی پیغمبری خدمات علمی و دینی اغفار سے بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور وہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک روشن اور لازوال علمی کارنامہ اور ان کے اعلیٰ علمی ذوق اور دینی خدمت کا ثبوت ہے۔

اس غظیم ادارہ کی جلیل القدر خدمات کا اعتزاز مشرق و مغرب کے ممتاز علماء و تحقیقین نے بھی کیا ہے، ۱۹۳۶ء میں جامعۃ ازہر کے علماء کا ایک وفد ہندوستان کے دورہ پر آیا تھا، وفد کے قائد مشہور مصری عالم شیخ ابراہیم الجبانی نے دائرۃ المعارف کے بارہ میں ان الفاظ میں اظہار خیال کیا:-

”هم دائرۃ المعارف حیدر آباد کے ذمہ داروں کی اس کامیاب بحد و بہبود
بڑی قدر و ممتازت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو وہ علم و ثقافتِ اسلامیہ کی نشر و اشتات
کے سلسلہ میں کر رہے ہیں۔“

تفصیلیں علماء و تحقیقین کی فہمیت کتابیں جو عرصہ دراز سے پر وہ خفایہ تھیں۔

لہاس ادارہ نے مولانا بیدار احمد صاحب ندوی، داکٹر نظام الدین اور داکٹر عبد العزیز خاں کی نظمات میں طویل عرصہ تک اپنی گراند مدرسی خدمت جاری رکھی، اور اب بھی وہ اپنی مالی و تصوریوں کے ساتھ قائم ہے۔

اور جن کے نشانات تکمیل پکھے تھے لیکن کتابوں میں ان کے نام گوئی بے تھی
مدد سے ذہن و دماغ ان سے استفادہ کے لئے ترس بہے تھے، دائرہ کے
عاليٰ ہمہت کارکنوں نے ان کتابوں کو نہ صرف ڈھونڈنے کا لال بلکہ تصحیح و
مقابلہ اور مفید اضافوں کے ساتھ انھیں شائع گیا، اس سلسلہ میں انھوں نے
نہ تو اخراجات کی پرواہ کی اور نہ کتابوں کے حصول کے لئے دور راز کے سفروں
میں انھیں جو دشواریاں اٹھائی پڑیں اور قرآن تصحیح و مقابلہ میں جو دلخواہ سوزی
انھیں کرنی پڑی اس کا انھوں نے کچھ خیال کیا۔

دارالترجمہ مرحوم

علمایہ یونیورسٹی جد رآباد نے جب اُردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا
تو ۱۹۳۳ء (۱۴۱۲ھ) میں "دارالترجمہ" کی بنیاد پڑی، جس نے ۳۵۸ کتابوں کے
ترجمہ شائع کئے، ان کتابوں میں تاریخ، جغرافیہ، بیانیات، معافیات، فتویں، عمرانیا،
فلسفہ، منطق، مابعدالطبعیات، تفییات، اخلاقیات، ریاضیات، طبیعیات،
جیاتیات، کمیسری، طب اور انجینئرنگ کی کتابیں شامل ہیں۔
دارالترجمہ کی عظیم خدمات میں علمی اصطلاحات اور اُردو میں ان کے ترجمہ کا
گرانقدر کام بھی ہے جس سے ہندوستان کے تمام علمی و ادبی حلقوں نے فائدہ اٹھایا،
ہندوستان کے متعدد مشاہیر قضا اور ایل قلم اس ادارہ سے مسلک رہے ہیں جن میں
ڈاکٹر مولوی عبدالحق، مولانا عبدالمadjد ریاضی، مولانا عبداللہ العوادی، مولوی

ویجد الدین سلیم پالنی تپی، مولوی عنایت الشدہ ہلوی، مولوی مسعود علی محوی اور
فاضی تلمذ حسین گورکھپوری خاص طور پر فقابل ذکر ہیں۔

"دارالترجمہ" کا سالانہ بجٹ ۱۹۷۸ء میں قوطیہ آباد

کے بعد یہ ادارہ یندر کرو یا گیا اور کتب خانہ میں آگلے گئی جس کی وجہ سے عظیم علمی
سرماہی جس پر کروں روپے صرف ہوئے تھے، تباہ ویربا دہو گیا۔

جماعت اسلامی کا نصاب اور مسلمان یچوں کی ضرورت

ہندوستان کی جماعت اسلامی نے اسلامی لٹریچر کی اشاعت میں قابل ذکر
حصہ ریا ہے، اس کی بڑی خدمت مسلمان طلبہ کے لئے اردو اور ہندی میں اسلامی روح
رکھنے والے نصاب اور درسی کتابوں کی تالیف و ترتیب ہے، جنہوں خاصی مقبولیت
حاصل کی، اور عصری بنیاد پر ابتدائی اوتلانوی تعلیم کی بعض درسگاہیں بھی قائم گیں۔

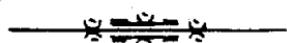
قديم کتب خانے

ہندوستانی مسلمانوں کے علمی ذوق و شفقت کی ایک بادگارا اور ہندوستان کی علمی
عظمت اور شہرت کا باعث اس ملک کے عظیم اشنان قديم کتب خانے ہیں، جو
مسلمانوں نے آخری دور میں قائم کئے۔

ہندوستان کے رؤساؤ نوابوں اور علماء نے بڑے بڑے کتب خانوں کے
قیام پر بڑی توجیہ کی تھی، اور یہاں سیکڑوں کتب خانے مختلف مقامات پر قائم ہوئے
تھے، موجودہ زمانہ میں سب سے اہم کتب خانہ یا کمی پورٹنہ کی خدا بخش لاشربری ہے،

جس میں بڑی تعداد میں نادر اور قیمتی کتابوں اور قدیم ترین مخطوطات اور مصنفوں کے
ہاتھ کی لکھی ہوئی ان کی مشہور عالم کتابوں کے اصل مسودے ہیں، اس کے علاوہ
ریاست رامپور کا کتب خانہ رضالا ابیری سی، کتب خانہ آصفیہ جید رآباد اور نواب
صدر بارجناگ مولانا حبیب الرحمن خاں شرفاںی مسابق صدر الصدرا و امور تدبیہ
جید رآباد کا کتب خانہ، کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند،
مولانا آزاد الابیری سلم یونیورسٹی علی گڑھ، اور ناصر الملک مولوی بیدناصر حسین صاحب
کنتوری لکھنؤی وغیرہ کے کتب خانے خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کتب خانوں سے
استفادہ کرنے کے لئے عرب مالک اور یورپی سے اہل علم اور محققین آتے ہیں، ۱۹۵۴ء
میں جماعت الداعل العربیہ (ARAB LEAGUE) نے اپنے میں الاقوامی کمیٹی
کے لئے ایک وقارن نادر و بیش قیمت کتابوں کی تصویر لینے کے لئے بھیجا تھا جو صرف
ہندوستان کے کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں، اس وقارنے لکھنؤ، رامپور، جید رآباد،
علی گڑھ، ٹونک، عظم گڑھ، پٹیہ، کلکتہ وغیرہ کا سفر کیا اور ان سیکڑوں قدیم نادر
عربی کتابوں کا فوٹو لیا، جو ان ہندوستانی کتب خانوں میں محفوظ ہیں اور اپنی
خصوصیات میں منفرد اور پلے نظری ہیں۔

جید رآباد میں سرسالار جنگ کا عجائب خانہ، نادر، بیش قیمت تاریخی
یادگاروں، سلاطین قدیم، اور شاہانِ مغلیہ اور اطرافِ عالم کی تفییں اشیاء
اور تھائف کا عظیم ترین ذخیرہ ہے، اس کی نظر دور و درستی مشکل ہے۔



ہندوستان کی جنگ آزادی میں

مسلمانوں کا حصہ

مسلمان جنگ آزادی کے فائدہ و نہما

ہندوستان کی تحریک آزادی میں مسلمانوں کا حصہ قدر تری طور پر بہت متاز و خمایاں رہا ہے انہوں نے جنگ آزادی میں قائد اور رہنما کا پارٹ ادا کیا، اس کی وجہ یہ یقینی کہ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کرنا شروع کیا اور فتح رفتہ ایک ایک صوبہ اور ریاست ان کے زیر گلیں آئے لگی اس وقت مسلمان ہی ہندوستان کے فراز ودا تھے، اس سے پہلا شخص جس کو اس خطرہ کا احساس ہوا وہ میسور کا بلند رہنما اور عسیور فرمادا واقع علی خاں میسور سلطان (۱۷۹۹ء تا ۱۸۱۳ء) تھا جس تے اپنی بالائی نظری اور عین معمولی ذہانت سے بیانات محسوس کرنی کر انگریز اسی طرح ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ہم کرتے رہیں گے اور اگر کوئی منظم طاقت اُن کے مقابلہ پر نہ آئی تو آخر کار پورا ملک ان کا القمع تربیں جائے گا، چنانچہ انہوں نے انگریزوں سے جنگ کا قبضہ کیا اور اپنے پوئے ساز و سامان، وسائل اور فوجی تیاریوں کے ساتھ ان کے مقابلہ میں میدان میں اگئے۔

میری ٹیپو سلطان کی جدوجہد اور اولوال العزی

میری پوتے ہندوستان کے راجوں، ہمارا جوں اور نوابوں کو انگریزوں سے جنگ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی اس مقدار سے انھوں نے سلطان نز کی سلیمانی، دوسرے مسلمان بادشاہوں اور ہندوستان کے امراء اور نوابوں سے خطا کتابت کی اور زندگی بھرا انگریزوں سے سخت معرکہ آرائی میں مشغول ہے، قریب تھا انگریزوں کے سامنے منصوبوں پر پانی پھر جائے اور وہ اس ملک سے بالکل بے دخل ہو جائیں مگر انگریزوں نے جنوبی ہند کے امراء کو اپنے ساتھ ملا دیا اور آخر کار اس بجا ہے بادشاہ نے ۱۷۹۹ء کو سر نگاہ پٹم کے معرکہ میں شہید ہو کر سفر و فتح حاصل کی، انھوں نے انگریزوں کی غلامی اور اسیری اور ان کے رجم و کرم پر زندہ رہنے پر یوت کو ترجیح دی اُن کا مشہور تاریخی مقولہ ہے کہ گیدڑ کی صدر وال زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے، "جب جو نل (HORSE) کو سلطان کی شہادت کی خبر لی تو اس نے اُن کی نعش پر کھڑے ہو کر یہ الفاظ کہے کہ:-

"آج سے ہندوستان ہمارا ہے"

ہندوستان کی تابع سلطان ٹیپو سے زیادہ بلند بہت ایالت نظر نہ ہب وطن کے فدائی اور غیر ملکی اقتدار کے دشمن سے آشنا ہیں، انگریزوں کے لئے ٹیپو سلطان سے زیادہ ہمیں اور قابل نفرت شخصیت کوئی نہ تھی، بہت عرصتگ (اور وہ زمانہ ہم نے بھی دیکھا ہے) وہ اپنے دل کی آگ بھانے اور آزادی و جہاد کے اس بہر و کی تذیل و توزیں کے لئے اپنے کتوں کو سلطان ٹیپو

نہ کے نام سے پکارتے تھے۔

جنگ آزادی کا متحده مجاہد

انگریزی حکومت و اقتدار انگریزوں کے تکریر، ملک کی دولت کے استعمال اور اہل ملک کے مذہبی عقائد اور جذبات کی مسلسل یعنی خوتی برداشت کرنے کے بعد ہندوستان کی فوجوں نے ۱۸۵۷ء میں ان کے خلاف علم چھاد بلند کر دیا اس علاقے نے خون من پرالگ کا کام کیا، اور فوراً ہی اس شورش نے عوامی جنگ کی شکل اختیار کر لی جس میں ہندو مسلمانوں نے دوش بد و ش حسمہ بیا، سپاہیوں نے دہلي کی طرف کو رج کیا جو غل سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کی قیام گاہ تھی اور ان کو اس جنگ کا قائد اور رہبا، متحده حبیث الوطنی اور عوامی جدوجہد کا نشان، ہندوستان کا قانونی بادشاہ اور نامور مغل بادشاہوں کا وارث اور جانشین فراپایا، ہندوستان کے کونڈ کونڈیں ان کے نام پر اور ان کے جھنڈے کے نیچے جنگ کی گئی، لوگ ان کو مذہبی اور قومی جنگ کا ہمروں سمجھتے رہے اور دہلي کو آزاد ہندوستان کا یا غیر تخت، کسی کو بھی اس سے اختلاف نہ تھا۔

لہ گاندھی جانے (YOUNG INDIA) کے ایک مضمون میں سلطان کی حبیث الوطنی اور رواداری کا گھل کر اعتراف کیا تھا، اور کہا تھا کہ وطن اور قوم کے شہیدوں میں اتنے بلند مرتبہ کوئی نہ تھا۔

میں افسوس ہے کہ سکھوں نے الویضن ریاستوں کے سربراہوں نے اس جنگ میں حصہ نہیں بیا بلکہ ان کو انگریزوں نے بقاوت کو ناکام بنانے اور کچلنے کے لئے استعمال کیا۔

اس جنگ میں مسلمانوں کا حصہ

باوجود اس کے کہ یہ جنگ آزادی صحیح معنی میں خواہی اور قومی تھی اور ہندو مسلمان سب ان میں شرکیت تھی، اور ہندوستان نے وطن دوستی، اتحاد اور گرجوشنی اور ولوکا ایسا منظر کیا تھا جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی قیادت و رہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا، اچانچ گرا کثرتا میں مسلمان ہی تھے۔

له اس تحركی کی تکری اور عملی قیادت میں عظیم الشخان، بزرگ بخت خاں، خاں بہادر خاں، مولانا احمد الشاہ مولانا یافت علی، حضرت محل پیش میش تھے، ان میں مولانا احمد الشاہ فیض آبادی کی شخصیت بڑی ممتاز تھی، ہمزر لکھناپے "مولوی احمد الشاہ شاہ شناہی ہندویں انگریزوں کا سبکے بڑا دشمن تھا" پندرہت سالہ لکھتے ہیں "اس میں شکنہنی کہ دنیا کی آزادی کے شہیدوں میں، ۱۸۵۷ء کے مولوی احمد الشاہ کا نام بھیش کے لئے قابل احترام ہے گا" (سن تاون ص ۲۰۵)

بالے سن لکھتا ہے :-

"مولوی (احمد الشاہ) ایک بڑا ہی جیرت انگریز انسان تھا، غدر کے دلوں میں پسالار کی جیتیں (اس کی قابلیت کے بہت ثابت ٹھے، کوئی بھی دوسرا آدمی خیز کے ساتھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں نے دوبار سر کالیں کیپ میں کو میدان میں لکھت دی"۔

(HISTORY OF INDIAN MUTINY Vol. IV PAGE 379)

نیزوہ لکھتا ہے :-

"احمد الشاہ سچا تھبت وطن تھا، اس نے کسی نہیں کا خون بہا کر اپنی تلوار کو تاپاک نہیں کیا، بہادری کے ساتھ ڈٹ کر کھلے میدان میں ان پریسوں کے ساتھ (باتی مقہارہ)

انگریزوں کا جوش انتقام اور سزا کی

جنگ آزادی کی یہ کوشنش جب ناکام ہوئی، جس کے اسباب پر بیت سی کتابیں لکھی گئی ہیں، تو انگریزوں نے ہندوستانیوں سے انتقام لینا شروع کیا، اور ہندوستانی قوم کے ساتھ ایسے ظالم و جاہر فحاش کا معاملہ کیا جو رحم و انصاف اور انسانیت کے مفہوم سے نا آشنا ہوا، اس کے نتیجے میں ایسی ہلاکت خیزی اور زیادی پھیلی اور ایسی سفاکی کا منظاہرہ کیا گیا، جس نے چکنیز و ہلاکو کی یاددازہ کر دی، انھوں نے بادشاہ کے تین تجوہان لڑکوں کو قتل کیا، باوجود اس کے کروہ اس سے

(باتی ص ۱۵۱ کا) جنگ کی جنھوں نے اس کے وطن کو چھین لیا تھا، ہر بلکہ کے بھادر اور سچے لوگوں کو چاہئے کہ مولیٰ احمد شاہ کو عزت کے ساتھ یاد رکھیں:

(HISTORY OF INDIAN MUTINY Vol. IV PAGE 381)

ہمہ ملکھتا ہے:-

”چاہے دشمن کتنے ہی درندہ صفت کیوں نہ ہوں، ان کا فائدہ ایک بلند

نقصد کی پشت پناہی کرنے اور ایک عظیم فوج کی رہنمائی گرنے کا ہر طرح اہل تھا“

لہ ہندوستانیوں نے بھی بلا ایمان نہیں یعنی موافق پر انگریزوں کے ساتھ زور دتی ظلم و زیادتی کی شلبائی گناہوں اور گورنوں اور بپوچھ فلی وغیرہ کے واقعات پیش آئے جو ان سے نفرت کے جوش دینا اخلاق کو تندرانماز کرنے یا نظری کی وجہ سے سرزد ہوئے لیکن اس کے بال مقابل انگریزوں نے جو کچھ کیا اس کو جذب، بربریت لاتا سنی تو ان کی پیاس سے کم انفاط سے ادا اہمیں کیا جا سکتا جو کسی ایسی قوم کو تو مطلق زینتیں ہیں دیتا جو علم و تہذیب کی دعویدار ہو۔

پہلے ان کو امان دے چکے تھے، اور الیسی دزندگی اور بربریت کے ساتھ قتل کیا جس سے خود بہت سے انگریزوں کو جھوٹپڑی آگئی، اس کے ساتھ شاہی خاندان کے شہنشہی افراد کو قتل کیا گیا، جس میں مرضی بوڑھے اور اپاہج بھی شامل تھے، انھوں نے باادشاہ کی تذلیل کی اور انہیاً تو ہمین آمیز طریقے سے ان پر مقدمہ چلایا، وہ چاہتے تھے کہ ان کو بھی قتل کر دیں لیکن چونکہ ایک فوجی افسر نے ان کی تزندگی کی ضمانت کی تھی اس کے لئے ان کو تزندگی بھر کے لئے "زنگون" جلاوطن کر دیا گیا، جہاں بہت کس پیری، بیکسی اور تنگی و پریشانی کی حالت میں ان کا استقالہ ہوا۔

غارتگری اور نسل کشی

اب انگریزی افواج دہلی میں داخل ہو گئیں اور اس آبیت کی تغیری سامنے آگئی کہ:-

إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا أَهْلَةَ مُؤْمِنِينَ جب باادشاہ کی ملک میں جاتے ہیں تو

أَهْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَهْرَافَهُ اس کو تباہ و برآد کر دلاتے ہیں اور اس کے

أَهْلِهَا أَذْلَّهُ (سورۃ الملن ۲۴) معزز زوگوں کو ذلیل کرتے ہیں۔

فوجوں کو تین روز تک دہلی کو لوٹنے کی خالی اجازت دے دی گئی اور انھوں نے انہیاً ہبیت ناک طریقے پر اس اجازت کا استعمال کیا۔

جان لارنس نے انگریزی کمانڈر کو دسمبر ۱۸۵۷ء میں لکھا:-

"مجھے لقین ہے کہ ہم نے جس طریقے پر بلا ایسا زمام طبقوں کو لوٹا ہے،"

اس کے لئے ہم پر ہمیشہ لعنت بھی جائے گی اور یقین حق بیانب ہو گا۔"

لہ عروج سلطنت انگلیشی از غشی ذکار اول الشرح ۲ صفحہ ۳۷ (BASWORTH SMITH: LIFE OF LORD LAWRENCE Vol. 2 P. 158)

لہ عروج سلطنت انگلیشی از غشی ذکار اول الشرح ۲ صفحہ ۳۷ (اخذ از ۱۸۵۷ء غلام رسول مہر)

تین روز تک دہلی میں قتل و غاز انگری کا بازار گرم رہا، سترن سے جو ہوتے ہے، خون بہتارہا، اور گویاں مجرم اور بے گناہ کی تباہ کئے بغیر نہ آتی رہیں، گھروں کو دوٹا گیا، جو بھاگ سکا وہ اپنی آبرو لئے اور اپنے اہل و عیال کو ساتھ لے کر دہلی سے بھاگ گیا اور آخر کار وہ شہر جو ایک زمانہ میں عروش ایجاد کیا تھا، اور ہندوستان کا دارالسلطنت تھا بالکل دیران ہو گیا، اب وہاں گئے ہوئے مکاتا، ملیہ، سڑی ہوئی لاشوں اور پھیپھی ہوئے جسموں کے سوا کچھ لظہ رہ آتا تھا، شہر کی تصویر ایک انگریزی کمانڈر (LORD ROBERTS) نے جو کانپور سے فوج لے کر دہلی میں بغاوت کو کچھ کئے لئے گیا ہوا تھا ان الفاظ میں کھینچی ہے، یہ ۲۷ ستمبر ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے، جبکہ انگریزی فوجیں دہلی پر قابض ہو چکی تھیں اور لال قلعہ فتح ہو گیا تھا:-

”صبح کی ایسداری روشنی میں دہلی سے کوچ کا وہ مرحلہ بڑا ہی دردناک

تھا، (لال قلعہ کے) لاہوری دروازہ سے تکل کر ہم چاندنی چوک میں سے گزرے، دہلی حقیقتاً شہر خوششان معلوم ہوتا تھا، ہمارے اپنے گھوڑوں کی سمو کی آواز کے سوا کوئی آواز کسی سمت سے نہ آتی تھی، ایک بھی زندہ مخلوق ہمارا نظر سے نہ گزرا، ہر طرف نیشیں بکھری ٹرپی تھیں، ہر لش پر دھالت طاری تھی، جو بوت کی کشکش نے طاری کر دی تھی، ہر لش تجربہ و تحلیل کے مختلف مراحل میں تھی، ہم چپ چاپ چلے جا رہے تھے، یا بھی لبی گئے ارادہ زیر ب پانیں کر رہے تھے تاکہ انسانیت کے ان دردناک باتفاقات کی استراحت میں خلل نہ پڑ جائے، جن مناظر سے ہماری آنکھیں دوچار ہوئیں، وہ ٹرے ہی رنج افزا تھے، کہیں کوئی کش کسی لعنہ کا برہہ عضو

بعض چوڑ کر کھارا تھا، کہیں کوئی گدھ، ہمارے قریب پہنچنے پر اپنی
گھناؤ نی غذا چھوڑ کر پھر طبقہ مالک پر وہ ذرا دو رجلا جان لیکن اس کا
پیٹ اتنا بھر چکا تھا کہ اٹڑتھ سکتا تھا، اکثر حالتوں میں ہر بڑے زندو
معلوم ہوتے تھے، کسی کے ہاتھ اور اٹھنے ہوئے تھے جیسے کوئی کسی کو اشارہ
کر رہا ہو، دراصل یہ پورا منتظر اس درجہ ہمیت ناک اور وحشت انگریز
تھا کہ بیان میں نہیں آ سکتا معلوم ہوتا ہے ہماری طرح گھوڑوں پر بھی
خود طاری تھا اس لئے کہ وہ بھی بدک رہے تھے اور تھختے پھالا رہے تھے،
پوری فضانتا قبل تصویر حد نک بھیانک تھی جو طری مُصر اور بیماری اور
بدلو سے بری بھی تھی۔

”اسلامی بغاوت“

یہ ایک قبائل عام تھا، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے اس لئے کہ
بہت سے ذمہ ار انگریز یہ سمجھتے تھے کہ یہ اسلامی بھاد تھا اور مسلمان اس بغاوت کے
بانی، قائد اور رہنما ہیں، ایک انگریز مصنف (HENRY MEAD) کہتا ہے:-

”اس سرکشی کو موجودہ محل میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں
دیا جا سکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا لیکن بہت جلد اس کی
حقیقت اشکارا ہو گئی، یعنی یہ اسلامی بغاوت تھی یہ“

لئے 152 (LORD ROBERTS FORTY ONE YEARS IN INDIA) (ترجمہ مأخذ)

۸۵۶ علام رسول ہری ٹھے ایضاً

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے :-

”ایک انگریز کا شیوه یہ ہو گیا تھا کہ مسلمان کو باغی سمجھنا تھا، ہر ایک سے پوچھنا ہر دو ہے یا مسلمان، جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیا۔“

مسلمانوں کا قتل عام

پھر چوتھی کا سلسہ شروع ہوا، عام شاہراہوں اور سڑکوں پر چوتھی کے تنقیت لگا دیئے گئے اور ہجھیں انگریزوں کی نفری و چسپی کا مرکز بن گئیں جہاں آکر وہ پھاتسی پانے والوں کے سکتے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف نہیں بنتے، سکریٹ کش لگاتے اور آپس میں باقی رہتے، جب چوتھی کا کام پورا ہو جاتا اور مظلوم شخص آنڑی سانس لیتا تو ہنسی اور سکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان نصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجہ است اور اشراف تھے، بعض مسلم محلہ اس طرح تباہ کر دیئے گئے کہ ایک فرد بھی یافت نہ بجا۔

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے :-

”تائیں ہر زار اہل اسلام نے چوتھی پائی، ساتھ دن براثت قتل عام رہا اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا سلسلہ تیموریہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، پھر انک کو مارڈا، اور توں سے جو سلوک کیا، بیان سے باہر ہے جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے؟“

بیان لکھتا ہے :-

بہارے فوجی افسر قسم کے مجرموں کو مانتے پھرتے تھے اور کسی درد و نشان
کے بغیر انہیں بچانیساں دے رہے تھے، گویا وہ کتنے تھے یا گیدڑیاں ہیں۔
ادنی اقسام کے کیرے کو طے لے۔

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۴ جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو لکھا:-

”مزائے موت کی سب سے زیادہ مؤثر صورت بہی ہے کہ جنم کو توپ سے
اڑا دیا جائے کیونکہ یہ بڑا ہی خوفناک نظارہ ہوتا ہے لیکن وجود وہ وقت میں ہم
اختیاط پر کاربند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بد معاش مسلمانوں پر ہے ظاہر
کرنے ہے کہ خدا کی مرد سے انگریز ایسا بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے یہ۔“

جہادِ حریت کی قیمت

غرض کر اس جہادِ حریت کی سب سے بڑی قیمت مسلمانوں کو ادا کرنا پڑی اور
انگریزی حکومت کے ذمہ داریا استراناں اور فکریں اور صفتیں یہ سمجھتے رہے کہ
در اصل مسلمان ہی ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے ذمہ دار ہیں اور ان کی آئندہ نسلوں
تک کو اس کا بخیا زہ بھلگتا چاہئے۔

ہنری ہمیلتون نامس (HENRY HAMILTON THOMAS) نے جو بیکال کے ایک

بڑے سویلین تھے اپنی کتاب LATE REBELLION IN INDIA AND OUR FUTURE

میں جو ۱۸۵۷ء کی بغاوت کی آزادی سے صرف ایک سال بعد لکھ گئی ہے،

لہ میں جلد دوم ص ۱۶۶ (ماخذ از ۱۸۵۷ء)

EDWARD THOMPSON THE OTHER SIDE OF THE MEDAL

(1926) P. 40.

مسلمانوں کے بارہ میں انگریزوں کا نقطہ نظر اچھی طرح واضح کیا ہے:-
 میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بانی اور اصل مجرم ہندو
 نتھے اور اب میں یہ دکھائی کی کوشش کروں گا کہ یہ نہ مسلمانوں کی سازش
 کا نتیجہ تھا، ہندو اگر وہ اپنی مرثی اور ذراائع تک حدود ہوں تو وہ
 کسی ایسی یا از منہ میں شرکت نہ کرنے تھے نہ کرنا چاہئے تھے وہ (مسلمان)
 خلیفہ اول کے وقت سے کہ موجودہ زمانہ تک یکسانیت کے ساتھ محفوظ
 غیر وادار اور نظام رہے ہیں، یہ ہمیشہ ان کا مقصد یہ رہا ہے کہ جس ذریعہ
 سے بھی ہوا اسلامی حکومت قائم ہو اور عیا ائمتوں کے ساتھ لفترت کے خلاف
 کی نشوونما ہو مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی
 رعایا نہیں ہو سکتے اس لئے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں۔"

مسلمانوں کی بے خلی اور ملاذِ متوفی سے محرومی

بعد میں انگریزی حکومت کی یہی سیاست رہی اور اسی اصول پر تمام
 بڑے افسروں و مکبوں کے ذمہ دار کاربند رہے کہ مسلمانوں کو حکومت کے کلیدی
 اور اہم متصدی سے علیحدہ رکھا جائے، ان پر معاشر کے دروازے بند کئے جائیں اُن کے
 اوپر اقتاف اور جامداؤں کو ضبط کیا جائے جن سے اُن کے مدارس اور ادارے چلتے ہیں،
 ایسے مدارس کھولے جائیں اور ایسا تعلیمی نظام قائم کیا جائے جس سے مسلمان فائدہ نہ رکھ سکتے۔
 بعض سرکاری اعلانات میں یہ وضاحت کر دی جاتی تھی کہ فلاں فلاں

لئے تفصیل کے لئے دیکھئے ہندو و تائی مسلمان،" مصنف

W.W. HUNTER

جگہوں کے لئے صرف ہندو لئے جائیں گے۔
سر ولیم منہٹن نے کلکتہ کے ایک فارسی اخبار مورخ ۱۲ جولائی ۱۸۶۹ء
کے حوالے سے لکھا ہے:-

۱۰ اس خبر کی کوئی تردید نہیں کی گئی کہ مسلمانوں کے کمشنر نے گورنمنٹ
گزٹ میں اعلان کیا تھا کہ جو ملازمتیں خالی ہوئیں ان پر سوا اُسے
ہندوؤں کے کسی کا تقدیر نہ کیا جائے ۱۰
اس خبر کے بعد تحریر ہے کہ:-

”مسلمان اب اس قدر گئے ہیں کہ آگروہ سرکاری ملازمت پانے
کی قابلیت بھی حاصل کر لیتے ہیں تب بھی انہیں سرکاری اعلانات کے
ذریعہ خاص اختیاٹ کے ساتھ منور کر دیا جاتا ہے، ان کی بے کسی کی
طرف کوئی متوجہ نہیں ہوتا اور اعلیٰ حکام تو ان کے وجود کو نیلم کرنا ہے
اپنی کرسی شان سمجھتے ہیں ۱۰“

مسلمانوں سے پر خاش

مسلمانوں کے معاملے میں انگریزوں کا غصہ اور انتقام بہت نایاں اور
واضخ تھا، ہمبوی سے عمومی الزام یا محض شہر پران کی گرفت کی جاتی اور سخت
سے سخت سزا میں دی جاتی، ہندوستان کی شمال مغرب کی سرحدوں میں
مجاہدین کی اس جماعت سے جو حصار بند تھی، انگریزوں نے بہت سخت جنگ کی
لئے ایضاً مدد ۱۰ لئے ایضاً

اور اس مسلمیں بہت روپی خرچ کیا، اور بڑے نفقات بروادشت کئے، جس شخص کے متعلق شیرہ ہوا کہ وہ اس جماعت یا حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اس پر مقدمہ چلا گیا ۱۲۸۶ھ یا ۱۸۶۷ء میں پڑھنے، تھانیسر اور لاہور کے متعدد علماء، اشراف، اور تجارت پر جو مقدمے قائم کئے گئے اس سے اس لفظ اور کہنہ کا اندازہ ہوتا ہے جو ان کے دل میں پوشیدہ تھا، اور پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں سے انھیں لکھنی پڑھا شدھی، ان میں سے بعض حضرات کو انگریزوں نے دہائی کے نام سے مشہور کیا، مولانا بھی علی، مولوی محمد حبیف تھانیسری، محمد شفیع لاہوری کے متعلق پچانسی کا فیصلہ ہوا اور فتح نے اپنے فیصلہ میں کہا:-

”تم کو پچانسی دی جائے گی اور تھاری ٹکل جائیداً و صبغت سرکار ہو گی
اور تھاری لاش بھی تھا لے وارثوں کو نہ دی جائے گی، بلکہ نہایت
ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جائے گی، میں تم کو پچانسی
پر لکھتا ہو ادیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔“

انگریزا اور ان کی عورتیں پچانسی گھر میں آیا کرتے تھے تاکہ ان مظلوموں کی یہ کسی اور لاچاری دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں اور ان کی پریشانی دیکھ کر خوش ہوں، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ بہت خوش ہیں، اور راہ خدا میں شہادت کا بہت انتیماق اور بہت اطمینان کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں، تو ان کو بہت ناگوار ہوا، دیکھ کر شر انبال نے چیت کو رٹ کا حکم سنایا کہ

”لہ کا لایاں از مولوی محمد حبیف صاحب تھانیسری۔“

ان کی سزا ائے موت کو جلس دوام بعور دریائے شور میں نبیدیل کیا گیا اور یہ
کہا کہ:-

”تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت
سمجھتے ہو، اس واسطے سرکار تھماری دل چاہی سزا تم کو نہیں دے گی
تھماری پھانسی سزا ائے دائم الجلس بعور دریائے شور سے بدال
گئی یہ“

ایسپر انڈ من

اس عجیب و غریب جذباتی طریقہ سے جس کی انگریزی جیسی دستوری اور
جمہوری قوم سے تو قع نہیں تھی ۱۸۶۵ء میں مولانا بھی اعلیٰ، مولانا احمد اللہ عظیم اباد
مولوی عبدالحیم صادق پوری اور مولوی محمد حبیر خان نیسری کو پورٹ انڈمان
روانہ کر دیا گیا، مولانا بھی اعلیٰ اور مولانا احمد اللہ کا انڈمان میں انتقال ہو گیا
اور مولوی محمد حبیر اسال کی فیدیا مشقت اور جلاوطنی کے بعد اپنے طعن اپس
ہوئے، پٹنسہ میں خاندان صادق پور کی تمام جائز دین و عیثہ ضبط کر لی گئیں،
ان کی عمارتیں گرا دی گئیں اور ان پر ہل چلو دیا گیا اور اس زمین پر نیشن سرکاری
عمارتیں قائم کی گئیں، ان کے مقبروں کو تباہ و بریاد کر دیا گیا، یہ سب انتقامی
حدیبہ کے تحت اور دل شفعت آکرنے کے لئے کیا گیا۔

اسی طرح ممتاز اور حلیل القدر علماء کی خاصی تعداد کو انڈمان میں جلاوطنی

لے کا لایا از مولوی محمد حبیر صاحب تھانیسری۔

کی سزا دی گئی، جن میں مولانا فضل حق بیرونی، مفتی عنایت احمد کا کرو دی، مفتی مظہر کریم دربیابادی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا فضل حق بیرونی تو میں انقلاب کرنے اور بقیہ دو عالم طویل عرصہ کے بعد وطن واپس ہوئے۔

تعلیم و سیاست میں پسمندگی کا سبب

یہ پڑھانہ اور غیر معمولی معاملہ جوانگی بیرونی حکومت نے مسلمانوں کے ساتھ کیا وہ مسلمانوں میں تعلیم کی کمی اور ان کو سرکاری ملازمتیں نہ ملنے کا اہم سبب تھا، اپنا دفاع کرنے اور جواز امداد اُن پر لگائے جاتے تھے اُن کی تزویدیں ان کا سارا وقت صرف ہو جاتا تھا، اس کا موقع نہیں ملتا تھا کہ وہ ملکی سیاست میں دخیل ہوں اور قومی شعور اور بیداری میں ملک کے دوسرے باشدوں کے دوش بد و شو جو بیرونی سے ترقی کر رہے تھے اور ان کو حکومت کی وحدت افزائی اور اعتماد حاصل تھا اگے بڑھ سکیں۔

انڈین ٹیشنل کانگرس کا قیام اور اس میں مسلمانوں کا حصہ

۸۸۷ء میں انڈین ٹیشنل کانگرس کا پہلا اجلاس منعقد ہوا جس میں بعض ممتاز اہل علم و اہل فکر مسلمان بھی شریک تھے، کانگرس کا چوتھا اجلاس ۸۸۸ء میں دراس میں ہوا، جس کی صدارت ید رالدین طیب جی نے کی، میر بھاولیں جاہ اس میں شریک ہوئے اور کانگرس کے لئے ۵ ہزار روپیہ کے عطا کیا اعلان کیا، اس اجلاس میں مسلمان ذمہ داروں، اہل ثروت، وکلاء اور زبانوں کی

خاصی تعداد نے شرکت کی۔

سرستہ احمد خاں کا جدراگانہ سیاسی محااذ

مسلمانوں میں تعلیمی تحریک کے رہنماء سرستہ احمد خاں یا انی علی گڑھ کا مج ابتداء میں قومی اتحاد کے حامی تھے، لیکن بعد میں مسلمانوں کی تعلیمی و سیاسی و اقتصادی پسمندگی دیکھ کر انہوں نے اس سے علیحدگی میں بہتری سمجھی اور باہر رہ کر انہوں نے مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ کہیں وہ پر جوش پہنچوں اور انہا پسند بینگالیوں کے اثر میں نہ آجائیں جو انگریزی سیاست پر تنقید اور لپیٹنے حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے، انہوں نے ایک اسلامی محااذ بنتائے کامشوہ دیا اور سیاست سے علیحدگی پر زور دیا اس لئے کہ ان کے بقول مسلمانوں کے لئے عنیٰ اجھیں اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی، اس سے وہ زخم کہن تازہ ہو جائیں گے جو ابھی پورے طور پر متصل نہیں ہوئے اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

علماء کی کانگریس کی حمایت

لیکن آزاد سلم مفکرین کی ایک بڑی تعداد جن میں سرفہرست علماء دین تھے،

لہی طرز اور یہ اندیزی قلک میا شیر غلط تھا، فیصلہ دراصل انگریزی سیاست والان مطربیگ اور ان کے جانشین مسٹر مولیں سے متاثر ہو کر کیا گیا تھا جو عرصہ دراز تک مسلمانوں کے ذہن و دماغ پر چھائے رہے، حقیقت تو یہ ہے کہ سیاست سے کنارہ کشی نے مسلمانوں کے ملی وجود اور قومی زندگی کو بہت نقسان پہنچایا۔

کانگرس کی تائیدا اور بیاسی و قومی تحریکات میں حصہ لیتے کی قائل تھی، اور سیاست کو مسلمانوں کے لئے "شجرہ منودہ" ہمیں سمجھتی تھی، مولانا محمد صاحب لدھیانوی نے ۱۸۸۸ء میں "نصرۃ الابرار" کے نام سے فتاویٰ کا ایک مجموعہ شائع کیا جس میں کانگرس کی حمایت کی دعوت دی گئی تھی، اس پر نہ صرف ہندوستان کے بڑے بڑے علماء بلکہ مذہبی منورہ اور لفاد کے علماء کے بھی دستخط تھے، ان علماء میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ الشریعہ اور مولانا اٹطف الشعلی گڑھی بھی شامل تھے۔

یانچو ان سالانہ اجلاس جو ۱۸۸۸ء میں ال آباد میں ہوا، اس میں بھی ایضاً ممتاز علماء تحریک ہوئے اس طرح مسلمان کانگرس کی جدوجہدیں حصہ لیتے رہے، اور اپنے ہم وطنوں کے ساتھ مل کر اس بڑے قومی ادارے کی تعمیر و ترقی میں صرف رہے۔

جنگ بلقان، اور برطانیہ کے خلاف فکری بغاوت

۱۹۱۲ء میں بلقان کی جنگ پھر طی، اور یورپ میں حکومتوں یا شخصوں برطانیہ کے خلاف (جو اس وقت ان کا بیڑ رہتا) رائے عام میں غم و غصہ کی ایک شدیدیہ رہ دوڑ گئی اور مشرق کے اسلامی یا سی شور کالا و احوال آہستہ آہستہ پک رہا تھا، پھر پڑا، اسی زمان میں مولانا ابوالکلام آزاد نے "الہلال" نکالا جس میں سخت آتشیں مضامین شائع ہوتے اور یورپ کی مسلم دشمن یا ساست پر بڑی فصاحت اور قوت کے ساتھ بھروسہ ترقی کی جاتی، ہزاروں لاکھوں مسلمان ذوق و شوق کے ساتھ اس کو پڑھتے تھے، مولانا محمد علی نے کلکتہ سے (COMRADE) نکالا جو بعد میں ڈبلی نشقی ہو گیا، وہ انگریزی یا سیاست پر لطیف اور طنز آمیز اسلوب میں ترقی

کرتا تھا، اسی طرح مولانا ناظر علی خان کا اخبارِ زیندار" اور دوسرے اسلامی اخبارات کے اور رسانے منتظر عام پر آئے اور ان کے ذریعہ سے پورے ہندوستان میں ایک فکری بغاوٰ یا انقلاب کی آگ پھیل گئی، جس کے نتیجے میں حکومت ہندتے مولانا محمد علی شوکت علی مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حضرت مولانا نو گرفتار گریا۔

مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور ان میں خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کے سلسلے میں مولانا اشیلی نعمانی مرحوم کے حصہ کو نظر انداز تھیں کیا جا سکتا جنہوں نے "الہلال" کی نظموں اور "مسلم گزٹ" کے مضامین کے ذریعہ برطانیہ میں وفاداری کی پائی اور مسلمانوں کی کمزوری بیاست پرست ترقی کی، اور تعلیم یا فتنہ طبقہ کے ذہن کو منمازنز کیا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمود حسن (جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے) انگریزی حکومت اور افغانستان کے سفت نزین مخالف تھے، سلطان ڈیپو کے بعد انگریزوں کا ایسا دشمن اور مخالف دیکھنے میں نہیں آیا، وہ سلطنتِ عثمانیہ کے (جو اس وقت عالم اسلام کی رہنمَا، قائد اور خلافت کی علمی دراصلی) بہت پرچوش حامی تھے اور ہندوستان کی آزادی اور آزاد قومی حکومت کے قیام کے بہت بڑے داعی، وہ ان لوگوں میں تھے جن کی پوری زندگی اس مثل کے لئے وقعت تھی، ان کی ساری اچیسیاں اور ساری اچد و چہرہ اس پر مرکوز تھیں، انہوں نے اس سلسلے میں حکومت افغانستان اور سلطنتِ عثمانیہ کے بعض سربراہیوں

مثلاً اور پاشا وغیرہ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی، ۱۹۱۶ء میں شریعت میں کی حکومت نے ان کو مدینہ منورہ میں گرفنا کر کے انگریزی حکومت کے حوالہ کر دیا، جس نے ان کو اور ان کے چند ساتھیوں اور تاگردوں (مولانا حسین احمد مدینی، مولانا عزیز گل، مولانا حکیم نصرت حسین، مولوی وجد احمد) کو ۱۹۱۴ء میں ماٹا میں جلاوطن کر دیا گیا، یہ جماعت ۱۹۲۰ء تک وہی رہی۔

مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ

مولانا عبد الباری فرنگی محلی (م ۱۹۲۶ء) جو جمیعۃ العلماء کے بانی بھی تھے (محرکی آزادی اور تحریک خلافت کے پڑوش و ممتاز زمیناؤں میں تھے، ان کی ذائقہ اور ان کی لکھنؤ کی قیام گاہ (محل سرائے فرنگی محل) مسلمانوں کی عقیدت و بیاست کا عصنا نک مرکز رہی)۔

رولت رپورٹ

۱۹۱۸ء میں (ROWLETT) کی روپورٹ نشانہ ہوئی جس میں مسلمانوں کو خاص طور پر نشانہ بنا یا گیا اور ان کو بغاوت کا ذمہ دار قرار دیا گیا، اس کا رو عمل ہندوستان کے لئے وہ ہندوستان کے مسئلہ کی تائید اور انگریزوں کے خلاف اس کی جدوجہد آزادی کی حمایت اور امداد کے لئے اور پاشا اور جمال پاشا سے خطوط لینے میں کامیاب ہو گئے تھے اس کے مولانا نے لکڑا گاہ کے تختوں کے اندر چھپا کر اس کا صندوق بنایا اور اس میں لشکمی کپڑے بھر کر ہندوستان بھیجا، جہاں وہ منزل مقصود تک پہنچ گئے، یقظہ لشکمی خطوط کے نام سے مشہور ہوا (ROWLETT) تے اپنی مشہور روپورٹ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

طول و عرض میں بہت سخت ہوا۔

تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد

۱۹۱۹ءیں ہولانا محمد علی اور شوکت علی کو رہا کیا گیا، اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے اتحاد کا بہت شاذ امتنظر دیکھنے میں آیا، دولت انگریزی حکومت کے مقابلہ حکومتِ عثمانیہ کے بارہ میں اتحادیوں کی سیاست کی مخالفت آزادی وطن اور آزاد قومی حکومت کے قیام کے مثاب پر تحدیوں کے اور پوپولیٹی مہدودستان میں بغاوت اور انقلاب کا ایک بال مدد اور گا۔ اس تحریک میں (جس کے نتیجے میں ہندوستان میں سیاسی شعور پیدا ہوا) طائفی جوش اور جمیعت اور انگریزوں سے نفرت کی ایک اہم حصیل گئی، گاندھی جی پوئے عزم اور جوش کے ساتھ تو شرکی ہوئے، انہوں نے علی برادران کے ساتھ سارے ملک کا دورہ کیا، اتنے بڑے بڑے جلسوں کو خطاب کرنے جن سے بڑے اور پُرچش اجتماعات ملک نے اس سے پہلے دیکھنے نہ تھے، اور نہ شاید آیندہ دیکھنے کے عوام ان لیڈروں کا غیر معمونی اور ناقابل بیان گرجو شی کے ساتھ استقبال کرنے اور نعرے لگاتے۔

مولیوں پر انگریزی نظامِ اسلام

ہندوستان کی تحریک آزادی اور خلافت تحریک کے دوران میں سیاستی ڈراجاتی

و مالی نقصان مولیوں کو اٹھاتا پڑا، جو جتوی ہند کی ایک مسلمان برادری ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں مالا باری میں (حوالہ کیرلا کہلانا ہے) آباد ہے، ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء کو مولیوں نے انگریزی حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائے اور ان سلسل زیادتیوں اور اہانتوں کا

جو اب دینا شروع کیا جو عرصہ دراز سے جاری تھیں، یہ بہنگامہ فروری ۱۹۲۳ء کے
دوسرے ہفتہ تک جاری رہا، مولیہ نقوتہ لین کی تعداد کا اندازہ کسی ہزار تک کیا جاتا ہے،
اس بہنگامہ کو فروکرنے کے لئے بڑانوی جنگی جہاز کو حرکت کرنی پڑی، اگست سے صرف
دسمبر تک گرفتہ کا اہلاکھر و پیر بہنگامہ کو فروکرنے والی ہر فروہ، انگریزی مظالم کا
اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ مولپر قیدی جانوروں کی طرح گاڑی میں بھر دیئے گئے تھے
ڈاکٹروں نے بلا اخلاق فیصلہ دیا کہ جس گاڑی میں مولپر قیدی رفے کے لئے تھے وہ ہرگز
انسانوں کے لائق نہیں تھی، ان برقیت انسانوں کی ایک بڑی تعداد گاڑی کے
ان ڈبوں میں گھٹ کر مٹھی، کہابھنے اور پانی پانی کی آواز سن کر بھی رحم نہیں کھایا گیا،
شووش فروہوتے کے بعد بھی مولپر لکنریدوں کی سخت نگرانی اور ان کے ساتھ ذلت آئیز
سلوک جاری رہا، اور عرصہ تک ان کو ان نام شہری حقوق سے محروم رکھا گیا جو ان کو
نظری طور پر حاصل تھے، تحقیقات مالا بار کی سرکاری مکملی کی روپورث میں کہا گیا ہے:-
”کم از کم ۳۵ ہزار مولپر عورتیں اور بچے ہیں جن کی حالت بیدن گفتہ ہے،
اور اگر انھیں فوراً کوئی محقق اولاد نہ پہنچائی گئی تو ان میں بہت سے
فاقت کشی اور امراض میں بتلاہ ہو کر بہاک ہو جائیں گے۔“

ترکِ موالات کی تحریک

۱۹۲۴ء میں گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے یونیورسٹی مال کے باشکات
اور زنان کو آپریشن (ترکِ موالات) کی تجویز پیش کی، یہ بہت کارگر تھیا رجھا، جو اس
لہ آفیس کی میٹی ”تحقیقات مالا بار“ مقرر کردہ مالا بار ایشل کشز۔

جنگ آزادی اور قومی جدوجہد میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اسکے پورا پورا نوٹس لینے پر بھجوہ ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہو جائے اور عامین باوات پھیل جائے، آثار انگریزی حکومت کے خاتمہ کی پیشین گوئی کر رہے تھے اور بڑا ذکر حکومت کی پوری مشتری انسن دوڑ و راز ملک میں بڑی وقت اور پریشانی کا شکار ہو گئی تھی۔

انگریزی سیاست کے ترکش کا آخری تیر

لیکن انگریزی سیاست نے اپنے ترکش کا آخری تیر جو عموماً امشرقی مالک میں خطا نہیں کرنا استعمال کیا، یعنی فرقہ واریت کا اور فادا کا، ایک اُسرائیل نے ایک ہندو بلڈر کو سمجھا کہ ہندو مذہب کی تبلیغ کی جائے اور اس ملک کے جو باشندے مسلمان ہو گئے ہیں ان کو پھر سے ہندو بنا بایا جائے اور ہندو قوم کی مذہبی فوجی اور جنگی بنیادوں پر تنظیم کی جائے اس لئے کہ تحریکی خلافت و آزادی میں مسلمانوں کی برتری ہوتی تھی، قوتِ عمل اور ان کی تنظیم آٹکارا ہو گئی تھی، سیاسی قیادت انہیں کے ہاتھ میں تھی اس لئے کہ وہ مژلوں عوام کو برانگیختہ کرتا تھا وہ اسلامی مسئلہ تھا جس کا براہ راست تعلق مکر خلافت سے تھا۔

شہری، سُنگھٹن اور تبلیغ و تنظیم

یہ وہ نقطہ تھا جہاں سے سُنگھٹن اور شہری کی تحریکیں اور اس کے داعی اور میلن ملک میں پھیل گئے، اسی کے مقابلہ تبلیغ اسلام کا محاذ فائم ہوا اور تنظیم کی تحریک شروع ہوئی، مذہبی مناظروں، تقریروں اور جیسوں کا ایک عیزِ مختار سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کے نتیجے میں برصغیر میں فسادات کی ایک آندھی پل گئی اور پورا ملک اس کی پیٹ میں آگیا۔

اس صورت حال میں اندر طینہ نیشنل کانگریس اپنا کام کرتی رہی اور اس کے اجلاس بھی منعقد ہوتے رہے ۹۲۳ء کے خصوصی اجلاس کی صدارت مولانا ابوالکلام آزاد نے کی اسی سال کا سالانہ جلسہ عام گونا ڈائیں مولانا محمد علی کی صدارت میں ہوا۔

فرقہ وارانہ فسادات کی ملک گیریاگ

فسادات کی اگلی پھیلنگی یہاں تک کہ ایسا وقت آیا کہ ۹۲۴ء میں صرف چند ماہ کے اندر ۲۵ فساد ہوئے، یہ فساد اپنیلک کامو ضموم سخن نہیں اور یہ شخص کی زبان پر دن رات اسکی پڑھنے کا نگریس اور تحریر کی خلافت کے لیڈروں کے پس میں ہمیں تھا کہ ان فساد کو روک سکیں اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو صلح و امن کے اس زمانہ کی طرف لے جائیں جب باہمی اختلاف اور صلح و صفائی کی قضاۓ قائم تھیں یہ کام طرح دولوں فرقوں میں خلیج بڑھتی گئی، پھیلنگی کیمی اور اسی کے مانعوں کے لیڈروں میں بھی علیحدگی کام جہان پرداہ ہماشروع ہوا اور روز پر ڈاماگی یہاں تک کہ ایک دن وہ ایک علمی حقیقت اور علمی ضرورت میں کرب کے سامنے آگیا۔

علیحدگی کا بڑھتا ہوا جہان

لوگوں میں خیال پرداہ ہماشروع ہوا کہ ملک کے قومی لیڈروں میں ہبہ لوطی اور ملکی بخش کا شعبہ سرد ہو رہا ہے اور وہ فرقہ وارانہ کمپوں میں تشریک ہو رہے ہیں وہ تہبی نعروں اور فرقہ وارانہ خیالات و جذبات سے متاثر ہو کر سوچتے ہیں، مسلمانوں کے قومی لیڈر جو سوں کر رہے تھے کہنہ دیکھ رہے (جن کے سربراہ گاندھی جی تھے) فسادات کی روک تھام کے ضروری اقدامات میں قاصر ہیں اور انہوں نے اس ہرم و فیصلہ اور جہد و جہاد اور

جان کی بازی لگا دینے کا اٹھا رہیں کیا جس کی توقع اور ضرورت تھی، اکثریت اور طاقت میں ہوتے کی وجہ سے ان کے لئے اس کا امکان تھا کہ وہ مکمل بغیر جانبداری اور اپنی شدید بیزاری کا اٹھا کر کے اسی پلی ہوئی آگ کو روک دیتے جو ملک کے امن اتحاد کی خفناک فتاویٰ کر رہی تھی۔

یہ خیال صحیح ہو یا غلط، یا اس میں بالقریب کامیاب یا بھر حال اس حساس اور اس

خیال نے بہت سے مسلمانوں کی رجو قومی تحریک آزادی کے رہتا تھا، اور انہوں نے پوری قوم میں آزادی کی تحریک اور انگل پیری کی تھی، اور وطن کی خودرت اور انگریزوں سے مقابله کے سلسلی میں ان کی غیر معمولی اہمیت تھی، کانگرس سے چھپی کم ہوتی چلی گئی، انہوں نے اپنی توجہ اور چھپی کو مسلمانوں کے مسائل پر مرکوز کرنے کو مناسب سمجھا۔

مسلمانوں کا قومی حجاذ اور تقسیم کا مطالیہ

اس طرح مولانا محمد علی اور ان کے بہت سے رفقاء کا انگرس سے علیحدہ ہو گئے اور مسلمانوں کے قومی حجاذ (کیپ) میں شامل ہو گئے، علیحدگی کی تحریک جس کے سربراہ مسلمان لیگ کے صدر رضا طاہری علی جناح تھے، تو پہلی باری گئی، اور اس کو مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی پرچوش حمایت حاصل ہو گئی، بہانہ تک کہ آخر میں اس نے ہندوستان کی تقسیم کا مطالیہ کیا، روزمرہ کی زندگی، حکومت کے دفاتر اور محکموں کی تسلیخ تحریکات، یا اسی شور کی خاتمی اور باہمی تکالیف مسلمانوں کے مطالیہ کو قوت پہنچائی اور بالآخر ۲۷ مئی ۱۹۴۷ء میں مکمل تقسیم ہو گیا۔

مولانا حسین الحمدانیؒ اور جمعیۃ العلماء

ان کثیر التعداد علماء نے جو جمعیۃ علماء ہند سے والیست تھے آخر تک انگریز کا مطالیہ

لے ان علماء میں مولانا مفتی کھایت اثر صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند، مولانا احمد سعید صاحب

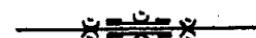
(یاقوت مکتبہ)

اور اپنے پرانے وقت اور طرزِ فکر پر مبنی طبی کے ساتھ قائم رہئے ان میں سے پیشہ میں
مولانا حسین احمد صنادلی (رحمۃ اللہ علیہ) تھے جو انگریزوں سے نفرت و عداوت ملک
کی آزادی سے غیر معمولی شفعت اور عشق اور اپنے اخلاص میں بجا طور پر اپنے شیخ مولانا
محمود حسن حنفی (رحمۃ اللہ علیہ) کے جانشین تھے انھوں نے او جمعیۃ علماء کے دوسرا
ارکان نے مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقہ کی (مسلم لیگ کا حامی تھا) ناراہلگی عصمه اور
توہین خذہ پیشانی سے برداشت کی، مولانا مدینی نے یہ سال سخت مصروفیت اہمک
جنروں جہد اور مشقت میں گزاری، انھوں نے ہزاروں میل کا سفر کیا تھہ شہر قصبه کے
اس تدریت میں ان کی تہبی اور اخلاقی زندگی بے داش اور ہر شب سے بالآخر تھیں ملک کے
اخلاص پر موافق و مخالف سب کا اتفاق ہے جب ہنچتکان آزاد ہو گیا اور ملک کی
آزادی اور اپنی حکومت سے فائدہ اٹھائی کے ترین و بہترین ہواں حاصل ہوئے تو
نتھا انھیں کی ذات تھی جس نے اپنی ذات کے لیے ادنیٰ الفع حاصل کرنا کو ارادہ نہیں کیا،
یہاں تک کہ جب ۱۹۴۷ء میں ان کو صدر جمیعت ہند نے پدم بھوشن "کاعز اعزی خطاب"
دیا تو انھوں نے یہ کہہ کر کہ یہ ان کے اسلام کی روشن کن مخالف ہے اس کو قبول کرنے سے
معذرت کر دی، اس میں نہیں کہ ملک کی آزادی سے انھوں نے جو بلند ترقیات قائم کی تھیں
ان میں سے بہت سی پوری نہیں ہوئیں اور ان کو اس دور میں حصہ ایسے نئے تجربے ہوئے
جس ان کا دل تزویہ بیکن جنگ آزادی کی گھن گھن طولیں ان کے پائے ثابت
بیکھی لغزش اور آزادی کے بعد کے درمیں ان کے اصول و نظریات کی تھیں نہیں آیا۔

(یادی ۲۰۱۸ء) مولانا محمد سیا دہاری، مولانا حضدار الرحمن صاحب اعظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند
مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن ردهیا نوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا آزاد

مولانا ابوالکلام آزاد نے کانگریس کی طویل عرصہ تک صدارت کی اتنی طویل اور انسنی اہم اور نازک مدت کسی اور صدر کے حصہ میں نہیں آئی، ان کے عہد صدارت میں ملک بہت ہی نازک مسائل اور نکبات سے دوچار ہوا، ان کے عہد میں حکومت برطانیہ کے دو وفد (کریپشن اور کیپٹن مشن) ہندوستان کے مشکل کو حل کرنے اور آزادی کی شرائط و تفصیلات طے کرنے کے لئے بھیج گئے، مولانا آزاد نے صدر کانگریس کی حیثیت سے ان مباحثت میں کانگریس کی نمائندگی کی، ان وفد کے عہدوں نے جن کے لیڈر (SIR STAFFORD CRIPPS) نے مولانا آزاد کی ذہانت، قابلیت، بیاسی سوجھ بوجھ اور دستوری پاکیزوں کے فہم و ادراک کا اعتراف کیا۔ ان کے عہد صدارت ہی میں اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں ہندوستان نے آزادی حاصل کی، ان کی کتاب (INDIA WINS FREEDOM) سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کانگریس کی پوری شیفری میں ایک بیدار دماغ کی حیثیت رکھتے تھے، اور اپنی عقل، دوربینی اور طاقتور شخصیت کی وجہ سے اس ادارے پر چھائے رہتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی اور قومی جدوجہد میں ان کا وہ بڑے سے بڑا حصہ ہے، جو کسی قومی لیڈر کا کسی ملک کی آزادی کی خوبیک میں ہو سکتا ہے۔



ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ مسائل و مشکلات

مشکلات اور آزمائشیں قوموں کی زندگی کیلئے ضروری ہیں

دنیا کی ہر قوم مشکلات اور آزمائشوں کے دور سے گزرنے ہے، راہ کی دینشواریاً اور وقت کی آزمائشیں اس کی صلاحیت برقا کی کسوٹی ہوتی ہیں جو اس کی خداداد صلاحیتوں اور پچھی ہوئی طاقتون کو جلا جھشتی ہیں، قوموں کی زندگی میں پیجیدگیاں اور مشکلات "آپ نشاط انگریز" کا اثر رکھتی ہیں اور ترقی و کامرانی کے سفر میں ہمیر کا کام دیتی ہیں جو قویں کبھی مشکلات و مصائب سے دوچار نہیں ہوئیں ان کے اندر نہ تو اصلاح حال کی امتنگ ہوتی ہے تا تحویل اعتمادی کا جو ہر بلکہ رفتہ رفتہ وہ تن آسانی، خود فراموشی اور جمود کا شکار ہو کر صفحہ ہستی سے ناپید ہو جاتی ہیں۔

ہندوستانی مسلمان بھی آج کل ایک آزمائش کے دور سے گزر رہے ہیں اور ان کو اپنی قومی زندگی میں چند دشواریوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان مشکلات میں بعض خود اُن کی اپنی غلطیبوں کا نتیجہ ہیں اور بعض ماضی کا ورثہ اور جعلی یا یعنی کام تھا یا کام تھا، کچھ دشواریاں ایسی ہیں جو ان حادث و اتفاقات کی پیدا کردہ ہیں اور جو چند پر قبل

ہندوستان میں پیش آئے ہیکن اس میں نہ کہ نہیں کہ راہ کی یہ دشواریاں عارضی ہیں اور ہمارے دیکھتے دیکھتے ابتلا کا بہ سوکم گز رجاء والا ہے بشرطیہ مسلمان صبر و صبط سے کام لیں اور مسائل کو ٹھنڈے دماغ سے حل کرنے کی کوشش کریں اور ان کو ایک صاحب تکریمتوازن و فاعل حقیقت پر نہ لیکن بزری والی خوف نیتا (لیڈر شپ) میرا جائے۔ بیان ہم مسلمانان ہند کے چند مخصوص مسائل اور ہم مشکلات کا نامذہ کریں گے، فرقہ والان فسادات اگرچہ اسی زادمانہ ہی جمہوریہ کا سب سے بڑا "المیہ" ہے لیکن ہمار نزدیک یہ ایک عارضی صورت حال ہے جس پر حکومت کے ذمہ اروں کے احساس قردا ہے، حکما کی فرض تناسی اور ملک میں یا سی شعور کی بیداری کو قابو پالیتا چاہئے، اصل تشوبیش اور تکلیف کا باعث وہ مسائل و مشکلات ہیں جو "دینی آخوند" کی طرح مسلمانوں کے علمی وجود کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

دعوت و تبلیغ کی راہ کے حجایات

سب سے پہلا مرحلہ مشکلات ہیں جو جدید ہندوستان میں دعوت و تبلیغ دین کے کام میں پیش آگئی ہی، اس حقیقت سے کون ناواقف ہو گا کہ اسلام ایک عومنی و تبلیغی نہ ہے ہے، پوری دنیا میں اسلام دعوت و تبلیغ ہی کے ذریعہ پھیلا، ہندوستان میں بھی مختلف میلگوں ویانت دار تاجر و مخدار سیدہ بزرگوں اور صوفیا میں کرام کی تبلیغ کی برکت سے جو لوگ مشرفت پا سلام ہوئے ان کی تعداد ان مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہے جو خالص اسلامی ملکوں

لہ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور وقتاً فوقتاً تقریروں، تحریروں، اخبارات، رسائل اور پوراؤں میں آثار ہتھا ہے، اس لئے بیان اس موضوع کو تفصیل سے نہیں چردا گیا۔

مشائج زیرِ عرب، ایران اور ترکستان وغیرہ سے براہ راست ہندوستان آئے اسلام کی بے لوث تبلیغ ہر زمان میں مسلمانانہ ہند کے لئے عنیٰ مروج اور نیا خون فراہم کرتی رہی ہے، تبلیغ ہی کی بدولت اس ملک کے اسلامی کتبیہ میں نئے عربی "مسلمانوں" کا اضافہ ہوتا رہا جنہوں نے آگے چل کر پوسے عالم اسلام پر اپنی ذکاوت اور یقینی صلاحیت پر کاسکے بٹھا دیا میثہو را و میغز ز ترین خالص ہندوستانی گھرانوں کے افراد جو اپنی ذہانت و شرافت میں ہزاری مثل تھے، حلقہ گوش اسلام ہوتے رہے ہندوستانی مسلمانوں میں بہت سی ایسی اہم شخصیتیں ہیں جن کا شجرہ نسب قریب یاد و کہیں نہ کہیں جا کر ہندو خاندانوں سے مل جاتا ہے، اضافی قریب کی شخصیتیں ہیں مولانا عبد الرشید پیاری صاحب "تحقیقہ ہند" مولانا عبد الرشید ڈی، ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا شناع الشرام ام تسری اور شیخ التفہیم مولانا احمد علی لاہوری قابل ذکر ہیں بہت کم مسلمان اس حقیقت سے واقع ہوں گے کہ حضرات ان ہندو خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے جو بعد کو اسلام لائے بلکہ ان میں سے بعض حضرات تو وہ ہیں جن پر خدا نے اسلام کی حقیقت آنکھ کار کر دی تو وہ بذاتِ خود مشترق باسلام ہو گئے۔

تبلیغ اسلام کا یہ سلطہ مسلمانوں کے لحیر کو در حکومت تک اور پھر اگر یہ حکومت کے آخری زمانہ تک کامیابی کے ساتھ جا رکارہا، ہر سال کیتی تعداد میں غیر مسلم ہر رضا و رعنیت حلقہ گوش اسلام ہوتے رہے، کیونکہ اسلام اپنے حکیمانہ اصول تو یہ خالص کے عقیدہ، عدل و انصاف پسندی اور سماواتِ عامہ میں دوسرے نام نہ ہے بے ممتاز تھا، طبقاتی تقاؤت، پھکوٹ چھات اور نجاست وغیرہ جیسے عقائد کا اس کے اندر کوئی نصویر نہ تھا، قرآن مجید، سیرت رسول اور اسلام کی تعلیمات دلوں کو فتح اور

و مانعوں کو تسلیم کر رہی تھیں، اگر حالات کی رفتار یہی رہتی تو بہت ممکن تھا کہ اسلام بر صافیر نہ بلکہ پوسے بر عظم ایشیا کی عظیم ترین ندی سی طاقت بن جاتا، لیکن مسلمانوں نہند اور پرا دراں وطن کے درمیان بیاسی سورک آرائی شروع ہوئی جو بعد کو اس حد تک بڑھ کر دلوں فرقوں کے دلوں میں ایک و سرے کی طرف سے لنفتر و عداوت کی الگ بھر کیا تھی اور نکوک و شہادت کی مقابل عبور دیواریں درمیان میں حائل ہو گئیں جس کے نتیجے میں ملک کی تقسیم عمل میں آئی اور "جمہوریہ ہند" اور "جمہوریہ پاکستان" کے نام سے دو آزاد حکومتیں قائم ہو گئیں، ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ ملک کی تقسیم صحیح تھی یا غلط یا یہ کہ اس کا کوئی دوسرا نتیاں حل نکل سکتا تھا یا نہیں؟ اور کیا وہ حل قابل عمل بھی تھا یا نہیں؟ یہ سارے مباحثہ ہندوستان کی بیاسی تاریخ تکھنے والوں کے لئے چھوڑتے ہیں جو آزادی، یعنی جانبداری اور تفصیل سے ان پر روشنی ڈال سکیں گے نہیں جو کہتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس بیاسی فضائی و خصوص حالات کی پیدا کردہ تھی یا جسے ہندوستان نے باولن تا خواستہ یا پرضا و رغبت اختیار کیا تھا، دلوں فرقوں کے دلوں میں ایک و سرے کے خلاف نکوک و شہادت کی نہ ملے والی تحریک پیدا کر دی، ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی چیزوں کو لنفتر و خمارت کی نظر سے دیکھتا ہے خواہ ان چیزوں کا تعلق قرآن تعالیٰ کے مذہب و عقیدہ سے ہو یا نہیں قرآن اور افکار و خیالات سے ہو، چنانچہ یہ حدیث نفتر ہندوستان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں سبی ٹری رکاوٹ بن کر سامنے آیا اور اسلام کے بارہ میں اب عام تصور یہ ہو گیا ہے کہ وہ ایک ایسے ملک کا سرکاری مذہب ہے، جو فریق مقابل کی حیثیت رکھتا ہے یا اس قوم کا مذہب ہے جس سے عاصمہ تک

یاسی کشمکش، فرقہ والانہ جنگلیں پار بیانی مباحثت ہوتے رہے ہیں ان کی ایاد اب تک ذہنوں میں تازہ ہے بعض اوقات پاکستان کی ایسی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں، جن سے یہ زخم گھٹن تازہ ہو جاتے ہیں۔

یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت بڑی دشواری ہے، لیکن اس یہ نکلنہ کر زمان جیسے جیسے آگے بڑھے گا، ہندوستان و پاکستان کے تعلقات جس قدر بہتر ہوں گے اور جذبات پرقل و خرد کی گرفت جتنی مضبوط ہوتی جائے گی اسی قدر اس شکل کے حل کے سامن فراہم ہوں گے اور اسلام از سر نو ہر دل عزیزی اور محبو بیت حلال کرے گا بشرطیکہ مسلمان دعوت و نسلیت کا کام حکمت عملی خلوص اور یہ غرضی سے کریں اُن کے سامنے کوئی سیاسی مقصد یا اقتدار کی ہوں اور قومی برتری کا خیال نہ ہو، مرض وہ رایت، خدمتِ خلق، وعظ و ارشاد اور یعنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی اور فضلت، انھیں دنیا و آخرت کی ہلاکت خیزیوں سے نجات دلانا ان کے پیش نظر ہو، ہندو اور دوسری علاقائی زبانوں میں سیرت نبوی اور اسلامی تعلیمات پر قتل دل آویز اور فکر انگلیز لٹرچر جدید اسلوب نگارش میں ہندوستانی سماج کے سامنے پیش کیا جائے اپنی روحانی و اخلاقی صلاحیتوں کا ثبوت دیتا، اس ملک کے ساتھ اخلاق و محبت اور اس کی ترقی و تحولی کے لئے جدوجہد بھی نہایت ضروری چیز ہے۔

جارحانہ اور حرف ایک مذہب و تہذیب کی نمائندگی کرنے والا نظام علم دوسرا مل موجودہ نظام تعلیم کا مسئلہ ہے، یہ عملہ بھی مسلمانوں کی قومی و ملی زندگی

اور ان کے مستقبل کے حادثے کچھ کام اہم نہیں ہے کیونکہ تین دین کی راہ میں جو شواریا کی
دیش ہیں ان سے تو صرف اسلام کی نسلی سرگرمیوں کو فقصان پہنچنے کا خطرہ
ہے، لیکن تعلیم کا مثلہ تو مسلمان اہند کے قومی ولی وجود کے لئے ایک مستقل خطرہ ہے،
جس سے ان کے مخصوص کچھ مخصوص تہذیب اور مخصوص عقائد پڑھنے ہے۔
جمهوریہ ہند کے سیکولر دستور میں نام فرقوں اور قوموں کے مذہب اور کچھ
اویفیہ کی صفائح دی گئی ہے، اس دستور کی نظریں ملک کے مختلف فرقے اور
آبادی کے مختلف العقیدہ عناصر برا بریں ایہ دستور ایک ایسے ملک کے لئے جہاں
متعدد قومیں، مختلف مذاہب اور مختلف تہذیبوں کے لوگ رہتے ہیں موزوں زین
دستور ہے، اس ملک کے لئے وہی نظام تعلیم موزوں ہو گا جو کسی مذہب و عقیدہ کی
طرفداری اور سرپرستی نہ کرے بلکہ ملک کے تمام مذاہب کو ایک نظر سے دیکھے اور
سب کی تعلیمات کا جامع ہو، لیکن چونکہ ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک
کے لئے ایسا جام نصاب تعلیم غالباً ممکن نہیں لٹھا بہتر پر نھاکار نصاب تعلیم بالکل
غیر تہذیبی ہوتا، جس میں کسی مذہب کی وکالت ہوتی نہ ترویج بلکہ اس کا دائرہ
صرف تہذیبی و ثقافتی معلومات یاد و سری تعلیمی ضروریات تک محدود رہتا،
ہندوستان کے دستور سازوں نے اپنے فہم و بصیرت کا ثبوت دیا اور دوسری صورت
یعنی سیکولر نظام تعلیم کو ترجیح دی، یہی نظام انگریزوں کے دور حکومت میں بھی
راج ندا، درحقیقت اس طرح کے نظام میں نہ تو کسی فرقہ کو کوئی اعتراض ہو سکتا
ہے نہ شکایت مسلمان بھی اس صورت حال سے مطمئن رہتے لیکن نہایت اقوس
کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تعلیمی نظام کے بارہ میں حکومت کی تذکرہ پالیسی دستور کے

صفحات کی زینت بن کر رہ گئی پھر اس کا دائرہ سرکاری اعلانات تک محدود رہا۔ نصاب تعلیم مرتب کرنے والوں اور نصابی کتابیں تیار کرنے والوں ملک کی تمام ریاستوں بالخصوص اُتر پردیش میں اس پالسی کے باکل برعکس اکثریت کے عقائد دیوی دیوتاؤں کے قصہ اور ہندو دیوالا (MYTHOLOGY) سے نصاب کی کتابوں کو بھر دیا، ظاہر ہے یہ بات تمام عقائد اسلامی تعلیمات بالخصوص عقیدہ توحید اور ذات باری کے بارہ میں مسلمانوں کے جو عقائد ہیں اُن سب کی نظری کرتی ہے نیز قرآن مجید میں الشَّرْقَیَ الْغَرْبَیَ عظمت و جلال، قدرت و کمال اور کبریا وجبروت کے جو اوصاف بیان کئے گئے اسی اور نبوت و رسالت کے بارہ میں اسلامی عقائد سے بھی ان خیالات کا کھلا ہوا تصادم اور تضاد ہے۔

محضر یہ کہ نصاب کی ان کتابوں کو دیکھ کر بیخیاں ہوتا ہے کہ ان کے مصنفوں غائب ہندوستان جیسے کثیر المذاہب ملک کو صرف بہمنوں کا ملک سمجھتے ہیں، اور انھیں کے دیوتاؤں، تہواروں، ہیلوں، عبادت خالوں نہیں سماجی روایات اور ان کے دینی مرکزوں کو اہمیت دیتے ہیں۔

مطالعہ کے لئے جو کتابیں مقرر کی گئی ہیں اور جن کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ اپنی ماضی کی تایخ اور اہم شخصیات سے واقعہ ہو سکیں وہ بھی ایک مخصوص قوم کی شخصیتوں پر مشتمل ہیں جن کے مصنفوں نے سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت بڑی سے بڑی اسلامی شخصیت کے ذکر سے احتراز کیا ہے پوچھے اسلامی دوڑیں اُن کو نہ تو کوئی خدا شناس صوفی، نہ کوئی عدل گستربادشاہ، نہ لائن و سنور ساز، نہ ماہر نظم و سبق، نہ بنیجہ عالم بل اجو ان کتابوں میں قابل ذکر کے سمجھا جاتا، حالانکہ

ہندوستانی زندگی کے ہر گونو شہ میں بہ کثرت ایسی اسلامی شخصیتیں گزر رہی ہیں، جن پر ہندوستان بجا طور پر فخر کر سکتا ہے جو تاریخ ہند کی زینت ہیں اور جن کے تذکرے نوجوان طلبہ میں یہست و عمل کی قوت پیدا کر سکتے ہیں اور غرض کر ان مصنفوں نے اسلامی دو کی شخصیات کے ساتھ بالکل اجنبیوں اور غیر ملکیوں جیسا سلوک کیا اور الگ الگ کسی اسلامی شخصیت کے تذکرہ کی توفیق بھی ہموئی نواسے اس انداز سے پیش کیا جس سے اس کی کھلی توہین ہوتی ہے، حدیب ہے کہ انسانیت کے عظیم ترین محسن و معاپتیہ اسلام کی ذاتِ گرامی کے تعارف میں ایسے نامناسب نازیبیاں کلمات بعض کتابوں میں موجود ہیں اخنواریخی مسلمات کے بالکل خلاف اور شدید جہالت اور عصوب پرمیانی ہیں اور کروڑوں مسلمانوں کو "یون" کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے جس کے معنی پچھے پیچ یا پر دیسی کے ہیں۔ کسی جبری نظام تعلیم میں جس کا پڑھنا مسلمان بچوں کے لئے ضروری ہو، ایسی کتابوں کا داخل نصاب ہونا مسلمانوں کے لئے سخت تکلیفت وہ امر ہے جس سے انہیں اپنے مذهب اپنے وجود میں اپنے عقیدہ اور اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کے لئے شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے، خصوصاً اس وقت جب کہ مسلمان اس ملک کو اپنا وطن سمجھتے ہیں اور بھیاں رہتے اور ملک کی خدمت و ترقی کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کرنے کا عہد کر چکے ہیں۔

مسلمانوں کو اپنے بچوں کے لئے ذہنی اور دینی ارتقاء کا بخطرہ نظر آ رہا ہے،

وہ محض وہم و تخيّل پرمیانی نہیں، واقعات اور آثار اس کی تصدیق کرتے ہیں ان جملوں

لئے ملاحظہ ہو، "ہمارے پروج" برائے درجہ ۶، ر، ۸

میں بھی موجودہ نظام تعلیم کا گہر اثر پڑا ہے، اور اسلامی تہذیبی ثقافت سے جن کا تعلق نہیں رہ سکا اس تعلیم کے اثرات نمایاں ہونے لگے ہیں، خاندانوں کے عصوم بچے اور بچیاں غیر اسلامی اور صریح مشرکا د عقائد و رسم سے تأثر نظر آنے لگی ہیں، جو مسلمانوں کے لئے بڑی تشویش اور ذہنی کشمکش کا سبب ہے۔

اس میں شبہ نہیں کریے صورتِ حال مسلم طبقہ کے لئے سخت پریشان کن ہے، اسی عرض سے یوپی کے صلح بستی میں ۳۔ ۳۔ ۱۹۵۹ء کو ایک عظیم الشان تعلیمی کالفرنس منعقد ہوئی جس میں ہر کتب فکر و خیال کے تقرباً بین ہو سلمانیہ کے شرکیہ ایک ہوئے جھوٹ نے بااتفاق رائے حکومت ہند سے مطالیک کیا کہ سکاری انصاریم میں ضروری اصلاح کی جائے اور ان اسماں کو جو اسلامی عقائد کے خلاف ہیں اور محض ایک مخصوص نہیں اور اس کی تابعیگی کی نمائندگی کرنے ہیں، خارجِ نصاہ کر کے دستور ہند کے منظور کردہ نظام تعلیم کے یکو رکدار کو بچایا جائے۔ اس کالفرنس نے فارغ اوقات میں مسلمان بچوں کو دینیات کی تعلیم کے خلیفہ اور صباحی مکاتب کے قیام کا فیصلہ کیا، تیز ایسے مدارس کے قیام کی تجویز بھی منظور کی گئی جن میں ان ضروری مضامین کے ساتھ ساتھ جو حکمکہ تعلیم کی طرف سے منتظر تھدہ ہیں، ضروری دینی تعلیم کا انتظام بھی کیا جائے، ریاست کے مسلم حلقوں میں اس کالفرنس کا بڑا اچھارہ عمل ہوا، کالفرنس کی منعقدہ شاخیں صوبہ کے مختلف مقامات پر قائم کی گئیں، اور بڑی بڑی کالفرنسیں منعقد ہوئیں، اس طرح سے یہ ایسا مقصد دین گیا جس پر مسلمانوں کے تمام افراد، افکار و خجالات کے ہر طرح کے اخلاقات کے باوجود متحداً متفق ہیں۔

اُردو زبان کا مسئلہ

ہندوستانی مسلمانوں کا دوسرا مسئلہ زبان کا مسئلہ ہے، اور اردو زبان ہندوستان کی مختلف قوموں، مختلف تہذیبوں اور مختلف طبقوں کے اختلاط سے وجود میں آئی، اس کی ساخت اور خمیر میں تین چار قیم زبانوں سنکریت، عربی، فارسی اور ترکی کا حصہ ہے اگر یہی ہمدرد حکومت میں اس زبان میں اگر یہی زبان کے زبان زد الفاظ اور اصطلاحات بھی داخل ہو گئے اس طرح سے اردو کی حیثیت ہندوستانی قومیت کے صحیح ترجان کیسی بٹھائی اور جلد یہ یہ زبان عوام کی زبان بن گئی، ہندوستان کی مختلف قوموں نے مل کر اسے علمی ثقافتی اور ادبی زبان بنا یا اور پھر ملک کی صحافت اور سیاسی مدد و چون رکی آئینہ دار بھی یہی زبان بنی، ملک کے مختلف حصوں اور آبادی کے مختلف عناصر میں باہمی تبادلہ و تجھیں اور مقامات کا سب سے بڑا ذریعہ اور ملک کی سب سے مقبول زبان بھی یہی ثابت ہوئی، یوپی، بہاری، پنجاب، جنگل آباد، وہلی اور اس کے قریب جوار کے باشندوں کی توبہ مادری زبان ہے، بعض اگریزی اخبارات کے بعد سب سے زیادہ پڑھتے جانے والے اخبارات اسی زبان میں تکتے ہیں۔

اردو ملک کی (اگریزی کے بعد دوسرے نمبر کی) سرکاری زبان تھی، جو عدالتون، سرکاری دفاتر اور اسکولوں میں راجح تھی، سالنگوڑیو، پی سر انٹوئی میکڈ انڈڈ (SIR ANTHONY MAC DONALD) نے اتوں اتوں ہندوستانی کو عدالتی زبان قرار دیا اور دلوں زبانوں اور ان کے بولنے والے ہندو مسلم فرقوں کے درمیان

تفریق و عداوت کا بیچ یو یا، ہندوی نے ۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ میران میں آئی۔

۱۹۷۴ء میں ہندوستان کی تقسیم عمل میں آئی، جبکہ ہندوی ہندو کے مستور نے دفعہ ۳۲ کے ذریعہ فیصلہ کیا کہ "یونین کی سرکاری زبان دیوناگری ای رسم الخط میں ہندوی ہوگی" اس کے علاوہ مستور نے ملک کی چودھ بڑی زبانوں کو جن میں اردو بھی شامل ہے، ہندوستان کی تسلیم شدہ زبانیں تسلیم کیا اور فیصلہ کیا کہ اس زبان کو جس ملک کی مختاری تعداد پر لقی ہے تسلیم کیا جائے گا اور اس کے بولنے والوں کو مطالبہ کرنے پر اپنے بچوں کو اسی زبان میں تعلیم دلانے کی تمام آسانیاں فراہم کی جائیں گی، لیشتر طبقہ صدر جمہوریہ اس تعداد سے مطمئن ہو جائیں چنانچہ مستور کی دفعہ ۳۲ میں کہا گیا ہے:

"اگر ایسا مطالبہ کیا جائے اور پریسٹرنٹ کو اس بات کا لفظیں ہو جائے

کہ کسی ریاست کی آبادی کا ایک عقول حصہ چاہتا ہے کہ اس زبان کو استعمال کرے جو وہ بولتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ریاست بھی اس کو تسلیم کرے تو انھیں یہ اختیار ہے کہ وہ یہ ہدایت کریں کہ الی یہ زبان تمام ریاست میں یا اس کے کمی حصہ میں ایسے کاموں کے لئے جن کی وہ تصریح کر دیں سرکاری طور پر تسلیم کی جائے"

لیکن ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں باخصوص یو، پی او ڈی میں جو اردو زبان کا مرکز ہے، بھاگ اور دادی نے ترقی و نشوونما کی مذکوریں طے کیں، اس زبان کو دیں نکالا جے دیا گیا، تعلیم کے انتدابی اور تالوی مرافق میں بھی اسکا وجود برداشت ہیں کیا جاسکا، ان تمام مرافق میں صرف ہندوی کو دریجہ تعلیم دیا گیا، خواہ طلبہ کی اداری زبان اردو ہی کیوں نہ ہو، اُپر پر دلیش کے حکماء تعلیم نے اس فیصلہ پر اس تذہ

کے ساتھ عمل کیا کہ پوری ریاست میں اردو عمل امنوںع قرار پا گئی، بہانہ تک کہ ایسے ایشی تعلیم کے لئے بھی اس کی کجناہ باقی نہ رہی۔

یہ صورت حال ملک کے ان تمام طبقوں کے لئے جن کی زبان اردو ہے سخت تکلیف دہ ثابت ہوئی کیونکہ ان عناصر کا نہ ہی اور تہذیبی مستقبل ہی اس زبان سے والبستہ تھا، چنانچہ حکومت کے روایتی کے خلاف اردو بولنے والے عوام میں غصہ کی لہر دو گئی، خاص طور پر مسلمانوں کو تو بہت ہی صدمہ ہوا، کیونکہ اردو کے خاتمه سے تصرف یہ کہ اُن کا سماجی و ثقافتی ترقیان تھا بلکہ اُن کے عقیدہ اور ندیہ کے مستقبل کا بھی سوال تھا، اردو زبان ہی اسلامی ثقافت و تہذیب سے رابطہ کا تنہا ذریعہ تھی، اس زبان میں ہندوستانی مسلمانوں کا سارا مذہبی لٹرجھر ہے، اس کا رسم خط عربی رسم خط سے قریب تر ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید پڑھنے میں آسانی ہوتی ہے، اس زبان سے مسلمانوں کی محدودی کا مطلب اُن کی قومیت، ثقافتی امتیاز اور مذہبی سرمایہ کی بریادی تھی، چنانچہ اردو والوں نے مل کر حکومت کے اس روایتی کے خلاف پُر زور اخراج کیا جس کے نتیجے میں مرکزی حکومت نے ۱۹۴۷ء کو ایک اعلانیہ کے ذریعہ ریاستی حکومتوں کو مشورہ دیا کہ:-

”جو نیز بیادی منزد تعلیم اور امتحان کا ذریعہ پہنچ کی مادری زبان ہوئیا
چاہئے، جہاں علاقائی اور سرکاری زبان سے ما دری زبان مختلف ہو،
وہاں ما دری زبان ہی تعلیم دینے کا یہ انتظام کرنا چاہئے کہ جب تمام
درس میں اس زبان کے بولنے والے کم از کم چالیس طلبہ سے کم یا ایک
درجہ میں دش سے کم نہ ہوں، تو ایک استاد اُن کی تعلیم کے لئے مقرر کیا جائے“

مادری زیان وہی مانی جائے گی جن کو طالب علم کے والدین یا سرپرست
کہیں کریں اس کی مادری زیان ہے۔

لیکن میونسل بورڈوں کو ہدایت کی گئی کہ ہندی لازمی مضمون اور ذریعہ
تعلیم پڑھنے کا سکولوں میں بھی اس پر عمل ہو اور اردو کی تعلیم
روکنی گئی اور ان بچوں کو جن کی مادری زیان اردو ہے بنیادی تعلیم بھی اردو میں
حاصل کرنے کی اجازت نہیں اور اس طرح اردو یا است کے تمام بیک مدرسوں کے
ابتدائی درجوں سے بھی خارج ہو گئی، اس بنیاد پر مسلمانوں اور اردو بولنے والوں نے
متعدد جگہوں ریاست سے درخواست کی کہ ان بچوں کے لئے اردو یا تعلیم دلانے
کی آسانیاں فراہم کی جائیں اور اس کے لئے اساتذہ مقرر کئے جائیں، دس ہزار
سرپرستوں نے صرف الحضور علیؑ درخواست پیش کی کہ ان کے بچوں کو اردو زبان کے
ذریعہ تعلیم دی جائے لیکن باوجود عدم کے وزیر تعلیم نے اس پر کوئی توجہ نہ کی۔
ان تمام کوششوں اور احتیاجات کے باوجود جب کوئی تیجہ برآمد نہ ہوا
تو اردو بولنے والوں نے دستور ہند کی دفعہ ۳۲۷ کا سہارا لے کر صدر جمہوریہ کے
سامنے درخواست پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔

انجمن نزقی اردو کے زیر انتظام و سیع پیمانہ پرستخطی ہم شروع ہی کئی صوبے کے
تمام یونیورسٹیوں میں اس ہمکم کے مرکز قائم کئے گئے اور نہایت پڑا من طریقہ پریس لائلک
پیاس ہزار بالغوں کے اوپریں لاکھ سے زائد نابالغوں کے دستخط حاصل کئے گئے،
اور نہ کورہ بالا درخواست دستخطوں کے ساتھ صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش
کرنے کے لئے ممتاز ہندو مسلمان ماہرین تعلیم پرستیل ایک وفد کی تشکیل عمل میں آئی،

یہ تو قرود (جس میں ہندو مسلمان دونوں نئے) ۱۹۵۴ء میں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں (سابق والی چانسلر مسلم لیونیورسٹی علی گڑھ، وصدر انجمن ترقی اردو وہند، وگورنر بہار وحال صدر جمہوریہ ہند) کی سرکردگی میں صدر جمہوریہ ہند سے نئی وہلی میں ملا، و قد نے صرف بالغوں کے میں لاکھ پچاس ہزار دشخutz پیش کئے اور طالبہ کیا کہ اردو زبان کو بھی انقرپولیٹ کی ایک علاقائی زبان یہم کیا جائے اور احیانات وی جائے کہ اینداہی درجوں میں ایسے بچوں کے لئے جن کی وہ مادری زبان ہے وہ ذریعہ تعلیم ہے اور جہاں کہیں اردو بولتے والے بچوں کی تعداد کافی یعنی کسی مدرسہ میں چالیس ہو یا کلاس میں دس ہوتا ہے اس اردو کے ذریعہ تعلیم دیتے کا انتظام کیا جائے اردو میں لکھی ہوئی عرضیاں ریاست کی عدالتیں اور دفتروں میں قبول کی جائیں اور ان پر توجہ کرنے اور ان کا قیصلہ کرانے کی آسانیاں ہمیسا کی جائیں، گورنمنٹ کی شائع کردہ ضروری اطلاعات تو انہیں اور مطبوعات اردو میں بھی شائع کی جائیں، اردو کے مصنفوں کی اچھی تصنیفات پر انعام دے کر اور ان کی کتابیں سرکاری لائبریریوں اور علمی انجمنوں میں خرید کر ان کی بہت افزائی کی جائے جیسا کہ اس سے قبل ہوتا تھا، یہ کہ اردو کی سابقہ یتیہت سرکاری دفتروں میں والپس لائی جائے۔

یہ وقد بارہ ارکان پر مشتمل تھا جن میں پانچ فاضل ہندو نئے، صدر جمہوریہ نے اس وفد کی معروضات کو توجہ سے سنا اور اس معاملہ سے پوری اچیپی کا اظہار کیا، لیکن صورت حال جو کی تو رہی، کوئی ایسا اقدام نہیں کیا گی جس سے اردو کے ہی تو اہوں کو اطیبان حاصل ہوتا، اور مستقبل کے خطراں سے انھیں نجات رکھتی۔

محکمہ تعلیم میں پرستور اردو کے ساتھ اچھوتوں کا سایہ تماویکیا جاتا رہا، اور دبالتے والی آزادی کے بچے بچپن ہی کی طرح مادری زبان میں انتدابی تعلیم بھی حصل کرنے سے محروم کر دیئے گئے، جس کی وجہ سے دن بدن قدیم نہمن، عقائد مذہب اور اسناد کی روایات سے ان کا رشتہ منقطع ہوتا گیا، یہاں تک کہ اب منزل یا آگئی بے کمزی نسل اپنے نسبی و ثقافتی ماحول سے صدیوں دور جا پڑی ہے اور باوجود کوشش کے قدرم تہذیب و تمدن سے اس کا رشتہ قائم ہونا سخت دشوار مسئلہ ہو گیا، لیکن کہ قدیم وجدید کے درمیان جو پل نہ کا اور سلسلہ کی جواہم کڑی بھی وہ نظر دی گئی ہے۔

یہ وہ اہم سچیدی گی ہے جس سے مسلمان اپنے آبائی وطن اور اپنی تہذیب کے گھوارہ میں دو چار ہیں اور وہ اپنے مستقبل کے لئے شدید خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ ملک کی ترقی ویکھتی کے لئے یہاں کے تمام باشندوں میں اُن کے نہب اور کچھ کی طرف سے اعتماد و تعاون کی فضایا پیدا کرنا نہایت ضروری ہے، تاکہ وہ لفظیں کر سکیں کہ آزادی ہند کے بعد اب ملک میں سماجی و نہادی امراضیت کا وجود نہیں ہے اور کوئی زبان چاہے وہ ہندی ہو یا بلکہ کی سرکاری زبان کیوں نہ ہو و سری زیان کی ترقی کی راہ میں — رکاوٹ تینے گی، اندیزہ نیشنل کامگرس نے جب آزادی وطن کی متحده نگریک شروع کی تھی تو اس نے تمام فرقوں کی نسبی و سماجی آزادی اور حقوق کی حفاظت کی ضمانت کا اعلان کیا تھا، ملک کے تمام فرقوں نے آزادی کی جنگ شانہ بشانہ اسی بنیاد پر لڑاکی بھی کر حصول آزادی کے بعد عقیدہ، نہب اور تہذیب و تمدن کی وہ آزادی جو انگریز کے عہد غلامی میں نصیب نہ ہو سکی تھی وہ آزاد ہند و نشان میں پر رجھ اتم میسر آئے گی۔

مسلمانوں کا اقتضادی مسئلہ

جو تھا مسئلہ اقتضادی مسئلہ ہے فلسفہ نایج اور قوموں کے عروج و زوال کی داستان کے۔ اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشی حالت قوموں کی فکری و قلبی حالت اور صحت میں بڑی حد تک اثر انداز ہوتی ہے جو قوم معاشی مشکلات اور فقر و فاقہ اور اس کے نتیجے میں عذائی بدحالی، واقع ترقی سے محرومی، مستقبل سے مایوسی کم ہوتی اور ملک کی اہم ذمہ داریوں سے محرومی کا فکار ہوتی ہے وہ ترقی یافتہ اور بینرہت قوموں کی صفت سے خارج ہو کر پساندہ اور ذلیل اور کم ہمت قوموں کی برادری میں داخل ہو جاتی ہے، اس کی ذہنی و فکری صلاحیت اور دماغی اُپر ختم ہو کر رہ جاتی ہے، انگریزوں کے دور حکومت تک مسلمانوں ہند کے ذرائع آمدی زینہ داری سرکاری عہدوں اور بڑی بڑی تجارتی تھیں، یہم کے بعد زینہ داری ختم کر دی گئی، یہ جو اُن آبیز قدم ہندوستانی سماج کے لئے اصلاح اور فائدوں سے خالی تھا، جہاں تک سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کا تعلق ہے، اب ان میں مسلمانوں کی بیعت رد بروز کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے، جس سے اس فرقے کے معاشی اور سماجی مستقبل کو نتیجہ دھنے لائق ہو گیا ہے، مختلف حکوموں میں ملازمین کا بھرتی بالخصوص فوج اور پولیس اور دوسری کلیدی بھگوں کے لئے وقتاً فوقتاً ہوتے والے انتخابات میں مسلمانوں کی نسب پر گز نظر ڈالی جائے اور قسم سے قیل کے نتائج سے اس کاموازہ کیا جائے تو ایک غیر ملکی کو یقین کرنے پر جیبور ہونا پڑتا ہے کہ مسلمان اس ملک سے بالکل ترک وطن کر چکے ہیں، اور جو رہ گئے ہیں وہ بالکل عین تعلیم یافتہ ہیں، جو ان ملازمتوں میں لئے جانے کی

اہلیت نہیں رکھتے، اس سے یہ بھی اندازہ ہو گا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں جب
پرانے مسلم افسران ریاستی طور پر جائیں گے تو تمام سرکاری حکموں سے مسلمانوں کا
ٹکلیتاً اخراج ہو جائے گا اور تقریباً پیدھا کرو کر اس سے بڑی اقلیت کی نمائندگی
کرنے والا بھی کوئی حکومت کی مشتری میں نہ رہ جائے گا، ملازمتوں کے اس تناسب
پر ان سوالات سے جو وقتاً تو قتنًا مجاز فائز فائز میں اٹھائے جاتے ہیں،
بیرونی حکومت کی روپریلوں اور سرکاری اعداد و شمار سے اس پر رونق پڑتی ہے،
بیان ہم صرف چند مثالیں پیش کرتے ہیں، پہلی مثال وزیر اعظم نہرو کی وہ تقریر
ہے جو انھوں نے اقلیتی فرقہ کی ملازمتوں کے تناسب کے بارے میں آں انڈیا کا لگن
مکمل کے اجلاس میں امرئی شہرہ میں کی تھی انھوں نے کہا:-

”یہ جانتے کے لئے کہ اقلیتوں کو کس شرح فی صدی سے ملازمین دی
جا رہی ہیں، میں تے ریاستوں سے اعداد و شمار طلب کے عنقچے ظاہر ہو اک
ملازمتوں میں اقلیتی فرقہ کے لوگوں کی تعداد گھشتی جا رہی ہے اس کا ایک
سبب وہ طریقہ ہے جو ملازمتوں میں امیدواروں کی بھرتی کے لئے گل ہند
امتحانات میں اختیار کیا جاتا ہے، ان امتحانوں میں ہندی کی قابلیت
پر اصرار کیا جاتا ہے، جو امیدوار ہندی میں کامیاب نہیں ہوتے
وہ فیل کر دیئے جاتے ہیں، سوالات کے جوابات ہندی میں مانگے جاتے ہیں
اور اقلیتوں کے لئے ہندی کے ادبی معیار پر پرا ارزنا مشکل ہوتا ہے“

دوسری مثال دہلی اسٹیٹ اسمبلی کی ہے جس میں ایک سوال کے جواب میں
بتایا گیا کہ ”دہلی پولیس میں ۱۹۷۶ء میں ۲۰۰ مسلمان تھے اور اب کی حصیں ہیں“

۷۵۶ سے اب تک ایک مسلم ہر یہ کا نسلیں اور دو کا نسل بھرتی کئے گئے ہیں،
دہلی پولیس کی مجموعی تعداد اس وقت ۲۰۵۸ ہے۔ یعنی ۷۷۶ سے لے کر وسط
۷۵۲ تک صرف ۳ مسلمان۔

تیسرا مثال :-

”علی گڑھ ۲۵ رمارچ مرکزی وزیر دفاع (مشترک اسٹیٹ)
شری مہابیرتیاگی نے آج مسلم یونیورسٹی لوئیں میں اپنی تقریر کے دو ان
ٹائافت کے ساتھ کہا کہ مسلمانوں کا تاسیب فوج میں تقسیم سے پہلے
۳۲ فیصدی تھا، اب گھٹ کر صرف ۴۰ فیصدی رہ گیا ہے اس صورت
حال کی اصلاح کے لئے میں نے ہدایت کر دی ہے کہ مسلمانوں کی بھرتی
کا لحاظ رکھا جائے؟“

اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہم سرکاری کلیدی عہدوں پر کتنے
مسلمان ہوں گے، درانجہ ایک مسلمانوں میں اب بھی وہ ذہانت و صلاحیت موجود
ہے جس کے لئے وہ زمانہ قدم سے مشہور ہیں، اور راصحتی میں جس کی وجہ سے انھیں
حکومتوں کا اعتماد حاصل تھا، اور اہم ذمہ داریاں ان کے پس پردہ کی جانب رہی ہیں،
ان میں یہم کا تاسیب بھی برابر طور پر ہا ہے، بھی وجہ ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان جو سائنس،
وارث اور دوسرے فنون میں اعلیٰ سندیں حاصل کر چکے ہیں، برطی تعداد میں ترک وطن
کر کے پاکستان چلے جاتے ہیں، کیونکہ ان کی صلاحیتوں اور عہدوں کے مطابق مناسب
سرکاری ملازمتیں نہیں دی جاتیں جیکہ دستور کی نظر میں ملک کے تمام فرقے مساوی
ہیں، اور ترقی کرنے کے موقع سب کے لئے یہ مسلمان ہیں تاہم یقین ہے کہ دستور کی
لہ پختائی کی عبارت ہے۔

یہی خصوصیت موجودہ غیر طبیعی صورت حال کے خاتمه کی ضامن ہو گی، کیونکہ یہ صورت حال دستور کے قطعاً منافی ہے، لشرطیک ملک کے نام فرقے اس کا احترام کریں اور جذبات کے مقابلے میں اس کی برتری تسلیم کر کے ہنسی کی بیخ کاپڑا کو بچلا دیں۔

مسلم پرنسپل لا

ہندوستان میں ملتِ اسلامیہ کے اپنے شخصات (PERSONALITIES) کے ساتھ وجود و تقاضے کے دائرہ میں رہتے ہوئے آزادانہ زندگی گذرانے کے لئے ایک دوسرا خطہ نمودار ہوا، اور وہ حکومت اور اکثریت کے ایک انتہا پر طبقہ کا پر رحجان تھا، کہ ہندوستان میں سارے فرقوں کا ایک مشترک عائیٰ قانون (UNIFORM CIVIL CODE) ہوتا چاہیے کہ اس کے بغیر قومی وحدت اور یک رنگی نہیں پیدا ہو سکتی، یہ خطہ انڈیشہ سے طہور کرواقعات کی شکل میں سامنے آنے لگا، حکومت کے بعض محتاط لیکن معنی خیز بیانات و قوانین اس انڈیشہ کو تقویت پہونچاتے تھے، پھر عبد الرحمنی دلوائی صاحب کی قیادت میں ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا، جو وقتاً فوقتاً اس کا مطالیہ کرتا تھا، اور ایک ہم اور شرکی کی طرح اس کو چلا رہا تھا، یہ مسلمانوں کے تہذیبی، معاشرتی ارتکاد اور شریعت اسلامی سے بغاوت اور اس کے برکات سے محرومی کا پیش تجویہ اور "وَمَنْ لَمْ يَكُمْ بِهَا أَثْرَأَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكُفَّارُ وَلَا" (اور

جو خدا کے نازل فرائی ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ عمل نہ کرنے تو ایسے لوگ کافر ہیں) کی و بعد کا مصدقہ بناتے والا تھا۔

اس اندیشہ کلکتیج پر مشاہدہ کے پیش نظر دسمبر ۱۹۶۷ء میں آں انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ کی تشکیل ہوئی، اور ۲۸ دسمبر ۱۹۶۷ء کو بیانی میں بورڈ کا پہلا عظیم اشਾن اجلاس ہوا جس میں مسلمانوں کے مختلف مقامات مکاتب خیال اور حجاج علی اعظمیوں کی ایسی نمائندگی بھی، جس کی مثال اضافی قریب میں شکل سے لے گی، مولانا قاری محمد طیب صاحب ہمتم دارالعلوم دیوبند بورڈ کے صدر منتخب ہوئے، اور ملک کے مختلف مرکزی مقامات اعظمیم شہروں میں اس کے بڑے کامیاب اجلاس ہوئے، جن سے مسلمانوں میں مسئلہ کی اہمیت اور خطرہ کا احساس نایاں طریقہ پر پیدا ہوا۔

۱۹۸۳ء کو مولانا قاری محمد طیب صاحب تے اس دارفانی سے رحلت فرائی ۲۸ دسمبر ۱۹۸۳ء کو دراس میں منعقد ہوتے والے آں انڈیا مسلم پرنسپل لا بورڈ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر (رائم سطور کی غیر موجودگی میں)

لہ اس کے خاص داعی اور محض مولانا یاد مفت الش ر صاحب رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ تھے، جن کو اشتراکا لانے تلت اسلامیہ ہندیہ کی شریعت اسلامی سے وابستگی اور قانونی شریعت کے نقاۃ و تحفظ کی سی اور اس کے لئے جدوجہد کا خاص توفیق عطا فرمائی تھی، اور اس مسئلہ میں خطرات کے احساس اور پیش عینی کی خاص دولت سے توازن تھا، افسوس ہے کہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ (۱۹ مارچ ۱۹۹۱ء) کو انہوں نے اچانک سفرِ آخرت اختیا کیا، وحصہ اہلہ تعالیٰ درجہ درجاتہ۔

اس کا بھیتیت صدر بورڈ کے انتخاب ہوا، اور ۲۶ مری، اپریل ۱۹۸۵ء کو کلکتہ میں اس کا عظیم اشان سالانہ اجلاس منعقد ہوا، (جس کے ایک جلسہ عام میں شرکی ہوتے والوں کی تعداد کا اندازہ پانچ لاکھ کے قریب کیا گیا۔)

۲۳ اپریل ۱۹۸۵ء ہی کو (کلکتہ کے اجلاس کے دو سیفے بعد) پیغمبر کوٹ نے نفعہ مطلقوں کے سلسلی میں اپنا وہ فیصلہ دیا جس میں دین میں عملی مداخلت، قرآن مجید کے الفاظ کی من مانی تشریع و تفسیر، شریعت اسلامی کی توہین اور اس پر کھلا حملہ تھا، اس نے ملت کو جھینخوڑ کر رکھ دیا، اور اس کو لپنے دین و شریعت

لہ انگریزی اور بندی پریس کا یہ طرز عمل تصرف مسلمانوں کے بارہ میں، بلکہ اکثریت اور حکومت و لوگوں کے لئے مضر اور ملک کے عالم مفاد کے بھی خلاف ہے کہ وہ اکثر اقلیت سے تنقیح رکھنے والے جذبات و احساسات پر لکھائیں واقعات کی صحیح تصویر اور ان کا جنم اور ضخامت (CANVAS) پیش کرنے سے گریز کرتا ہے، جس سے اخبار میں طبقہ اور ذمہ داران حکومت تاریکی میں رہتے ہیں، اگلے دن کلکتہ کے ذمہ دار انگریزی اخبارات میں شائع ہوا کہ جلسہ میں یکڑوں مسلمان شرکی ہوئے، (HUNDREDS OF MUSLIMS ATTENDED)

اسی طرح ۲۶ دسمبر ۱۹۸۵ء کو بیشی میں مسلم پرشل لایبرڈ کا سالانہ جلسہ عام ہوا، جس میں ہزاروں مسلمان شرکی ہوئے، اس تحریک کے خلاف عبدالجبار و لوانی نے ایک مظاہرہ کیا جس میں چند نظریت کے خلاف مسلمانوں نے اس کے خلاف شدید غصہ و تفت کا اظہار کیا، اور پولیس نے ان کو بچایا، اگلے دن انگریزی اخبارات نے اس خبر کو خوب چھکا کر شائع کیا، اور عظیم اشان جلسہ عام کی خبر معمولی طریقہ پر ایک کوئی میں دی۔

سے وابستگی، اسلام سے وفاداری، اور عیزت و خودداری کے ایک فیصلہ کن مرحلہ پر لاکھڑا کر دیا۔

عدالت کا یہ اپنے حدود سے بجا وز اخطرناک اقدام تھا کہ اس نے خود اس تدبیر کے مابرین اور مستند مفسرین کے متوازی و تباہ ان لوگوں کے ترجیح پر اپنے فیصلہ کی بنیاد رکھی جن کی قرآن فہمی تو الگ رہی عربی والی بھی مشکوک ہے۔

پیریم کورٹ کے فاضل نجج صاحب نے "تباہ بالمعروف" کا ترجیح (MAINTENANCE) (گذارہ) سے کیا ہے، جس سے طلاق دینے والے شوہر کے ذمہ مُطلقہ خالون کو حسین حیات گذارہ اور خرچ دینا ضروری ہو جاتا ہے، اگرچہ قرآن مجید کے انگریزی میں ترجیح کرنے والے زیادہ فرماں دار و محتاط مترجمین نے "گذارہ" کے بجائے "شریفانہ اور معقول سامان یا اسباب" کے الفاظ اور مفہوم سے کام بیا ہے، لیکن اصولاً قرآن مجید کے کسی دوسرا زبان میں کسی ایک دو تراجم کی مدد اور حوالہ سے کسی قرآنی لفظ یا شرعاً اصطلاح کی تشریح کرنا اور اس کی بنیاد پر کسی طشدہ اور اجماعی مسئلہ کے خلاف عدالت کا فیصلہ فرے دینا لہ زیادہ فرماں دار مترجمین نے اس کا ترجیح (PROVISION) سے کیا ہے، مُطلقہ خالون کو حسین حیات (زندگی بیہر) گذارہ اور نمان و تقدیریت کی پابندی کا نتیجہ لازماً ہو گا کہ شوہر ناپسیدہ بیوی کو طلاق دینے کے بجائے مغلن حالت میں چھوڑ دے گا، اور وہ روتی جیکتی زندگی کذا یے گی، ترغیت و آزادی کے ساتھ اپنے شوہر کے گھر میں رہ سکے گی اور دوسرا اکاٹ کر سکے گی۔

ایک خطرناک اقدام ہے جو بہت اہم اور دوسرے نتائج کا حامل ہے، اور اس سے ایک ملت کی پوری شریعت اور اس کا مذہبی و معاشری نظام خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

پیرم کو رٹ کے اس فیصلہ کے خلاف جس سے ہندوستان کے مسلمانوں کا پورا عالمی نظام خطرہ میں پڑ جانا تھا، اور اس میں وقتاً فوقتاً مداخلت اور ترمیم شیعہ کا دروازہ کھلتا تھا، ایک ہندگیر طوفانی مہم شروع ہوئی، جس میں بے حصی اور شدید تاثر کے باوجود اعدال و تو ازان کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا، اور قانون شکنی اور بخارحیث کا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا، وہ صرف ایک پر امن ملک گیر احتیاج تھا، جس میں جلوسوں کے انفداد، بے اطمینانی اور زنگ کا کے اظہار، احتیاجی تجاوزی اور ان احتیاجی تاروں پر اتفاق کی گئی، جزو زیر اعظم مسٹر راجہ جویں صدر جیہوریہ اور وزیر قانون کو بھیجے گئے۔

دوسری طرف انگریزی و ہندی پریس نے اس مسئلہ پر ایسی مخالفانہ صفت آرائی (OPPOSED TOOTH AND NAIL) کا مظاہرہ کیا، جس کی مثال شاید تقسیم ہند اور جدگانہ توہین کے مسئلہ پر بھی دیکھتے ہیں نہیں آئی تھی، پریس اور فرقہ پرست جماعتوں کی تیادت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کی اس شدتِ احساس اس فیصلہ کو تبدیل کرنے کی کوشش اور ایک جزوی عالمی مسئلہ میں اسلام کے قانون شرعی پر عمل کرنے کی اجازت کو بحال رکھنے کے مطالبہ کو (جس سے ایک فرقہ مسلمانوں) کے ایک محدود طبقہ (خوانین) کی ایک چھوٹی سی تعداد (معطلہ خوانین) متأثر ہوتی تھی) اس نظر سے دیکھا، گویا اس ملک پر کوئی عیزیز ملکی طاقت حملہ

کرنے والی ہے، یا کوئی ہمیت ناک زلزلہ آتے والا ہے یا کوہ آتش فشاں پھٹنے والے۔

عوامی جلوسوں اور اجتماعی تجاویز اور ناروں کے علاوہ صدر اور سکریٹری جنرل بورڈ نے راجیو جی سے تجھی ملاقات انہیں بھی کیں، اور راجیو جی نے اس سلسلہ میں سمجھیگی اور حقیقت پسندی کا ابیاث ثبوت دیا جس کی مثال کسی ایسے ذمہ دار کے طرز عمل یعنی کسی مسلم کے باسے میں عرصہ سے دیکھنے میں نہیں آئی۔

اہم صورت حال اس احساس تناسب (SENSE OF PROPORTION) کے اصول کے بھی خلاف ہے جس پر دنیا کا عاقلاتہ اور حقیقت پسندانہ نظام چل رہا ہے۔

بی بی سی ہندو سرویس نے ہندوستان سے شائع ہونے والے ایک ہندوی ماہنامہ کی خاتون ایڈٹر کا انٹرویو نشر کیا، اس میں خاتون ایڈٹر نے بتایا کہ تین سال کے اندر گیارہ ہزار دہتوں کو جیزہ نہ لانے پر جلا بایا گی، اس خاتون نے بتایا کہ گر شستہ سالوں کے مقابلہ میں صرف ۱۹۹۶ء میں سات ہزار دہتوں کو جلا بایا گیا، یہ وہ اعداد و شمار ہیں جو پولیس نے فراہم کئے ہیں (یہ انٹرویو یکم اگست ۱۹۹۶ء کو صحیح کے نظر میں تھا) ایک شیلست اخبار (قومی آواز) کی بھی روپرٹ ہے کہ دہلی میں روزانہ ایک نئی بیانیہ ہوئی دہتوں کو جلا دینے یا مارٹالنک کا وسط ہے اس کے علاوہ تھی کہ رفاقت بھی وقتنماضی پیش آتے رہتے ہیں، ایک فرقہ کی مظلوم خواتین کی ہمدردی میں (جس کی تعداد نہایت محدود ہوتی ہے) اور جو طلاق پانے کے بعد اپنے میکے میں عزت کے ساتھ رکھتی ہیں، اور اس نزک اور جامد اد کی منتفع ہوتی ہیں، جو شریعت اسلامی نے عورت کے لئے مقرر کر دی ہے) اتنا جوش اور بہنگام بری محل اور یہ ضرورت تھا۔

بآئا خر نفقہ مطلقة کے سلسلہ میں پیر کم کورٹ کے فصلہ کے خلاف عوامی جمہوری جنگ کا بیباپ ہوئی، اور پارلیمنٹ نے گیارہ گھنٹے کی طویل و گرامکم بحث کے بعد ۵ راول ۶ مئی ۱۹۸۷ع کی درمیانی شب میں تختیل حقوق مسلم مطلقة بل" بھاری اکثریت سے پاس کر دیا جو اس فصلہ کے اثر کو ختم کرنے ہے، اور اس طرح آل انڈیا مسلم پرنسپل لاکی جدوجہد ایک منزل پر کامیاب ہوئی۔ لیکن یہ حزبی و محدود کامیابی بھی مسلمانوں کے سروں پر یونیفارم سیول کوڈ کی تواریب بھی لٹک رہی ہے، اور اس کے نفاذ کے بعد یہ میں بھی غیر متفہید وغیر موثق ہو جائے گا، اور مسلم پرنسپل لامیں مداخلت کے بیسیوں دروازے کھل جائیں گے، دستور ہند میں و فہمہ ۱۹۷۳ کی شکل میں بکیساں مدنی قانون — (UNIFORM CIVIL CODE) کی و فہمہ شامل کی گئی ہے، اور اس کو دستور ہند کے رہنمایا صول (DIRECTIVE PRINCIPLES) کا درجہ دیا گیا، اس دستور کا تن حسب ذیل ہے:-

"ملکت ہندوستان کے پورے قلمروں میں شہریوں کے لئے بکیساں مدنی ضابطہ (UNIFORM CIVIL CODE) کے حصول کی سمی کرے گی"

لیکن واقعیت ہے کہ بکیساں مدنی قانون ملک کی آبادی کے مختلف عناصر میں اتحاد پیدا کرنے میں ذرہ بھر معاون نہیں، یہ بالکل عامیانہ اور طبی نقطۂ نظر ہے، جس کے خلاف کسی شہر کی عدالت میں جاکر حیثیت دیدشتہادت حاصل کی جائیتی ہے کہ اپنے اپنے مذہب کے ایک ہی پرنسپل لاکے اتنے والے نہ صرف ایک وسرے کے

خلاف مذکور اور قانونی پذیرہ سازی کے طالب ہیں، بلکہ اس کی عزت و ابرو اور جان و مال کے بھی دشمن ہیں۔

اس موقع پر ایک شہور برطانوی ماہر قانون (E. BODEN HEIMER) کا قول

قابل غور و مطالعہ ہے:-

مکسی قانونی نظام سے جس کا نشانہ زندگی میں بیکسانیت پیدا کرنا ہو، لوگوں کے ایک بڑے طبقے میں یہ نائز پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا ہے تو اس قانون کے ٹوٹنے یا اس سے بچنے سے محفوظ رکھنا، حکومت کے ذمہ داروں کے لئے انتہائی مشکل ہو گا۔^{لہ}

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، ان کے ایمان و عقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون (FAMILY LAW) اسی خدا کا بنا باہم ہے جس نے قرآن آثاراً اور عقائد و عبادات کا قانون عطا کیا، ساراً قرآن مجید ان تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لائے پرجیو ہیں، اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائی علیم و خیر کا بنا باہم ہو ایں، جو انسان کا بھی خانہ ہے اور اس کائنات کا بھی، اور جو اس کی فطری هرزوں تو اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے۔

پھر ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ذہنی (نشا بدگمانی) اور خوف کی فضاحت کی جائے، کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کر سکتا کہ

اس کی آبادی کے مختلف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارے میں، اپنے عقائد اور اس آئینہ جنوایت اور ہدایات کے بالے میں جن کے مطابق ان کو زندگی گزارنا ہر دوسری ہے، نکوک و شہرات پیدا ہوں، اس سے بڑھ کر ملک کے لئے بخواہی نہیں ہو سکتی کہ وہ نوانائی جو ملک کی سالمیت، اس کی حفاظت اور تعمیر و ترقی میں صرف ہونی چاہئے تھی وہ نکوک و شہرات کو رفع کرنے میں یا نکوک و شہرات کی فضائیں زندگی گزارنے میں خرچ ہو، اگر مسلمان اس اندر لشیثہ میں بنتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح اپنے نزہب اور اس کے صریحی احکام و قوانین پر عمل کرنے میں آزاد و با اختیار نہیں ہوگی تو ان کے اندر ایک تذبذب اور اندر رونی انتشار کی وہ کیفیت پیدا ہو گی جو صرف مسلمانوں ہی کے لئے مضر نہیں ملک کے لئے بھی مضر ہے، اور وہ امن و سکون، یا ہمی اعتماد و احترام اور ملک کی ترقی کے لئے تعاون و انتشار کی عمل میں خارج و مانع بنے گی۔

اہم اوزنیارجی مساجد کو من دروں میں تبدیل کرنے کا مطالبہ

ولیشوہنڈ و پریشیدتے ۷، ۸، ۹ اپریل ۱۹۸۷ء کو ایک خفیہ اجلاس منعقد کیا، جس میں ملک بھر کے ہندو اور ہماپندر شرکی ہوئے، اس میں جہاں مسلمانوں کی اجتماعی و ملی نسل کشتی کے لئے تجاویز پیش کی گئیں، جس کے نتیجہ میں مسلمان نام کی کوئی مُمیز جماعت اس ملک میں باقی نہ رہے۔ س کے ساتھ بنا رہی گیان باقی مسجد، مساجد کی عبیدگاہ اور اجوہ ہیا کی بابری مسجد کو (جس کے متعلق ہندو عوام کو

باور کرایا گیا کہ یہ رام جنم بھوئی تھی، یا برترے اس کو منہدم کر کے مسجد تعمیر کی) کو آزاد کر کے اول الذکر کو ویژن انہ کا مندر رثانی الذکر کو کرشن جنم بھوئی، تالث الذکر کو رام جنم بھوئی میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا تھا، اور ہندوستان کی پوری انگریزی، ہندوی صحفت پر یہ جوش خروش کے ساتھ اس کی نائید و اثافت میں منہک ہو گئی، یکم فروری ۱۹۸۶ء کو مسجد کاتالاکھوں دیا گیا، مورنیا اس میں پہلے سے رکھ دی گئی تھیں، یہ ایک بڑے طوفان کی نشانی تھی جو افق سے ابھر رہا تھا، اور پوچھا یا چلا جا رہا تھا، اس کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ اس ملک میں کوئی دینی، ملی، تعلیمی، تصنیفی کام نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ خود ملت کا بھیتیت ملت کے وجود خطرہ میں تھا۔

اہ اس افواہ اور پر و پنڈھ کی نزدید میں مجلس تحقیقات و تشریفات اسلام لکھنؤ، دارالتصفین اعظم گڑھ کی طرف سے اور متعدد مسلمان ہندو دانشوروں ہوڑھیں و انصاف پسندوں کے قلم سے متعدد مضامین و رسائل اور کتابیں نکلی ہیں، جن میں ثابت کیا گیا ہے کہ اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے، کہ یہاں کسی مدرسہ کو منہدم کر کے مسجد میں تبدیل کیا ہے، مسجد ناریجی کا بھی کوئی تاریخی ثبوت نہیں، اور اگر ہے بھی تو وہ مسجد کے باہر قابل پر اس سلسلہ میں ناظم دارالتصفین سید صلاح الدین عبدالرحمن مقاوم اے کی محققانہ کتاب "یا بری مسجد ناریجی پس منتظر اور پیش نظر کی روشنی میں" خاص طور پر قابل مطالعہ ہے، خود متعدد ہندو دانشوروں اور فاضلوں نے اس موضوع پر اخلاصی جوڑت اور انصاف پسندی کے ساتھ قلم اٹھایا ہے، جن میں ڈاکٹر آر۔ ایں شکلا، اور چیدانند اس پیشا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سوئے ہوئے فتنوں کو جگانا درست نہیں
راقم سطور نے سابق وزیر اعظم مسٹر اندر اکاونڈھی کے نام ایک خط میں
لکھا تھا کہ:-

”تایم کو الٹے پاؤں سفر کرنا صدعاً غیر ضروری شکلات پیدا
ہونے کا باعث ہو گا، یہ ایک سو بیا ہوا تشریف ہے جس کو جگانا ہوش نہیں
کی بات نہیں، مختلف فرقوں کی عبادت گاہوں کے مقابلے تایم کے
کھنڈر سے صحیح یا غلط معلومات نکال کر ان کو اپنی سابقہ شکل میں
لانے کا مرطابہ ملک کو ایک یہجان میں بتلا کر فرے گا، اور یہ سلسہ
ختم ہونے کو نہیں آئے گا“

میں نے اسلام کو مشورہ دیا تھا، پھر سابق پرائم نسٹر راجیو جی سے بھی
کہا تھا کہ حکومت کھلے طریقہ پر اس بات کا اعلان کر دے کہ ہر فرقہ کی عبادت گاہیں
اسی شکل میں رہیں گی جس شکل پر ملک کی تقسیم (۱۵ اگست ۱۹۴۷ء) سے پہلے تھیں،
کسی فرقہ کسی فرقہ کی عبادت گاہ پر قبضہ کرتے یا اس کو مزاعمہ پرانی شکل پر
لانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اب موجودہ حکومت اور انتظامیہ کو بھی یہی مخلاصہ مشورہ ہے کہ وہ
ان عبادت گاہوں اور مقدس مقامات میں کسی ترمیم و تعمیر یا دوسرے فرقہ کو
قبضہ و استیلاع کی اجازت نہ دے اور تایم کو پچھلے جانے کے بجائے آگے
لے جانے کی کوشش کی جائے کہ زندگی روں دوں ہے، دنیا تیری سے

ترفی کر رہی ہے اور ہمارے ملک کو خاص طور سے نہایت نازک مسائل کا سامنا ہے، اس ملک کو خیر سگانی، انسانیت دوستی، امن پسندی اور اخلاقی قدر تو کو اپنाकر دنیا کی اخلاقی قیادت کا منصب سینھانا چاہئے، جو ہماری روایات اوزنیائیں کے عین مطابق ہے، اور دنیا کی بڑی طاقتیں اس سلسلے میں ناکام بلکہ بذراں ہو چکی ہیں۔

شیعیک پیام انسانیت" اور اس کی ضرورت

روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ یہ ملک تیری کے ساتھ اخلاقی آثار کی، بلکہ قومی و اجتماعی خود کشی کی طرف جا رہا ہے، اخلاقی قدریں پے دردی کے ساتھ پامال کی جا رہی ہیں، خود غرضی بلکہ خود پرستی کا جنون (ان افراد کو منشی اکر کے جن پر مذہب و اخلاق کی کسی وجہ سے گرفت مصبوط ہے یا جو زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہیں) سب پر سوار ہے، انسان کی جان و مال، عزت و ابر و کا احترام تیری کے ساتھ رخصت ہو رہا ہے، خفیر شخصی فوائد کے لئے اجتماعی و ملکی مقاد کو آسانی سے قربان کر دیا جاتا ہے، کام چوری، احساس ذمہ داری کا فقد ان رشوت خوری، چوریا زاری، ذخیرہ اندوزی ایسے عنوانی یہ سب اسی درخت کے پھل ہیں، اور انھوں نے پوری زندگی کو عذاب بنا دیا ہے اور ان کی وجہ سے ملک کے آزاد و بیاختیار ہو جانے کے بعد بھی اس میں چینے اور آزادی سے فائدہ اٹھاتے کامزہ نہیں رہا۔

بخاریاں اور کمزوریاں انگریزوں کے زمانہ میں بھی تھیں، بلکہ یہ کہنا

سچ ہو گا کہ ان کے دورافتخار اور نظامِ تعلیم کو ان کے پیدا کرنے یا ان کو ترقی دینے میں بڑا خل ہے، لیکن ایک بدی سی حایر طاقت، پوکس انتظامیہ اور مجبوری دے اختیاری نے ان کو بہت کچھ دبارکھا تھا، ہانڈی کے اوپر سے اس ہریش کے اٹھ جاتے ہے یہ خرابیاں ایال اور بھاپ کی طرح نکل پڑیں، آزادی کی جنگ اور بدی سی جوئے کے اتار پھیکنے کی مصروفیت نے قومی تعمیر اور کردار سازی کی مہلت نہیں دی، ملک تو آزاد ہو گیا، لیکن صمیر اندر سے غلام تھا، برطانیہ کی ایغیر ملکی طاقت کا نہیں بلکہ ہوا وہوس، دولت و قوت، عزّت و اقتدار اور تنگ نظری اور تنگ لی کا، اتنے بڑے ملک کےنظم و سقون اور بیاسی پارٹیوں کی باہم کشمکش اور کرسی اقتدار کی حفاظت نے اس کی مہلت نہ دی، (اور چند کو مستثنی کر کے ہمارے بیاسی رہنماؤں کے ذہن میں اس کی کچھ اہمیت بھی نہ تھی) کوہہ عوام سے رابط پیدا کر کے ان کے دل و صمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کریں، ان کے اخلاقی حص کو تیزاں تحریک کریں، اور جو باتیں ملک کے لئے حقیقی خطرہ بنی ہوئی ہیں، ان کی طرف متوجہ کریں۔

آخر خدا کے کچھ بندوں نے ۱۹۴۷ء میں "تحریک پیام انسانیت" کے نام سے ایک تحریک اور جدوجہد کا آغاز کیا، اور بلا تفرقی نذر ہبہ ملت اس ملک کے رہنے والوں کے دلوں پر دنک دینے کا فیصلہ کیا کہ جس کی عملیات کاؤں میں الگ لگتی ہے تو کوئی اپنی کمزوری اور بے نوابی کو نہیں دیکھتا، گونگے بھی چلا اٹھتے ہیں اور اپا ہج بھی دوڑ پڑتے ہیں۔

کسی ملک اور دوسری بھی تعلیمی و تعمیری کاموں کے لئے (خواہ وہ کتنے مقدمے)

ضروری اور مفید ہوں) شرط یہ ہے کہ اس ملک میں معتدل (NORMAL) حالت ہوں، جہاں کوہ آتش فشاں بار بار پھٹتا ہو، سانگلوں (جلد از جلد آتے) ہوں، سیلاپ اپنی قہر ساینسوں کے ساتھ پورے پورے شہروں اور صوبوں کو اپنی لبیٹ میں لے لیتا ہو، وہاں تعلیمی و تعمیری کام کے لئے دماغی سکون اور والوں کے عمل کہاں سے پیدا ہو سکتا ہے؟ یہ تو عین اختیاری امور ہیں، اور ان پر کسی کا کوئی قابو نہیں، لیکن جہاں فرقہ وارانہ فضادات، انسان گشی اور انسانیت سوزی کے جتوں کی لمبی اٹھتی ہوں، اور اچھے پڑھے لکھے انسانوں پر اعصابی (HISTERIA) کے دورے جلد جلد پڑتے ہوں، جہاں دولت و قوت کے سوا کوئی حقیقت زندہ اور مسلم نہ ملتی جاتی ہو، وہاں اخلاقیات و اصول اور انسانی جان و عزت کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟ یہ بات تو سمجھیں گے کہ انسانوں یا عامارت پر بھلی گر جائے، نیویارک کے پا وہاوس پر بھلی گری اور سب دیکھنے کے دیکھتے رہ گئے، کسی محض پر چھٹت یاد لیا اور گر جائے، کوئی ہاتھی یا ساندھ مست ہو کر انسانوں کی جان لے لے، اس لئے کہ یہ سب برشور و یہ ضمیر حیریزیں ہیں، لیکن یہ سمجھیں نہیں آتا کہ ایک پڑھا لکھا آدمی کسی پڑھے لکھے آدمی پر گر جائے، جیسا کہ جیشید پور، راؤ ڈیکیلا، اور راجحی میں ہوا، ایک ہی کالج میں پڑھاتے والا استاد و مدرسے استاد کے خون میں ہاتھ زنگے طالب علم طالب علم کی تحریری کرے اور کسی بیاسی جماعت کا ایک فیض دوسرے فیض کا لگا کاٹے۔

اور یہ دورے کسی وقت بھی معاشرہ پر پڑ سکتے ہیں، اور لوگ معمولی بات

پر اپنا دماغی توازن کھو سکتے ہیں، وہاں کسی نظریہ تعمیری کام یا ادارہ کی
بنفاکی صفات کب تک دی جاسکتی ہے؟ اور اس غیر تقدیمی اور بھیانی فضایں
کوئی تصفیقی یا فکری کام کیسے ہو سکتا ہے؟ یقیناً تبرع
یوں زندگی کرنے کو کہاں سے جگراوے

اور یہ تو ملک گیر اور وسیع پیارے کے خواستہ ہیں، جہاں سو اٹھی اتنی
سخ (CORRUPT) ہو جائے کہ کسی کو لفیر رشتہ دینے نہ اس کا حق نہ، نہ ریل پروہ
آرام سے سفر کر سکے، نہ طالب علم پڑھنے کی طرف متوجہ ہوں، نہ اساد پڑھاتے کی
طرف، انتظامیہ کے سب کام بے عمل اور مستہ ہوں، پوسے ملک میں وقت کی
کوئی قدر و تقدیم نہ ہو، سفر غیر محفوظ اور قیام خدوش ہو جائے، وہاں اس
یگوشے ہوئے معاشرہ میں افراد کے لئے اپنے اصولوں پر قائم رہنا کہ تک مکن ہے؟
یہ اخلاقی شدھار کی نہیں اور پیام انسانیت کی تحریک ملک کے تمام دینی،
تعلیمی، علمی کوششوں اور تحریکوں کے لئے ایک جھadar کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے
اندر رہ کر ہر کوشش کا بیاب ہو سکتی ہے، اور اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے
پر سکون و منذر فضایا ہو گی، اس کی حیثیت وہ ہے جو کسی فراش یا سفر
یا زمین برداشت کر لے والے، یا تابیانہ لگاتے والے کی ہوتی ہے، جس کے بعد کوئی بھی
جلسہ یا اجتماع ہو سکتا ہے، خواہ خالص نہیں یا نعیت کا ہو، یا تعلیمی جماعت و
نڈاکرہ کا، مسلمان خالص اپنے نڈیب کے رو سے بھی اس کے ذمہ دار ہیں کہ وہ
جهان کہیں ہوں اپنے ماہول کی فکر کریں، شتر مرغ کی طرح رہت میں سرد ہندا کر
خطروں سے آنکھیں بند کر لیں، اور سب خیریت ہے کا سبق نہ دُہرائیں،

مسلمان کو ہر جگہ بھلائی کا حکم دینے اور بڑائی سے روکنے کا حکم ہے، اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ زندگی کی جس کشتم پر سوار ہے، وہ جب ڈولے گی تو اُس کو لے کر ڈولے گی، اس کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس صورتِ حال کے لئے جو شال دی ہے، اس سے بہتر شال کم سے کم رامن کو نہیں ملی، آپ نے فرمایا:-

”ایک کشتی پر کچھ لوگ یا الائی منزل پر سوار ہیں اور کچھ نیچے کی منزل پر تیجے والوں کا پانی کا انتظام اور پہنچنے پر والے جو موڑیں کر اور بجا کر پانی لائیں اور اپنی پابس بھماں ہیں، پانی گزنا او جھلکتا ضرور ہے کہ تیکے بالائیں تو اس کو اسے کچھ نکلیت ہوئی، انہوں نے روکنے کی، نیچے والوں نے لہاکر پانی کے پیغمبر انسان کا گزارہ نہیں، اگر اور پولے پانی نہیں لینے دیتے تو ہم نیچے کے حصے سو رخ کر لیں گے، اور وہیں بیٹھے بیٹھے دریا سے پانی حاصل کر لیں گے، آپ نے فرمایا، اگر اور والوں میں ذرا بھی تجوہ ہے تو ان کو ایسا کرنے سے روکنے میں گے، اور پانی لے جاتے کی اجازت دے دیں گے، اگر انہوں نے ایسا کیا، اور کشتی میں سوراخ ہو گیا تو نہ اور پولے پھیں گے نہ نیچے والے؟“

عالم انسانی کی ایک بہمی ضرورت یہ ہے کہ افراد و تubbیات قوم پرستی اور بیانی مقاصد سے بالکل آزاد ویے تعلق ہو کر، عام انسانوں کے سامنے حقیقتیں کھھی جائیں، جن پر انسانیت کی نیجات اور اسلامیت موقوف ہے، اور جن کو نظر انداز کر کے ہمارا یہ پورا تندُن اور پوری انسانی سوسائٹی اس وقت سخت خطرے سے دوچارا اور موت و زلیت کی کشکش میں گرفتار ہے، حقیقتیں اپنے اپنے زمانہ میں پیغمبر وہی بیان کی تھیں، اور ان کے لئے سخت جدوجہد کی تھی، حقیقتیں اب بھی زندہ ہیں، لیکن یہاں تک کہ

ما دی تنبیہوں اور قومی خود گزینبیوں نے گرد و غبار کا ایسا طوفان کھڑا کر دیا ہے کہ یہ روشن حقیقیں ان کے اوٹ میں اوجھل ہو گئی ہیں لیکن انسانی صمیر ابھی ہر دہ اور انسانی ذہن ابھی مقلوچ معطل نہیں ہوا ہے اگر پوری یہ غرضی پورے یقین اور پورے خلوص کے ساتھ ان حقیقوتوں کو عالم فہم زیان اور دل شیش انداز میں بیان کیا جائے تو یہ انسانی صمیر و ذہن اپس کا کرنے لگتا ہے اور بڑی گرم جوشی سے ان حقیقوتوں کا استغفار کرتا ہے، اور بعض وقت تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تقریروں میں اس کے دل کی ترجیحی اور اس کے درد کا مدار و می ہے۔

تایخ کامل سلسل تجربہ ہے کہ ایسے موقع پر وہ لوگ تو کم تعداد میں ہوتے ہیں جو اس صورت حال سے بچ آ رہا ہے لئے بیدان ہیں آجھائیں لیکن وہ لوگ بڑی تعداد میں ہوتے ہیں جو اس صورت حال کے خلاف آواز بند کرنے والوں کا ساتھ دیتے ہیں یا کم سے کم دل سے اس کو پسند کرتے، ان کے حق میں کلمہ خیر کہتے یاد میں دعا دیتے ہیں ایسے موقع پر کسی فرد یا جماعت کا بیدان ہیں آنا شرط ہے، اگر کوئی بیدان ہیں آئے کے لئے تیار نہ ہو تو حالات کا یہ دھارا اُسی لمحہ پر بینا رہتا ہے اور یہاں دروما کی شاندار تہذیب یا کی طرح وہ تہذیب یا معاشرہ بھی زوال کا شکار اور یہاں کا قصیر ماضی ہن کرہ جاتا ہے مسلمانوں کے لئے اس ملک میں یا عترت طلاق پر بینے کا بھی راستہ ہے کہ وہ اپنی افادیت ثابت کریں اور اخلاقی قیادت کے اس خلا کو پڑ کریں جو عرصہ دراز سے اس ملک میں چلا آ رہا ہے، کسی ملک میں کوئی افیت یا فرقہ اپنی واضح افادیت و صورت اور بے لامگ و بے غرض قیادت و دعوت کے بغیر عزت و اطمینان کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔

”تحریک پیام انسانیت“ کے مخاطب بالتفہیت مذہب ملت ملک کے تمام ایشندے

ہیں اس کا موضع انسانیت اور اخلاق ہے اس کا تقدیم اس ملک کے رہنے والوں میں زندگی کا سلسلہ اور شہریت کا احساس پیدا کرنا ہے یہ تحریک ہندگیر بیانہ پر چاری ہے اس کے عمومی خصوصی جملے ہندوستان کے تفریق نام طبے شہروں اور مرکزی مقامات میں کامیابی کے ساتھ منعقد ہوئے جن میں ہندو مسلمان دانشوار، بیاسی فائدین، نہجی پیشوں اور صحیح الفکر اور انصاف پسند شہری کثیر تعداد میں شرک ہوئے اور انہوں نے گھرستہ نارت کا انہما کیا، اس مسلمانیک قوم کی بھی تشکیل ہوئی جو شرکی، خط و کتابت اور ذاتی رابطہ کے ذریعہ اس تحریک کی توسیع و تقویت اور اس کو کامیاب بنانے کی حیثیت دکھل کر تابتہ بیچڑاہم دشواریاں اور مسائل و خطرات ہیں جو ہندوستانی مسلمانوں کو تابیخ کے اس دور میں درپیش ہیں ایک لیسے ملک کے لئے جو دن توں غیر ملکی سامراج کا غلام رہا ہو اوہ جس نے جمہوریت کا احترام اور صحیح معنوں میں اسے برداشت کیا ہے اس عبوری دور کا ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے، لیکن یہ دور زیادہ فاٹم رہنے والا نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یاقی رہنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے عقل بہر حال جذبہ پر غالب آئے گی اور بیاسی بیداری نگاری اور تعصی کے لئے موت کا پیغام تابت ہوگی، اس وقت مصالحہ کے باطل چھپیں گے اور ہندوستانی مسلمان اس پوزیشن کے مالک ہوں گے جس کے مددجھی ہیں تحریک، احترام اور ساتھا کادور وورہ ہوگا اور ملک کی ترقی خوشحالی کے منصوبے ان کے تعاون کے بغیر ادھورے رہیں گے لیشتر طبیکہ مسلمان صبر و استقامت اور خدا پر کھرو رہے ساتھے اپنی صلاحیت و بیاقت کا ثبوت دیں۔ وَلِلّهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلِ وَمِنْ بَعْدِ

وَيُوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ بِنَصْرِ رَبِّهِ -

INDEX

HINDUSTANY MUSALMAN

انشادل یہ جو

”ہندوستانی مسلمان“

باقیاتام

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

(حضرت یید) احمد پیریوی ۶۵، ۳۶	۱۰۳	(سیدنا حضرت) ابراہیم علیہ السلام
۱۴۲، ۱۳۹، ۲۷۴، ۲۵۰، ۲۲	۱۵۱	(شیخ) ابراہیم الجیانی
(شیخ القصیر مولانا) احمد علی الہمودی ۱۸۳	۱۲۳	(سلطان) ابراہیم شرقی
۱۳۸	۸۹	این ناجی اسدالجیر
(مولانا) احمد علی محمد رشت	۷۴	(مولانا یید) ابوالاعلیٰ مودودی
(مولانا) احمد علی شاہ قشق آبادی ۱۵۹، ۱۵۸	۳۷	(ابوالحسن الباری الشافعی)
(مولانا) احمد علی عظیم آبادی ۱۶۸	۱۱۶	(شیخ) ابو طاہر مدینی
۷۱	۳۶	(مولانا) ابو العرفان تدوی
پیغمبر کریم (صلی اللہ علیہ وسلم)	۹۱	ابوالعلیٰ انتقالی
۱۸۰ STAFFORD CRIPPS	۶۱	ابوالفضل
۳۹	۶۰-۵۹	ابوالقاسم عبد العزیز بخاری (آصف خان وزیر گجرات)
(مولانا) اسعد راشد	۱۷۱	(مولانا) ابوالکلام آزاد ۱۴۱، ۲۹، ۳۷
(مولانا شاہ محمد) اسماعیل شہری ۶۲، ۳۶	۱۸۰، ۱۷۱، ۱۴۲	(حکیم) اجمل خان
۱۲۹، ۱۱۰	۱۲۵	(فشنی) احتشام علی کاکوروی
(مولانا یید) اشرف	۱۳۲	(مولانا) احمد میٹھوی دیکھنے جیون
(مولانا) اشرف علی تقاضوی ۱۳۲، ۳۲	۱۳۲	(شیخ) احمد بن محمد تقاضی سری ۱۹، ۸۲، ۲۸
۸۰	۱۳۳	(سرید) احمد خاں ۱۵۰، ۱۳۹، ۱۳۷
(تواب) آصف جاہ	۱۳۴	(مجید والفت تالی حضرت) احمد پیرنندی ۱۲-
(مولانا) اصرار حسین دیوبندی	۱۳۵	(مولانا) احمد علی کاکوروی
۱۳۲	۱۳۳	(شیخ) احمد بن محمد تقاضی سری ۱۹، ۸۲، ۲۸
(مشنی) اطہر علی کاکوروی	۱۳۲	(سرید) احمد خاں ۱۵۰، ۱۳۹، ۱۳۷
(مولانا) اعزاز علی	۱۳۳	(مجید والفت تالی حضرت) احمد پیرنندی ۱۲-
(شیخ) اعظم	۱۱۱	(مولانا) احمد علی کاکوروی
۲۲	۱۲۸	(مولانا) احمد علی کاکوروی
(سلطان) اکبر دیکھنے جلال الدین	۱۲۷	
(فراہم) الطاٹ جیسیں حاجی	۱۰۶	

۱۷۰	(سر) بیگ	۱۳۶	(پروفیسر) الیاس بری
۱۸	پانیکار (K. M. PANIKAR)	۱۱۲	امان الشرشاری
۳۰	پیانی سینتار میمیہ	۱۲۸	(حاجی حضرت) امداد الشر مجاہج کی
۱۲۸	(مولانا شاہ) پیر محمد کھننوی	۱۳۱	(سر) آشوبنیکڈ انلڈ
ت (ٹ)		۱۹-(SIR ANTHONY MAC DONALD)	
۱۰۹	تاج الدین مقدم	۲۰۹	اندرا گاندھی
۱۱۲	تفنازاتی	۱۵۱	(قصیلیت جنگ مولانا) اوارا شرخان
۱۵۳	(فاضی) نمذ جسین گور کھپوری	۱۴۳	(سلطان) انور پاشا
۲۵	تمبور	۱۳۶	(مولانا) اورشاہ کشیری
ث (ٹ)		۱۳۶، ۱۳۲، ۲۵	(سلطان) اورنگ زیب عالمگیر و ۳۰
۱۳۸	(سلطان) طیپو دیکھئے فتح علی خاں	۵۵، ۳۰	(سلطان) اورنگ زیب عالمگیر و ۳۰
ث (ٹ)		۱۱۰-۶۵	
۱۳۸	(مولانا) ثابت علی	ب (پ)	
۱۸۳	(مولانا) شباء الشر امر ترسی	۱۶۰	پایر دیکھئے
۲۵	(فاضی) شباء الشریا پیتی	۲۲	ظہیر الدین
ج (چ)		باسورث اسمعہ (BASWORTH SMITH)	
۳۱	(سر) جادو نانھہ سرکار	۱۵۸	باسورث اسمعہ
۱۱۱	(مولوی) جبار الشر	۱۶۹	بدر الدین طبیب چی
۸۰	(مرزا) جبان جاتاں دہلوی (منظہ)	۱۱۲، ۱۱۱	بدر الدین طبیب چی
۱۴۳	جال پاشا	۱۰۹	(مولوی) یونکت الشر
۱۱۵، ۱۱۰	جال الدین نلمہ	۱۰۹	بیان الدین بیان
۱۱۰، ۵۲، ۲۴	(سلطان) جلال الدین اکبر	۲۱۶۲-	(ڈاکٹر) بیان
۱۲۸	(مولانا) جلال الدین رومی	۱۵۷	(سلطان) بہادر شاہ قلندر
۱۰۹	(مولانا) جواہر لال نہرو	۲۰۶	بوڈن ہیر (E. BODEN HEIMER)
۲۴	(سلطان) جہانگیر		
۱۱۵، ۱۱۱	(طا) چیون (مولانا احمد عیضوفی)		

(مولانا) خليل احمد سہار پوری	۱۳۸۰، ۱۳۸۲	۱۵۹۰۵۲	چنگر خاں
(مولانا) خليل الرحمن سہار پوری	۱۳۸	۲۰۸	چیدانند داس گتیا
(مولانا) خواجی دہلوی	۱۳۸۱-۹		(C)
(شاہ) خوبالثیر	۱۱۱	۵۹	(خواجہ) حافظ
(ڈاکٹر) ذاکر حسین خاں	۱۹۷۰، ۱۹۷۵	۳۹	(شیخ) حامد ابو حماد جو پوری
(غشتی) ذکاءالثیر	۱۶۰		(صدر باری چنگل مولانا) حبیب الرحمن خاں شروانی
(مولانا) ذوالفقار علی دیوبندی	۲۸	۱۵۲۰، ۱۵۰-۱۳۶	(مولانا) جبیب الرحمن لدھیانوی
(امام) ذہبی	۳۴	۱۲۹	(مولانا) حضرت موبائلی
(LORD ROBERTS) رابرٹس	۱۶۷۶/۱۶۱	۱۱۲	(ملائک) حسن
راجیو گاندھی	۲-۹۰۲۰، ۲۰۲۰۳	۳۶	حسن بن محمد الصنافی لاہوری
رام چندر بھی	۲-۸	۱۴۸۰، ۱۳۳۱/۱۳۳	(مولانا) حسین احمد دہلی
(راجہ) راتناساگھا	۵۶	۱۲۹	(عادالملک بید) حسین بلگرامی
(ڈاکٹر) آراء شکلا	۲۰۸	۱۵۸	(پیغم) حضرت محل
(مولانا) رحمت الشیرکر انوی	۲۵	۱۲۹	(مولانا) حفظ الرحمن سیوہاروی
(مولانا) رحمن بخش	۱۳۸	۱۱۲	(مولوی) حمدالثیر
(مولانا) رشد الرحمن نگوہی	۱۳۰، ۱۲۸۰، ۸۲	۱۷۱، ۱۷۶	(مولانا) حیدر الدین فراہی
(مولوی) رشد الدین خاں دہلوی	۱۱-	۱-۹	حیدر الدین مخلص
(علام بید) رشید رضا مصری	۲۷	۱۲۶	(ڈاکٹر) رشید الدین (جید رآبادی)
(ڈاکٹر) رضی الدین صدقی	۱۲۶	۷-	(مولانا) خالد رومی
(مولانا شاہ) رفیع الدین دہلوی	۱۱-۰۶۷۲	۷۵	(علام) خالد شہر زوری کردی
(شیخ الاسلام) رکن الدین	۷۳	۱۵۸	خان بیدار خاں
(فواب) روشن الدولہ	۸۳	۵۹۰۵۸	(امیر) خرو
(میٹ) رولٹ (ROWLETT)	۱۴۳	۸۲	حضر خاں
(علماء میر) زاہد	۱۳۵/۱۱-		

٥٣	(سلطان) شمس الدين امتش	ص
١٠٩	شمس الدين خوارزمي	(شيخ) سراج الدين اوده
١٠٩	شمس الدين قوشجي	١٥٨
١٠٩	شمس الدين نجحي	١٣٣ (مولانا) سعادت علي سہارپوری
١٤٢١٤٢	(مولانا) شوكت علی	٥٩ (شيخ) سعدی
٧٠	(علام) خباب الدين ابن جرالمسكي	١٧٢ (مولانا) سید احمد اکبر آبادی
١١٠، ١٠٩	(کلک الحکماء ابوالفتح) شہاب الدین دولت آبادی	١١٢، ١٠٩ سکندر لودھی
١٦	شہاب الدین محمد عزوري	١٣٢ (مولانا) سلیمان بھلواروی
٥٣٢٨٤٢	شیرشاہ سوری	٩٣، ٩٦، ٩٣ (علام) سلیمان تندروی
٣٣	(ڈاکٹر) صادق حسین	١٣٢، ١٣٤، ١٣٢، ١٣٩ (سلطان) سلیمان غنائی ترکی
١٢٢	(سید) صباح الدين عبد الرحمن	١٥٧ (پنڈت) سدرالل
٢-٨	(مشتی) صدر الدین خاں	١١٢ (میر) سید شریعت
١١٠، ١٢٨	(مشتی) صدر الدین خاں دہلوی	٨٣ (شيخ) سیف الدین سرمہدی
١٣٨٦٦٢، ٣١	(زواں) صدیق حسن خاں	٣٧ (علام) سیوطی
١-٩، ٤٣، ٥٢	ضیاء الدین برلنی	١٣٦، ١٣٥، ١١- ٢٧ شاہ بہاں
١١٥، ١١١	(قاضی) ضیاء الدین فتوی	٣٧ شاہ فامل
١١٨	(میر) طفیل محمد بلگرائي	١٣٦، ١٣٩، ١٣٤، ١٣٢ (علام) شیخ نعائی
١٢٣	(سید) ظریفت عظیم آبادی	١٤٣ (مولانا) شیراحمد غنائی
١٢٢	(مولانا) ظفر علی خاں	١٣٦، ٢٥ (خدوم شیخ) خرفت الدین یحیی میری
١١٣	(مفہی) ظہور راشٹر	٦٣ شریعت حسین
٥٥	(مولانا) ظہیر احسن شوق نبوی	٧٣ (مولانا) شمس الحق ذیانوی
٢-٨، ١٤٥، ١٤٦، ١٤٧	ظہیر الدین یا بر تیموری	١١ (حکیم) شمس الدین

ناصر الدین بیکری

(ع)

٤٠	عبدالرحمٰن خان (مؤرخ)	١٠٩
١١٩	(مولانا) عبدالرحمٰن پاچوری	١٣١
١٦٨	(مولوی) عبدالرحمٰن صادق پوری	١٢٣
١٣٩، ١٣٨	(شیخ نید) عبدالرازاق یاشوی	(مولانا) عبدالرازاق خوانی
٦١	عبدالرازاق خوانی	١٣٩، ١٣٦
٢٩	(مولوی) عبدالرازاق شیخ آبادی	(مفتی) عبدالایاق
١١١	(دیوان) عبدالرشید	(مولوی) عبدالحق
١١٥، ١١٠	(مفتق) عبدالسلام	(شیخ) عبدالحق محمد دہلوی (١١٣٣، ١١٣٢)
١١٦، ١١٣	(مفتی) عبدالسلام دہلوی	(مولانا) عبدالحق حقانی
١٣٢	(مولانا) عبدالسلام قدوالی ندوی	(مولوی) عبدالحکیم
٣٦	(مولانا) عبدالشکور فاروقی	(ڈاکٹر خلیفہ) عبدالحکیم
١١٠	(مولانا شاہ) عبدالعزیز دہلوی	(ملّا) عبدالحکیم سیاکوئی
٢٨	(پیر و فیض) عبدالعزیز میمن	(مولوی) عبدالحکیم
١٢٣، ١١٣	(ملک العلماء مولانا) عبدالعلی بھر العلوم	عبدالحید دہلوی
١٢٥	(مولانا حکیم سید) عبدالعلی حقی	(مولوی) عبدالحکیم
١٣٨	(مولانا شاہ) عبدالقادر دہلوی	(مولانا حکیم سید) عبدالمحی حقی
١١٠	(ملّا) عبدالقادر بدیلوی	٢٨، ٢٣٦، ٢٢
١٢١	(ملّا) عبدالقادر بدیلوی	١٣٨، ١٢٢، ١٠٨، ١٠٧، ١٣٨، ١٣٧
١٥١	(ملّا) عبد القیوم	(مولوی) عبدالحکیم دہلوی
١١٣، ١١٣، ١٠٩	(شیخ) عبد الشر	(مولانا) عبدالحق فرنگی محلی (١٣١، ١٣٥، ٢١)
٨٣	(نواب) عبدالرش خان	(مولانا) عبدالحکیم بہانوی
١٣١	(مولانا) عبدالشیری بدیلوی	(علام) عبدالرحمٰن ابن خلدون
١٥٤، ١٣٩	(مولانا) عبدالشیر عدادی	(مولانا) عبدالرحمٰن جامی
١٣٣	(مولانا) عبدالمطیبت سہاڑ پوری	(مولانا) عبدالرحمٰن کامل پوری
١٣٤	(ڈاکٹر سید) عبدالمطیبت	(مولانا) عبدالرحمٰن میاں کپوری
١٥٣، ١٣٢	(مولانا) عبدالرحمٰن بیم خان بیادی	عبدالرحمٰن بیم خان بیان

(فاضي) علیم الشیر	١١٥، ١١١	(فاضي) عبد العزیز خان	١٥١
(مولانا سید) علی نقی مجتهد	٢٩	(فاضي) عبد المقتدر کندی دہلوی نھاٹیسری	
(سید) علی بخاری	١٥	(مولانا) عبد النافع فرغی محلی لکھنؤی	١٣٣
(وزیر) عمام الدین گیلانی (محود گاؤں)	٥٩	(مولانا) عبد البُنی احمدگری	٧-
(مفتي) عثایت احمد کاروی	١٦٩	(مولانا) عبد الشریپ ٹیالوی	١٨٣
(مولوی) عثایت الشرد ہلوی	١٥٣	(مولانا) عبد الشریض سدھی	١٨٣
(غ)			
(مولانا) غلام رسول ہبھر	٦٥	(شیخ) عثمان شدن	٦٥
(مولانا) غلام رسول ولا تھی ١٣٢	١٦٣، ١٦٠، ١٣٢	(پیر) عثمان علی خان (نظم دکن)	١٥١
(مولانا) غلام علی آزاد بکرا می	١٣٢	(مفتي) عزیز الرحمن دیوبندی	١٣٢
(شاہ) غلام علی دہلوی	٨-١٢١٢٢	(مولانا) عزیز گل	١٤٣
(شاہ) غلام نقشبند	١٢٨، ١١٢	(شیخ) عزیز الشتر	١١٧، ١١٣، ١٠٩
غیاث الدین بنین	١٠٩، ٥٢	(شیخ الاسلام) علاء الدین	٧٣
(ف)			
(سلطان) فتح علی خان (ٹپو سلطان)	٥٥، ٥٥	(سلطان) علاء الدین خلیجی ٥٣، ٥٣، ٥٣، ٥٣	٨٨، ٤، ٣، ٥٣، ٥٣، ٥٣
(عصفد الملک بیرشاہ) فتح الشیرازی ١٠٠، ١٠٥	١٢٣	(فاضي) عصفد	١١٧
(مولانا) فخر الدین زردادی	٧٨	(مولانا) عطاوالشر شاہ بخاری	١٢٩
فخر الدین ہاسوی	١٠٩	عظم الشرخان	١٥٨
فرید الدین شافعی	١٠٩	(شاہ) علی اصرت قوتیجی	١٣١، ١١٥، ١١١
(خواجہ) فرید الدین گنج شکر	٤٢	(شیخ) علی اکبر حسینی	٣٩
(مولوی) فضل امام	١١٢	(محترم) علی بن حام الدین المتفق بر ہاشم پوری	
(مولانا) فضل حق جیر آبادی	١٦٩، ١١٢	(علی نقی گجراتی)	٣٨
(مولانا شاہ) فضل حق مراد آبادی	٨١	(شیخ سید) علی بن شہاب الدین ہمدانی کشمیری	١٥
(مولانا) فضل حق مراد آبادی	٨١	(رواپ سید) علی حسن خان	١٣٨
(حکیم) علی گیلانی	٨١	(حکیم) علی گیلانی	١٣٢، ١١-

(مولانا) لطف الشر على كرمي ۱۴۱
 (ملأ) لطف الشر على كرمي ۸۲، ۱۱۱، ۱۵۵، ۲۲۷
 (مولانا) يقىت على ۱۵۸

۱۰۹
 (مولانا) فيض الحسن سهارنپوری ۲۸
 فيقى ۶۱

۳

(فاصى) مبارك ۱۱۰
 (مير سيد) مبارك (محترم) ۱۱۸
 (ملأ) سبین ۱۱۲
 (شیخ) میدالدین ۵۲
 (علام) میدالدین فیروز آبادی ۲۱
 (شیخ) محب الشر المآبادی ۱۱۶، ۱۱۲، ۱۱۱
 (علام) محب الشر بہاری ۱۱۲، ۱۳۹
 (مولوی) محب الشر خان ۸۱
 (مير) محیوب علی خان (نظام دکن) ۱۳۸
 محقیق دو ولی ۱۱۵
 (مولانا) محمد ابراهیم آردی ۱۳۷
 (مولوی) محمد اسحاق دہلوی ۱۱۰
 (فاصى) محمد اسلم ہرودی ۱۲۵
 (مولانا) محمد اشرفت ڈیالوی ۷۲
 (فقی) محمد اصر ۱۱۲
 (فاصى) محمد اعشت ۱۱۱
 (مولانا) محمد علی تھانوی ۳۹
 (شیخ) محمد افضل المآبادی ۱۱۱
 (استاذ الالمک) محمد افضل جوپوری ۱۱۲، ۱۱۱
 (ڈاکٹر) محمد اقبال ۱۸۳
 (فقی) محمد اکرم حنفی لاہوری ۳۹

قطب الدین ابیک ۳۸
 قطب الدین شمس آبادی ۱۱۳
 (شیخ) قطب الدین سہالوی ۱۱۶، ۱۱۳
 قطب الدین گیاموی ۱۱۳
 قطب الدین منور ۷۸۰۲۲

کرش جی ۲۰۸
 (جیشن) کرامت سین ۲۶
 کراو اکس (CARRA-BE-VAX) ۶۲
 (مولانا فیقی) کفایت الشر ۱۴۸
 (زواب) سکلب علی خان ۸۱
 (طلا) کمال الدین ۱۱۲
 (سید) کمال الدین جدر ۱۶۳
 کمال الدین زاہد ۱۰۹
 (سید) کمال الدین غطیم آبادی ۱۲۳
 کمال الدین کشیری ۱۱۰
 گماندھی جی (گوہن داس کرم چندر) ۱۶۷، ۱۵۷
 ۱۴۶۱۱۲۵

(ڈاکٹر) گشاوی بان ۲۲

(جان) لارنس ۱۴۰

۴

۵

۶

۷

۸

۹

۱۰

۱۱

۱۲

۱۳

۱۴

۱۵

۱۶

۱۷

۱۸

۱۹

۲۰

۲۱

۲۲

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

۲۷

۲۸

۲۹

۳۰

۳۱

۳۲

۳۳

۳۴

۳۵

۳۶

۳۷

۳۸

۳۹

۴۰

۴۱

۴۲

۴۳

۴۴

۴۵

۴۶

۴۷

۴۸

۴۹

۵۰

۵۱

۵۲

۵۳

۵۴

۵۵

۵۶

۵۷

۵۸

۵۹

۶۰

۶۱

۶۲

۶۳

۶۴

۶۵

۶۶

۶۷

۶۸

۶۹

۷۰

۷۱

۷۲

۷۳

۷۴

۷۵

۷۶

۷۷

۷۸

۷۹

۸۰

۸۱

۸۲

۸۳

۸۴

۸۵

۸۶

۸۷

۸۸

۸۹

۹۰

۹۱

۹۲

۹۳

۹۴

۹۵

۹۶

۹۷

۹۸

۹۹

۱۰۰

۱۰۱

۱۰۲

۱۰۳

۱۰۴

۱۰۵

۱۰۶

۱۰۷

۱۰۸

۱۰۹

۱۱۰

۱۱۱

۱۱۲

۱۱۳

۱۱۴

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

۱۷۵

۱۷۶

۱۷۷

۱۷۸

۱۷۹

۱۸۰

۱۸۱

۱۸۲

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۱

۲۴۲

۲۴۳

۲۴۴

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۷

۲۴۸

۲۴۹

۲۵۰

۲۵۱

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

(مولانا) محمد علی ووگیری ^{۱۳۶، ۱۲۸}	(مولانا) محمد ایاس دہلوی ^{۱۳۸، ۴۹}
(مولانا) محمد غران خاں ندوی ^{۱۲۳}	(تلہ) محمد امان ^{۱۱۱}
(شیخ) محمد غوث گوایاری ^{۱۲۴}	(شیخ) محمد امین ابن عمر عابدین ^{۶۵}
(حاجی) محمد فائززادہ ^{۱۱۱}	(رئیس) محمد بک ابوالذهب ^{۲۱}
(سلطان) محمد فرج بیبری ^{۸۳}	(مولوی) محمد حضرت خان نیری ^{۱۶۸، ۱۶۷}
(مولانا) محمد قاسم پنجابی پوری (صاحب تایخ فرشتہ) ^{۱۲۲}	(مولوی بید) محمد احسان ^{۱۳}
	(قاضی) محمد حسین جونپوری ^{۳۹}
(مولانا) محمد قاسم ناؤتوی ^{۱۲۹، ۱۲۸، ۷۲}	محمد انوار زمی ^{۹۲، ۸۹}
(مولانا) محمد ناصر ناؤتوی ^{۱۳۲}	(مولانا) محمد رکیہ کانڈھلوی ^{۱۳۲، ۲۲۵}
(خواجہ) محمد حصین ^{۱۲۷}	(تلہ) محمد رمان ^{۱۱۵}
(مولانا) محمد سعید کانڈھلوی ^{۱۳۲}	(مولانا) محمد سجاد بہاری ^{۱۲۹}
(مولانا) محمد یعقوب ناؤتوی ^{۱۳۲}	(شیخ بید) محمد سعید (ثناہ بھیک) ^{۸۳}
(شفیقی) محمد بیعت ^{۱۱۲}	(قاضی) محمد سیام منصور پوری ^{۱۳۲، ۲۲}
(مولانا) محمود (صاحب شمس بازغہ) ^{۱۱۱}	(مولانا) محمد سورتی ^{۷۸}
محمود سریہ (سلطان محمود بن محمد شاہ جہرالٹی) ^{۲۷۰، ۲۶}	محمد شاہ اغلن ^{۱-۹۱۶۶}
(مولانا) محمود جونپوری ^{۱۲۲، ۷۶}	محمد شفیع لاہوری ^{۱۶۲}
(بید) محمود احسان ندوی ^{۱۳}	(مولانا) محمد صاحب لدھیانوی ^{۱۷۱}
(مولانا) محمود حسن وکلی ^{۲۲}	(شیخ) محمد طاہر الر آبادی ^{۱۱۱}
(شیخ الجند مولانا) محمود حسن دیوبندی ^{۱۳۲}	(مولانا) محمد طیب ^{۲۰۰}
۱۲۹، ۱۲۸، ۱۲۵	(علامہ) محمد طاہر طہی ^{۱۱۱، ۲۳۸، ۳۷۸}
۲۶	(حاجی) محمد عابد ^{۱۳۲}
محمود شاہ	(شفیقی) محمد عیاس لکھنؤی ^{۲۸، ۲۲}
محمود شاہ دوئم ^{۵۲-۵۵}	(حکیم) محمد عکری نقوقی ^{۲۹}
(سلطان) محمود غزنوی ^{۳۸، ۱۶}	(سرش) محمد علی جلاح ^{۱۲۸}
(ڈاکٹر) محمد الدین قادری روزر ^{۱۲۶}	(مولانا) محمد علی بوہرہ ^{۱۲۵، ۱۲۴، ۱۲۳}

(ن)			
١٥٢	لکھنؤی	(ناصر الملک مولانا بید) ناصرین کنفرزی	محمی الدین کاشانی
١٠٩	نجم الدین دشمنی	(مولوی) نجم الدین سرفندی	(ڈاکٹر) خمار احمد انصاری
١٠٩	نجم الدین سرفندی	(علاء مسید) مرتضیٰ بلگرامی (زیدی)	٢٠٠٧-٢٠٠٨
١٢-	(مولوی) نجم الغنی رامپوری	(مولوی) سعید عالم مخوی	٢٠٣
٢٢	(مولانا) نذیر حسین محدث ہلوی	(مولانا) مسعود عالم ندوی	٢٩
١٤٣	(مولانا) نصیر حسین	(مولانا) مسیح الرحمن خاں	١٣٨
١٢٢، ٨٢	(خواجہ) نصیر الدین پرواش دہلوی	(سلطان) مظفر شاہ جلیم گجراتی ٥٥، ٥٦، ٥٧	٥٥
١٥١	(ڈاکٹر) نظام الدین	(مفہی) نظر کریم دریابادی	١٤٩
٣٩	(شیخ) نظام الدین برہانیوری	(خواجہ) میعن الدین اجمیری ٦٠-٦١	١٥
٨٦-٨٣٠، ٢٢٤٣	(سلطان) الشاعر خواجہ نظام الدین اولیاء	میعن الدین عمرانی	١٠٩
١٣٩، ١٣٨، ١٣٦، ١٣٣، ١١٦، ١١٣	(استاذ العلماء) نظام الدین فرنگی محلی	(مولانا) مسیح الدین ندوی	١٧٤
١١٢	(مولوی) نیسم اثر	(مولوی) ملوك العلی	١١
٢٢	نور الدین ۔	(مولانا) مناظر احسن گلستان ٢٣، ٢٤، ٢٥	٨٣
١١١	(طا) نور الدین	(مولانا) منت الشرحانی	١٣٦، ٨٧
١١٢	(مولوی) نورالثیر	مندری رائے	٢٠٠
١٣٥، ١٣٣	(لواب) والا جاہ	(شیخ) منور دیکھٹھ قطب الدین	٥٦
١٠٩	وجیب الدین رازی	(سر) مسیح بن	١٤٠
١٢٣	(شیخ) وجیب الدین علوی گجراتی ١١١، ١١٥، ١١٤	مہابیرتیانی	١٩٨
١٥٣	(مولوی) وحید احمد	مہتا (N. S. MEHTA)	٣٢، ٣٣
١٥٣	(مولوی) وحید الدین علم پانچ پتی	ہرلبین الی صفرہ	٨٩
		(لواب) میر خاں	٨٠
		(لواب) میر درد	٤٩
		بیر	٢١٣
		بیلسن	١٦٢، ١٦٣، ١٥٨

١٣١	(مولانا) الجداد	١٥٠	(زواب) وقارالملک
١٥٩	ہلکو	١٣٤	(ڈاکٹر میر) ولی الدین
١٤٩	(میر) ہمایون جاہ	٧٢، ٦٢	(شیخ الاسلام شاہ) ولی الشریطی
١٦٢	ہنری میڈ (HENRY MEAD)	١٦٢، ١١٢، ١١، ٨٢، ٤	
	ہنری ہمیلتون تھامس (HENRY HAMILTON THAMES)	١١٢	(مولوی) ولی الشریف
١٥٤-١٥٨	ہومز (۵)	١٣٥	(مولانا) ولی الشریف تکمیلی محلی
٥٨	(بیدنا حضرت) یوسف علیہ السلام	١٤٤، ١٤٥، ٣٢	(ڈاکٹر میر) ولیم پنتر
١١٢	(مولوی) یاداشر	٢٠٨	ولیشتون تھجی
٩١	یاقوت الروی	١٥٤ (GEN. HORSE)	(جزل) ہارس
١٤٨، ١٤٦	(مولانا) بحکی علی	١٥١	(مولانا سید) ہاشم ندوی
٩٤	(خدود شیع) تحسینی میری	١٧٦	(پروفسر) ہارون خان مشروانی
		١٢٠	(مسٹر) ہاکش

کتابیات

٢٣	اسلامی مائیات	الف
٦٥	اصفی الموارد فی ترجمۃ سید نافال الدلّ	ابجد العلوم
٢٥	اتھارائیت	ابو العلماء وما إليه
١٢٥	اعصار ارابیم	آثار السنن
٦٢	اکبرنامہ	آثار الصنادید
٦٦	الإعوان فی أقسام القرآن	ازالۃ الخفاء
٢٥	اسکل	ازالۃ الشکوک
١٨-	انسانی دنیا میں لاؤں کے عزیج وزوال کا اثر	اسرار الحجۃ
	انڈیا وینس فریم (INDIA WINS FREEDOM)	اسلامی علم و فنون ہندوستان میں

١٧٣	كتبة الأحوذى في شرح سنن الترمذى	٤٥	أوجز المسالك إلى شرح مؤطاماً مالك
١٣٤	كتفظ بمحبته (رسالة)	٦٤	آورانزيرين ملماش
١٤٥	تحقيقات مالابار (رپورٹ)	٦٢، ٦٤	آمين أكبرى
١٨٣	كتفة الهند	٦٥	(ب) (پ)
٢٣	تدوين حدث	٦٦	بابرى سجدة تاريخي پس نظر او پيش نظر کي روشنی میں
٧١	تذكرة أديم	٦٨	
٧٢	تذكرة آزاد	٦٩	بذل المجهود في شرح سنن البى داؤد
٨١	تذكرة حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی	٧٢	برزم صوفیہ
١٢٢، ١١٩	تذكرة علمائے ہند	٧٤	بربان (رسالة)
٣٨	تذكرة الموضوعات	٧٥	البعث الاسلامي (مجلہ)
٢٤	ترجمان القرآن	٧٦	البلغة في أصول اللغة
٢٥، ٢٣	تریک باری	٧٧	البيان (رسالة)
٢٢٠، ٢٥	تریک بھائیگری	٧٨	پرابدھا بھارت
٢٢	تعليق المجدد	٧٩	پرده
٩٤	تفسير احمدی	٨٠	(ت) (ث)
٢٥	تفسير مظہری	٨١	تاج العروض في شرح القاموس
٢٨	تفہیمات	٨٢	التاج المکمل
٣٦	تقریر دلپذیر	٨٣	تایپ اودھ
٤٤	قصار	٨٤	تایپ دعوت وغزیمت
٤٧	تکمیل الاذان	٨٥	تایپ فرشتہ
(DISCOVERY OF INDIA) سلامش ہند		٨٦	تایپ فروزانشی
٢٩١٢٥٤٢-		٨٧	تایپ گجرات دیکھئے یادیام
١١٢	تلوریع	٨٨	تھفہ اثنا عشری

٦٢	رواش اقبال	٢٢	تمدن هند (كتاب يان)
١٤٣	رولٹ روپرت (ROWLETT)	٣٨	تفصیلات
١٤٤	زیندار (جريدة)	٣٥	توراة
٣٨	بیع بیارہ	٣٢	الثقافة الإسلامية في الهند
٢٢	السعایہ في شرح شرح الوقایۃ	٣٩،٣٨،٣٦،٣١	
—	سل الحسام الهندي لنصرة —		
٤٥	مولانا خالد القشیدی	٢٠	جامعة العلوم
٣٨	سطر الآلی	٣٩	الجامعة (جريدة)
١٥٨	سن تاون (١٨٨٤ء۔ بندرالل)	٣٤	جمع الجوامع
١٥٨	سن تاون (١٨٨٤ء۔ غلام رسول قبر)	٣٦	جمهورية البلاغة
١٤٢، ١٤٣، ١٤		١٠٢	جنة المشرق
٣٢	شن أبي داؤد	٢٦	JURIS PRUDENCE HARVARD
٣٨	سود	٣٦	حیۃ الاسلام
٤٥	ید احمد شہید (غلام رسول قبر)	٤٢، ٤٣	حیۃ الشراب العز
٨٤، ٨٥، ٨٢، ٦٨	سیر الاولیاء	٣٢	خطیبات مدراس
٣٤	سیرت رحمۃ العالمین	٣٩	الدائی (صحیفہ)
٧٥، ٧٥، ٦٣	سیرت ید احمد شہید	١٥٢	دانۃ المعارف (رسالہ)
٨٥	سیر العارفین	١٦٧	دی اور سائے
٣٤	سیرۃ النبی		THE OTHER SIDE OF MEDAL
١١٢	پیشہ عقائد نسی	٢٢، ٢١	رامان
١١٢	شرح مطاع	٣٩	الرأیہ (صحیفہ)
١١٢	شرح ملا جامی	٦٥	روضتار
١١٢	شرح موافق	٣٩	الضوان (محلہ)

٢٦	فقه اللسان	١١٢	شرح وقاية
٢٢	القواعد اليهودية	٥٤	شرائعهم
٨٢، ٤٥	قواعد الفواد	١١١	شمس يازغة
	القواعد في أصول المعرفة والقواعد		ص (ف) ظ
٨٩		١١٦، ٣٨	صحاب ستة
٢٤	الغوز الكبير	٢٩	الصحوة الإسلامية (صحيفة)
٢٥	فيض الباري	٢٥	مجمع التجارى
(FORTY ONE YEARS	فوري إيرس	٣٦	صراط مستقيم
١٤٢	IN INDIA	٣٩	صوت الأمة (صحيفة)
	(ف)	٢٩	الضياء (مجلة)
٧١	قاموس المحيط	٢٣	ظفر الامانى
٢٠٢	قامي آواز (جريدة)	٣٦	ع (ع) العباب الذاخر
١٦٣	قيصر التوارىخ	٦٢	العقبات
	(ك) (ك)		
١٤٨، ١٤٤	كالاباني	١٤٣، ١٤٠	عروج سلطنت انكلشية
١٤١	كامريڈ (COMRADE)	٢١	العلم الخفاقي في علم الاستدراك
٣٩	كتاف اصطلاحات الفتوح		عون المعيد في شرح أستن
٣٥	كتفت النطون	٣٢	إلى داؤد
١٠٦	كليات حائل	٣٣	غاية المقصود
٣٤	كرذ العمال		(ف)
٧٩	گل رعناء		الفتاوى الهندية (فتاوی عالمیہ)
	گلوری آت اقبال	٣٩، ٣٨	
٧٤	(GLORY OF IQBAL)	٢١	فتح البيان في تفسير القرآن
	(L)	٢٥	فتح المأهر في شرح مجمع مسلم
١٤٠	(LIFE OF LORD LAWRENCE)	٣٦	القرائين

٥٨	معالم التزيل	سان العرب
٢٢	معجم المصطلين	لبيط رسيلين (LATE REBELLION
٩٢	مفاسيم العلوم	IN INDIA AND OUR FURTHER
١١٢	مفتاح العلوم	POLICY)
٢٢	مفتاح كنوز السنة	(٣)
٤٠	مقدمة ابن خلدون	آخر الامراء
٧٦	كتوبات سرہندی	ماثر الکرام
٦٢	كتوبات سردی	المبین
٢٢	النار (محله)	معجم بحار الانوار في عوایب التزیل
١٢٨	مناقب رضا قیم	ولطائف الانبار
١٢٢، ١٢١	منتخب التواریخ	منظر
٣٦	منصب امامت	مرأة سکندری
١١٢	موافق	مسلم الشیوت في أصول الفقه
٦٦	مولانا محمد الیاس اوران کی ویسی دعوت	مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت
٢٢، ٢١	مہا بھارت	مسلم ان انڈیا
(٩)		(MUSLIMS IN INDIA)
٢٢، ٢٣	الذی احتجم	مسلم گزٹ
١١٤، ١-٨	الثروہ (رسال)	السلیمان (محله)
٥٨، ٥٥، ٣٨، ٣٢، ٢٦	ترہیۃ الخواطر	ال المسلمين فی الهند
١٢٣، ١٢، ١١٩، ٨٣، ٤٢، ٤٠		مشارق الانوار
١٤١	نصرة الابرار	صیباح الدّیجی
نظام تعلیم و تربیت دیکھئے		مطالع
مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت		مطول
٤٢	نقوش اقبال	معارف (رسال)
٩٣	نقوش سلیمانی	١٢٢، ٢٣

۱۷۶۱۶۱	البطال (جیدہ)	۱۱۵، ۱۱۱	نور الدار
۱۸۸	ہمالے پروج	۱۲۸	تیا طوفان اور اس کا مقابلہ (رسال)
۲۸	المهدی العہد الاسلامی (جگہ المشرق)	۷۵	وقایع احمدی
۳۲	ہندوستانی تہذیب		وقایع بیرونیات (TRAVEL IN MUGHAL EMPIRE)
۱۰۸	ہندوستان کا نصاب درس	۲۱	MUGHAL EMPIRE
۱۸	ہندوستان کے علم و سلطی کی ایک جملک	۲۲	وید
۱۳	ہندوستانی مسلمان		۵) ہستوری آف انڈین موتینی (HISTORY OF INDIAN MUTINY)
۱۶۵	ہندوستانی مسلمان (ہنتر)		
۱۲۶۱۵۴	یادوایام (تاریخ گجرات)	۱۵۹، ۱۵۸	
۱۵۲	یادوایام (YOUNG INDIA) (رسال)		

مقامات

۵۲	آگرہ	(الف)
۱۲۱، ۱۲۴، ۱۱۱، ۱۱۲	الآباد	ابودھیا
۶۶	امرکیر	احمد آباد
۱۲۲، ۱۱۲	لٹھی	آذریا شجان
۱۲۲، ۱۱۳	انتال	آرمنیہ
۱۶۸	انڈان	اڑلیہ
۱۳۶	آنند (گجرات)	اپسین
۱۲۲، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳	اوودھ	اسلامی حاکم دیکھئے عالم اسلام
۱۰۱	اورنگ آباد	اعظم گڑھ ۱۳۴، ۱۳۹، ۱۳۷
۳۸	اندووارہ (ہنر وال)	۱۰۸، ۱۰۵، ۱۰۷
۷۵، ۰۹، ۰۵، ۰۲، ۰۱، ۰۳، ۰۲	ایران	افغانستان ۱۳۳، ۱۲۸، ۱۲۷، ۱۲۶
۱۸۳، ۱۲۴، ۰۱، ۰۲، ۰۳		۱۷۲

۷۲	بیروت	۱۸۲۰۱۳۲	اشا ایشائے کوچک
	(پ)		
۸۵۰۱۸۲۰۱۳۹۰۲۸	پاکستان	۱۳۳	
۸۳	پاک پت	۴۶	بایری مسجد احمدیہ
۳۷	پشن	۱۵۳	بانکی پور
۱۶۶۰۱۵۰۸۰۵۳۰۱۳۵۰۱۴۲	پشته	۱۳۳۰۶۰	بخارا
۱۷۸		۱۲۲	بخارا (بردوان)
۱۹۰	پنجاب	۱۲۲	بردوان
۱۷۸	پورٹ انڈیا	۱۸۲۰۱۶۴	بڑھیز
	(ٹ)	۲۱۱۰۱۸۰۱۲۲۰۱۶۱	برطانیہ
۲۹	تاج محل	۱۰	بریلی
۱۷۲	تاج المساجد (بھوپال)	۱۸۹	بنیتی
۱۳۳	تبت	۱۶۰۱-۹۱۶	بندراد
۱۷۶	ترخانی	عرب	بلاد عربیہ - دیکھئے
۷۰-۱۵۹۰۵۲۰۳۰۰۲	ترکستان	۱۷۲	بلیارگن
۱۸۳		۱۶۱	بلقان
۷۰-۱۷۲۰۱۷۵۰۰۵	ترکی	۱۱۸۰۱۱۲	بلگرام
۱۳۶	ترکیسر	۴-۱۰۲۰۰	بیہقی
۱۱۳	تلنیہ	۲-۲۰۱۳۵۰۲۰۲۰۰۹	بنارس
۱۱۰	تحاتہ بھون	۱۷۰۰۰۰۳۰۰۲۸	بنگال، بنگال
۱۴۲۰۸۳	تفہامیسر	۱۳۶	جنگلور
۱۰۲۰۸۰	لوںک	۱۰۱	بنگلوریش
۸۲	ٹیلے والی مسجد (لکھنؤ)	۴-۰۱۹۰۰۱۷۲-۰۱۳۰۰۱۹	بخارا
۷۴	جاپان	۱۰۱	بنگل
	(ج)	۱۷۲۰۱۳۰۰۱۳۹۰۱۳۸	بھوپال (۱۷۰۰۱۳۹۰۱۳۸)

جیو	جیو	جیو
۱۲۳	۵	۱۱۲
۷۱	دارفور	۱۳۳
۱۳۴، ۱۳۵	دریھنگر	۲۲
۱۶۸	دریٹر شور	۱۸۳
۳۶۰۳۱۰۲۲۰۱۳	دشت	۱۲۱
۱-۰۲۸۸۶۸۹۰۸۲۰۸-۱۷۷۰۳۷۰	دیلی	۲۱۲
۱۰۵۰۴۷۳۰۱۲۰۰۱۴۰۰۱۳۰۱۱-۰۱-۹	دیلی	۱۲۶، ۱۱۱، ۱۱۱-۱۸۲
۱۹۱۶۹-۰۱۶۱۰۱۷۰-۰۱۵۷۰۱۳۶	دیلی	۱۳۰
۲-۰۲۰۱۹۸۰۱۹۲۰۱۹۲	دیوندر-۱۳۲	۱۶۱
۱۴۲۰۱۵۸۰۱۳۴۰۱۱۳	دیوہ	۱۳۲
۱۱۵	ڈائیبل	۱۳۶
۱۳۶	س	۱۳۳، ۷۰
۱۵۲۰۱۳۵۰۱۲-۰۱۱۹۰۸۱	رامپور	۷۰
۲-۸	رام جم بھومی	۷-۰۴۵۶۴-۰۵۹۰۳۷
۲۱۲	راپنجی	۱۱۲، ۶۱
۱۳۶	راندیر	۱-۰۷۴۸۹۰۷۲۰۳۷۰۲۸
۲۱۳	راو کرکیلا	۱۲۵، ۱۲۳، ۱۳۹، ۰۱۳۶۰۱۳۵
۱۷۱	رامے بولی	۱۹۰، ۱۵۰-۵۲
۱۳-	رامے پور	خانقاہ رشیدیہ-جنپور
۱۶-	رنگون	خانقاہ رشیدیہ-گنگوہ
۱۳۳	روس	خانقاہ شاہ بیہک (محمد سعید)
۶۰۰۶۵	روم	خانقاہ شیخ سیف الدین سرہندی
۱۲-	روہیل کھنڈ	۸۲
		۸۲
		۸۳
		۸۳

۴۲	عظیم آباد	۵۰	ریاض
۱۹۸۶۱۵۷۶۰۱۳۹۶۰۳۲۰۳۹	علی گردنه	۷۱	زید
۱۳۵	غم آباد		س (ش) (ص)
۲۰۷	عیدگاه مقرا	۵۶	سارنگ پور
۴۲	غازی پور	۱۵۱	سرائے میر
۱۴۳، ۱۲۳	فرنگی محل (کفتو)	۱۵۶	سرنگاپور
ق		۸۳	سرپند
۱۳۳	قازان	۴۰	سرقد
۹۱۰۹۰	قابلہ	۵۷۰۲۸	شارکاوں
۱۰۹	قرطیہ	۱۱۲	سبھل
ک		۱۶۶	شدین
۷۱	کازرین	۱-۸۰۵۲۰۲۸	شدھ
۱۱۲	کاگوری	۱۱۲	شدیلہ
۱۰۶، ۱۳۴	کالی کٹ	۱۳۷، ۱۳۴، ۱۱۲	سہارپور
۱۷۱	کانپور	۴-۰۶۵۰۲۷۵۰۲۸	شام
۷۰۰۴۵	کردستان	۷۱	شہزاد
۱۰۷	کرفول	۱۶۸	صادقپور
۱۵۷، ۱۳۵، ۱۷۶، ۱۳۹، ۱۳۲	کلکتہ		ع (غ) (ف)
۱۶۱، ۱۶۶		۳۲، ۱۳	عالم اسلامی - اسلامی حاکم
۱۲۶	کوڑا جہان آباد	۴۷۰۰۲۳۰۵۳۰۵۱۰۵۰۰۳۹	
۱۲۲	کونڈا	۱۸۳۰۱۴۲۰۱۵۱۲۲-	
۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۴، ۱۰۳	کیوال (مالبار)	۴-۰۶۵۰۳-	عراق
ک		۳۹، ۱۳	عرب - حاکم عربیہ - بلاد عربیہ
۱۳۶، ۱۱۵، ۱۱۱، ۱۰۶	گجرات	۱۱۴۰۱۱۳۰۷۵۰۰۹۰۰۹۰۰۳۸	
		۱۰۷، ۱۰۷	

۱۳۵۰۸۱	مراد آباد	۷۵۰۳۳	گنگا (دریا)
۱۳۳۰۷۱	مراکش (مغربی قصی)	۱۳۰۸۲	گنگوہ
۷۵۰۲۲	مرزاپور	۱۱۲	گوپا شو
۱۰۳۰۱۲	مشرق وسطی	۲-۷	گیلانی بانی مسجد (بنارس)
۷۵۰۲۱۰۲۰-۰۳۸	مصر		(۱)
۱۷۲	منظور پور	۱۴۱	لال قلعہ (دہلی)
۷-۰۵۰	کرکو مختبر	۱۶۷۰۱۲۰۱۱۱۱۵۰۱۱۱۰-۰۷۱	لاہور
۱۱۳۰۱-۹۰۱۰۸	شنان	۱۶۱	لاہوری دروازہ (دہلی)
۱۷۱	بلیشا	۸۲۰۵-۰۷۹۰۳۴۰۳۱۰۲۸	لکھنؤ
۱۳۶	موئکبر	۱۲۶۰۱۰۲۳۰۱۱۱۲۰۱۱۱۰-۰۲	
۱۰۵	یمسور	۵۸۰۱۹۳۰۱۰۷۳۰۱۰۵۰۷۰۱۰۳۵-۰۲	
(۲)		۱۳۵	لہ پام رائے
۱۱۴۰۱۱۱	نیوتنی		(۲)
۱۷۱	نیپال	۱۴۳	ہاتھا
۵۰۰۰۲۸	نیلاب	۶۰۰بار	دیکھٹے کیرال
۲۱۲	نیوبیارک	۵۶۰۵۵	والدہ
۱۳۵	ولیور	۱۳۶	مالکاؤں
(۳)		۵۶۰۵۲	مانڈو
۱۱۲	ہرگام	۱-۸	ماوراء الہر
ہندوستان کتاب کے اکثر صفحات میں		۲-۷	ستھرا
۱۳۳	یافتان	۱۰۳۴۰۱۰۳۵۰۱۰۲۳	دریاس
۷۱	ین	۲۰۰-۱۶۹	
۱۹۳۰۰۱۹۱۰۱۹۰-۰۱۵-۰۱۰	لوپی (اترپر لپتی)	۱۷۲	دھرم پر دشت
۱۲۱۰۱۰۵۰۰۱۰۳۶۰۰۴۴	لوپ	۱۰۳۰۱۶۱	دریہ موتورہ

متفقات

مطابع علمی و نشریاتی ادارے اور کتب خانے

- خدا یخشن لاٹریری - پٹیہ ۱۵۳
 دارالترجمہ - جیدر آباد ۱۵۳، ۱۵۲
 دارالمصنفین علم کاظم گڑھ (شیعی اکیڈمی) ۱۸
 ۴-۸۰۱۷۲۶، ۱۷۲۶، ۱۳۹۸، ۳۹۰۲۲
 دائرة المعارف الشعائریہ - جیدر آباد ۲۸
 ۱۵۰-۱۵۲، ۳۶
 رضا لائبریری - رامپور ۱۵۲
 کتب خانہ آصفیہ - جیدر آباد ۱۵۲
 کتب خانہ دارالعلوم دلومند ۱۵۲
 کتب خانہ ناصر الملک - لکھنؤ ۱۵۲
 کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ ۱۵۲
 کتب خانہ نواب صدر یار جگہ نولانا عجیب الرحمن
 شروانی علی گڑھ ۱۵۲
 مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ ۱۵۲
 ۲۰-۸۰۱۷۲۶، ۲۸۶۱۳
 الجامع العلمی العربی، دمشق ۳۶، ۲۲
 مطبع مفید عام ۱۳۶
 مولانا آزاد لاٹریری مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ ۱۵۲
 ندوۃ المصنفین - دہلی ۱۳۶

- فللاح المسلمين رائے بریلی ۱۳۱
 کافشہ العلوم - اورنگ آباد ۱۳۱
 مدرسہ الحدیث سلفیہ - ہریاں سرائے (در بھنگر) ۱۳۵
 درستہ الاصلاح - سرائے میر ۱۲۱
 مدرسہ احمدیہ - در بھنگر ۱۳۶، ۱۳۵
 مدرسہ پیر محمد - لکھنؤ ۸۲
 مدرسہ جالیہ - مدراس ۱۳۵
 مدرسہ حافظیہ - دہلی ۱۳۵
 مدرسہ شاہی - مراد آباد ۱۳۵
 مدرسہ شمس الہندی - پٹیہ ۱۳۵
 مدرسہ حافظیہ - رامپور ۱۳۵
 مدرسہ عالیہ - سکھلہ ۱۳۵
 مدرسہ العلوم علی گڑھ (علی گڑھ کالج) ۱۲۳
 ۱۲۰
 مدرسہ مظاہر العلوم سہارپور ۱۳۲
 مدرسہ ناظمیہ - لکھنؤ ۱۳۵
 مدرسہ نظامیہ - جیدر آباد ۱۳۵
 مدرسہ الوعظین - لکھنؤ ۱۳۵
 مدینۃ العلوم - کیرال ۱۳۶
 مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ ۲۹، ۳۶
 ۱۹۲۶، ۱۵۲۶، ۱۲۳-۱۷۵
 بیڈیکل کالج مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ ۱۳۶
 ۱۳۶
 ۱۳۶

تحریکات اوس انڈیا اور ادالے

۱۵۰۔	دینی تبلیغی کو تسلی یوپی	
۵۰۔	روایتی اسلام اسلامی کو مکرمہ	
۱۱۷۹	مسلم ایج کیشل کا تقریں علی گڑھ	
۱۶۲۹	مسلم یگ	۸۸۲۸۸۱۳۲۱۲
۱۶۲۹	ندوۃ العلماء لکھنؤ	۲۵۲۰۱۴۲
۱۱۷۶	ندوۃ العلماء لکھنؤ	۱۹۲۶۱۹۳
۱۷۲۶۱۷۰-۱۱۳۸۱۳۲۱۱۲۸		انڈو ایران سوسائٹی
۲۷	ولیشوند پریشند	۱۰
۲۰۰۱۹	ہندو سماج	۱۰

سلسل تصوف

۱۱۲۸۱۶۶-۱۴۹	طریقہ چشتیہ	۲۰۷	بی، بی، بسی (لندرن)
۷۹	طریقہ شہروردیہ	۱۶۷۲۱۱۴۳۸۱۵۵	تحریک آزادی پرند
۷۹	طریقہ شطاطریہ	۱۸۰۱۱۷۸	تحریک پیام انسانیت
۱۱۲۸۱۶۹	طریقہ قادریہ	۲۱۵۳۱۱۱۲۱۰	تحریک ترک موالات
۷۹	طریقہ قلندریہ	۱۶۵	تحریک خلافت
۸۰۰۱۶۰	طریقہ محمد دینی	۱۱۷۷۱۱۱۷۶۱۱۷۳۱۱۷۵	تحریک شدھی و شکھن
۷۹	طریقہ دراریہ	۱۶۶	تحریک چاہرین (احمد شہد?)
۸۰۰۱۶۹	طریقہ نقشبندیہ	۱۶۶۰۱۱۶۶	جماعت اسلامی ہند
سکے		۱۵۳	جماعت الہمجریت
۸۹	اشتری	۱۲۹۰۱۱۲۸۱۱۶۳	جمعیۃ العلماء ہند
۸۹	درہم	۱۵۵۰۱۱۳۱۲۰۱۸۵۵	جنگ آزادی پرند
۸۹	دینار	۱۹۵۰۱۱۶۹۱۱۶۴۰۱۶۴۰۱۵۶	۵۹
۸۹	کیرانت	۱۰-	دینی تبلیغی بروڈیوپی
۸۹	قیراط	۱۸۹	دینی تبلیغی کا تقریں بستی ۱۹۵۶ء

دیگر متفرقات

سلطنت عثمانیه ۱۴۷۸-۱۴۷۹	سلطنت مغلیه ۲۲	چنگ آذوی پند و بیکه شترنکات چنگ یقان ۱۹۱۳
طپ یونانی ۳۰	چند علائی ۷۲-۷۳	خلافت راشدہ ۶۵
غدر ۸۵۴-۸۵۵	غدر ۸۵۴-۸۵۵	درس نظامی ۱۳۷۸-۱۱
قتنه عثمانی ۵۱	کریم ششن (برطانوی و فد) کیمینٹ ششن (برطانوی و فد) ۱۸۰	ستی (رسم) سرسالار چنگ عجائب خانہ حیدر آباد ۲۱۰۲-
مورکہ مرٹکایم ۷۹۹-۸۰۰	۱۵۴	۱۵۲